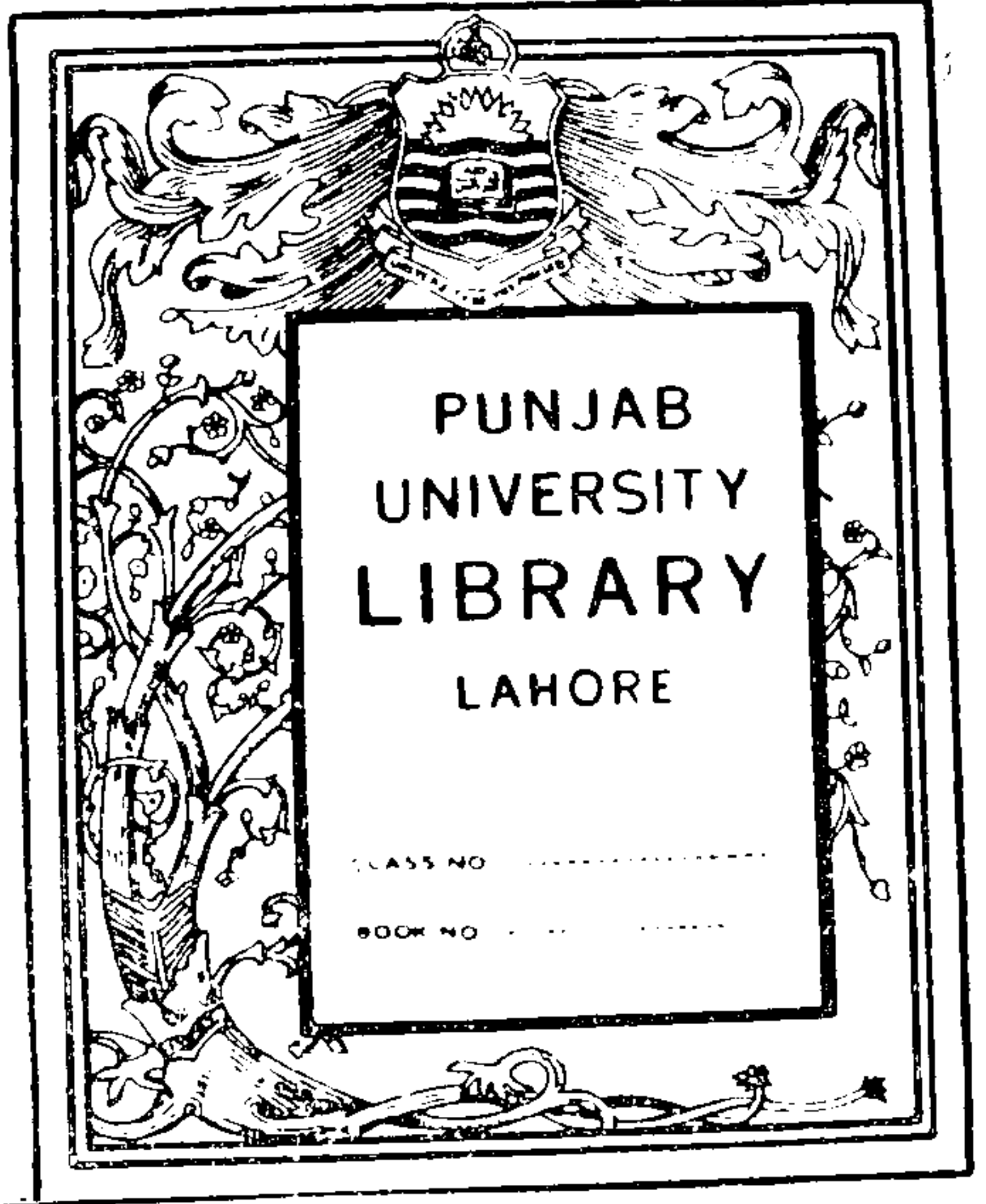


# دلائل الامتثال

مُصَنَّفٌ

فقیر محمد مولانا ابو یوسف محمد شریف محدث کوٹلوی رحمت آباد

فکر سیکسٹل اردو بازار لاہور



ڈاکٹر صاحبزادہ میاں جمیل احمد شہر قنبری، نقشبندی مجدی

جو 2001ء میں میاں صاحب نے

پنجاب یونیورسٹی لائبریری کو عطا فرمایا

# مشورات علمیہ

## فریدیکسٹال لاہور کی ایک سالہ اشاعتی خدمات، ایک نظر میں

تصانیف مولانا ابوالنور محمد بشیر کوٹلوی

۱۵۰/-	طبت روحانی ۶/۶۰ ، ترمذی شریف مترجم مکمل دو جلد	۲۲/-	خطبات اول
۱۸/-	فتاویٰ عالمگیری ۶۵۰/- ، منتخب حدیثیں جلد فوم پلاسٹک	۲۲/-	خطبات دوم
۶۰/-	حجۃ اللہ البالغہ	۲۴/-	خطیب
۲۴/-	زلف و زنجیر اول	۲۴/-	واعظ اول
۱۳/۵۰	ذکر البہر	۲۴/-	خطبات دوم
۳۰/-	کوشا خیرات شیخ الحدیث علامہ اشرف سیالوی	۲۴/-	خطبات سوم
۵/-	نسیم رحمت	۲۴/-	خطبات چہارم
۶۵/-	اشعۃ القمعات اول (ترجمہ مولانا محمد سعید نقشبندی)	۲۴/-	مفید الواعظین
۲۲/-	مسند امام اعظم	۲۲/۵۰	آغا جان نور کا
۱۸/-	تذکرۃ الاولیاء	۲۴/-	عورتوں کی حکایات
۲۴/-	دلائل المسائل (فقہ اعظم کوٹلوی)	۱۶ ۵۰	سچی حکایات اول جلد ڈسٹ کور
۲۴/-	فقہ الفقہ	۱۸ -	خطبات دوم
۳۶ -	شمع شبستان رضا جلد فوم پلاسٹک مکمل چار حصے	۱۸ -	خطبات سوم
۳۱/۵۰	جلد ڈسٹ کور	۱۵ -	خطبات چہارم
۱۸/-	روح تصوف (از سید خورشید احمد گیلانی)	۱۵ -	خطبات پنجم
	سال رواں کے اشاعتی منصوبے اپنے تکمیل مرحلے میں	۱۶/۵۰	مثنوی کی حکایات
	اشعۃ القمعات جلد دوم سوم	۱۲/-	شیطان کی حکایات
	بخاری شریف مکمل مترجم تین جلدوں میں	۱۵/-	عجائب الہیہ آغا جان نور کی دنیا
	ریاض الصالحین مترجم مکمل دو جلدوں میں	۱۶ ۵۰	نماز حنفی مدلل (فقہ اعظم کوٹلوی)
	مقالات سعیدی (مولانا غلام رسول سعیدی فیوض یزدانی)	۲۱/-	الفاروق
	ابوداؤد شریف تین جلدوں میں	۲۶/-	سنتی ہستی زیور امنی محمد علی خاں برکاتی
	علمائے اہل سنت کی حکایات (ابوالنور کوٹلوی)	۱۵/-	ہمارا اسلام
	جامع المعجزات (صاحبزادہ مولانا اعجاز مصطفیٰ کوٹلوی)		

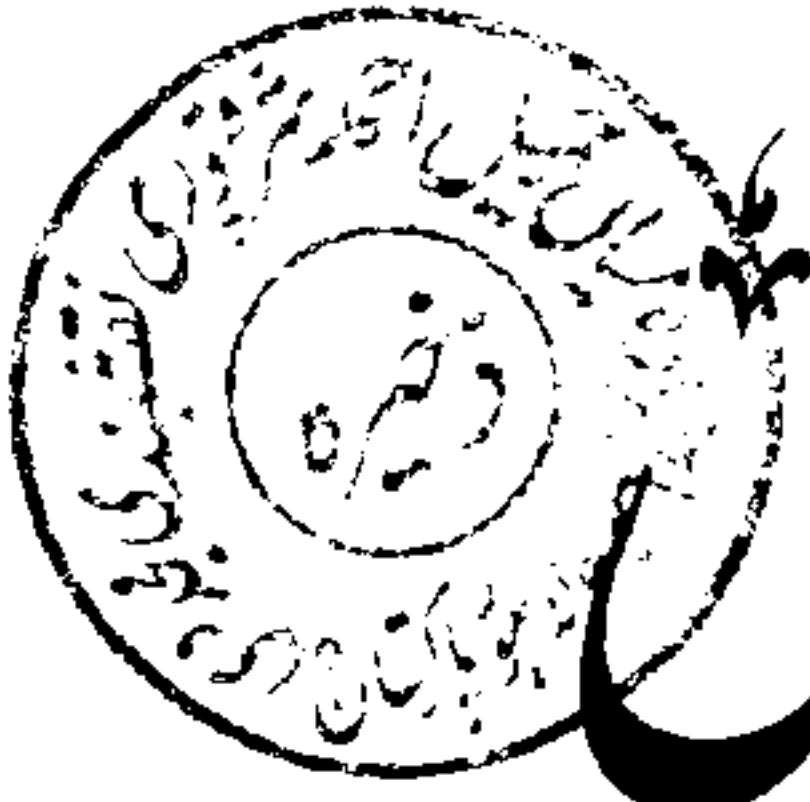
علاوہ ازیں دیگر اداروں کی اسلامی مطبوعات بھی ہموار ہوں پر ہمارے ہاں دستیاب ہیں، رابطہ کے لئے تحریر کیجئے :

فریدیکسٹال - ۴۰ - اردو بازار، لاہور



فقیر اعظم مولانا ابوالیوسف محمد شریف محدث کوٹلوی رحمۃ اللہ علیہ

کے تحقیقی رسائل کا حسین و جمیل مجموعہ



# دلائل المسائل

شیعہ مذہب کی ابتداء - مسائل شیعہ - ماتم کا شرعی حکم  
کتاب التزویج - کتاب التزویج پر اعتراضات کے جوابات  
کتاب الجنائز - ختم یا فاتحہ مروجہ کے جواز میں دلائل  
ندائے یارسول اللہ کے جواز میں دلائل - اربعین نبویہ  
آنحضرت کی نجدیوں سے نفرت - تبریز مشائخ پر تہمتوں کا جواز  
وہابیہ سے مناکحت - حضرت غوث اعظم کے ارشادات  
وحید الزماں کے اقوال - ابن تیمیمہ کے اقوال

ناشر: فریدنگ ٹائل : بہار بازار: لاہور

59824

نام کتاب	دلائل المسائل
تصنیف	فقیر اعظم ابو یوسف محدث کوٹلوی
ترتیب و تدوین	عطاء المصطفیٰ جمیل ایم، اے
کتابت	فضل الہی حضرت کیلیا نوالہ صاحب
ناشر	سید اعجاز احمد رکن پکتان سنی رائرزنگلہ
مطبع	عالمین پبلیکیشنز پریس ریگین روڈ لاہور
قیمت	روپے

30-00



## ترتیب

۴	پہلی نظر
۵	شیعہ مذہب کی ابتداء
۳۱	مسائل شیعہ
۶۲	ماقم کا شرعی حکم
۷۱	کتاب التراویح
۱۳۱	کتاب التراویح پر اعتراضات کے جوابات
۱۶۳	کتاب الجنائز
۱۷۹	ختم یا فاتحہ مرد جب کے جواز میں دلائل
۲۰۳	کشف العطاء عن مسئلۃ النداء - ندائے یارسول اللہ کا جواز
۲۳۲	اربعین نبویہ
۲۸۹	آنحضرت کی نجدیوں سے نفرت
۳۰۳	قبور مشائخ پر قبے بنانے کے جواز میں دلائل
۳۲۷	وہابیہ سے مناکحت
۳۷۵	غوث اعظم کے ارشادات
۳۸۸	وحید الزماں کے اقوال
۴۰۰	ابن قیم کے اقوال

## پہلی نظر

جدی المکرم حضرت فقیر اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے علمی مضامین تقریباً ربع صدی تک الفقیہ ام تسری کی زیب و زینت بنتے رہے۔ آپ نے جس مسئلہ پر قلم اٹھایا تحقیق کا حق ادا فرما دیا۔ نماز مدلل، کتاب الترویج اور تائید الامام نے تو جلیل القدر علمائے معاصرین سے دادِ تحمیں حاصل کی تاہم آپ کی بیشتر تحریریں کتابی صورت میں طبع نہ ہو سکیں۔

الفقیہ میں سے داد ا جان کے بعض فقہی مضامین ترتیب دے کر فقہ الفقہ کے نام سے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر چکا ہوں۔ دلائل المسائل کے نام سے یہ دوسرا مجموعہ حاضر خدمت ہے۔

برادر م سید اعجاز احمد صاحب کا ممنون ہوں۔ یہ انہی کے تعاون کا نتیجہ ہے اجاب کا تعاون جاری رہا تو سنی بھائیوں کی خدمت میں داد ا حضور کی مزید تحریریں پیش کرنے کی سعادت حاصل ہوگی۔

عطاء المصطفیٰ جمیل



# شیعہ مذہب کی ابتدا

دلیل اور معلومات افزا

مختصر مگر جامع تحریر

## بِسْمِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس زمانہ میں تمام دنیا کو ڈرانے اور راہ ہدایت دکھانے کے لیے ملک عرب میں ظاہر ہوئے، آپ کی تبلیغ کسی قوم یا کسی نسل کے ساتھ مخصوص نہ تھی، تاہم حضور علیہ السلام نے اپنی اس دنیوی زندگی میں جن قوموں تک آسمانی آواز پہنچائی وہ عرب کے باشندے تھے۔

عرب میں اس وقت بڑی تعداد مشرکین بت پرستوں کی تھی اس کے بعد لاندہبوں یہودیوں صابئین نصاریٰ کا مرتبہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت نے چند دنوں میں ہی دنیا کی کایا پیٹ دی۔ مذکورہ بالا تمام مذاہب نیست و نابود ہونے لگے اور لوگ جوق درجوق اسلام میں داخل ہونے شروع ہو گئے۔ ابتداء میں ہر ایک باطل مذہب نے آپ کا مقابلہ کیا۔ عداوت کا کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا۔ قتل کے منصوبے باندھے گئے لڑائیاں کیں۔ دولت، ملک اور حسینہ عورتوں کے لالچ بھی دیے۔ مگر حق کے سامنے کبھی باطل کے پاؤں جھے سٹھے؟ کہ وہاں جھم جاتے۔ چند دنوں میں ہی غیر مذاہب کے بادل چھٹ گئے اور سب کو ایک ایک کر کے رخصت ہونا پڑا۔ سب سے زیادہ عداوت مسلمانوں کے ساتھ یہود اور مشرکین کو تھی۔ قرآن پاک نے اس کی خیر دی اور فرمایا۔

لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ  
اشْرَاكُوا۔

کہ تم مومنوں کے ساتھ سب سے زیادہ عداوت رکھنے والے یہود اور مشرکین پاؤ گے۔

چونکہ عرب کا اکثر حصہ مشرکین سے آباد تھا اور حضور علیہ السلام کو اکثر وعظ و نصیحت میں انہی کے ساتھ موقع ملتا تھا۔ یہ لوگ اپنے مذہب کے برخلاف باتیں سن نہیں سکتے تھے۔ اس لیے مشرکین کو حضور علیہ السلام کے ساتھ زیادہ عداوت ہوئی یہودی بھی اس لیے برسرِ پیکار ہوئے کہ مشرکین کے بعد انہی لوگوں کا اقتدار تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پانسو برس پہلے نجات نصرت نے یہودیوں پر حملہ کیا۔ اس وقت یہودی خانماں برباد ہو گئے اور شام سے بھاگ کر ملک عرب میں جو شمال عرب میں علاقہ خمیر ہے۔ وہاں جاگزین ہوئے اور وہاں سکونت پذیر ہو کر اپنے مذہب کی اشاعت کرنے لگے۔ زراعت و تجارت کے ذریعہ انہوں نے اپنا جماؤ مستحکم کر لیا۔ پھر ان کے بطارقہ اور علما مختلف قبائل میں گھومنے لگے اور عرب میں یہودی مذہب کی بنیاد جم گئی۔ یمن کے مشہور بادشاہ ذونواس حمیری نے یہودی مذہب قبول کر لیا اور لوگوں کو جبراً یہودی بنانے لگا۔ تلوار کے خوف سے عرب مغرب ہو گیا اور ملک کا بہت حصہ یہود کے قبضہ میں آ گیا۔

یہودیوں نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز اپنے برخلاف دیکھی تو انہوں نے عداوت پر کمر باندھ لی۔ واقعات سے پتہ لگتا ہے کہ جس قدر ان کے دلوں میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت تھی۔ اتنی شاید مشرکین کو بھی نہ تھی۔ اسلام کی دن بدن ترقی دیکھ کر جلتے تھے اور مختلف تدبیروں اور منصوبوں کے ساتھ اسلامی قوت کو کمزور کرنے کی کوشش کرتے۔ تھے ان کے علماء رات دن اسی دھن میں لگے رہتے تھے کہ کسی طرح اسلامی طاقت مضمحل ہو۔ کئی بار معاہدے کیے پر خود ہی توڑ ڈالتے مشرکین عرب کو ہمیشہ اسلام کے برخلاف ابھارتے تھے۔ یہی یہود لوگ تھے جو خود نام کے مسلمان بن کر حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا پر الزام لگانے اور فسق کے ساتھ العیاذ باللہ متہم کرتے۔ الغرض جو ممکن تدبیروں ہو سکتی تھیں۔ انہوں نے کمی نہ کی۔ اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے ان کی شرارتوں کے سبب ان کی گذشتہ ناپاک تاریخ دہرائی اور

شرم دلائی کہ اس قوم کی قدیمی عادت تکذیب ہے۔  
 موسیٰ علیہ السلام جب لڑنے جاتے ہیں۔ یہودیوں سے امداد طلب کرتے  
 ہیں تو یہی قوم ان کو جواب دیتی ہے۔

اِذْ هَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ نَفَاْتًا اِنَّا هُمْ اَقَاعِدُوْنَ۔

اے موسیٰ جا تو اور تیرا رب (بھائی) جا کر دونوں لڑو ہم یہاں بیٹھے ہیں۔  
 یہی وہ لوگ ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام تورات لینے کوہ طور پر جاتے ہیں انہوں  
 نے بچھڑے کی پرستش شروع کر دی۔ نہ موسیٰ علیہ السلام کے مواعظ کا کچھ اثر  
 ہوا نہ ہارون علیہ السلام کا۔

یہی قوم ہے جب موسیٰ علیہ السلام ان کو فرعون سے نجات دلا کر بحیرہ احمر  
 سے پار کرتے ہیں تو کہتے ہیں۔

اِجْعَلْ لَنَا اِلٰهًا كَمَا لِهٰمُ الْاِلٰهَةُ۔

جیسے ان لوگوں کے لیے خدا ہے۔ ہمارے لیے بھی ایسا خدا بنا۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک تاریخی واقعہ یاد دلایا اور فرمایا۔

قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرِّ مِمَّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةٌ عِنْدَ اللّٰهِ مَنْ لَعَنَهُ

اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمْ الْعِرَاقَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ

الطَّاغُوْتِ اَوْلِيٰكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّ اَضَلُّ عَن سَوَابِ السَّبِيْلِ۔

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجئے کہ خدا تعالیٰ سے بدلہ پانے کے اعتبار سے

جو چیز بُری ہے کیا اس سے میں خیر دوں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے ملعون

کیا اور جن پر خدا غصے ہوا اور خدا نے ان میں سے بندر خنزیر اور بتوں کے پوجنے والے

بنا دیے، یہ لوگ بہت بُرے ہیں۔ ٹھکانے کی رو سے اور سیدھے راستے سے

بھٹکے ہوئے ہیں۔

اور ان کے علماء کے حالات بھی بیان فرمائے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ حَبَلُوْا التَّوْرَةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ

يَحْمِلُ اسْفَارًا -

ان لوگوں کی مثال جن پر توریت لادی گئی۔ پھر وہ لاونہ سکے۔ اس گدھے کی سی ہے۔ جس نے پیٹھ پر کتابیں لادی ہوں۔

پھر ان کی تعریف کا ذکر فرمایا۔

يُحْرِفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ

پھر ان پر الشدیل شانہ کا ایسا غضب ہوا کہ ان کی ملعونیت کی خبر قرآن پاک میں نازل ہوئی۔ چنانچہ فرمایا۔

لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَى لِسَانِ دَاوُدَ عِيسَى

ابن مَرْيَمَ ذَلِكُمْ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ -

یعنی وہ لوگ جو بنی اسرائیل میں سے کافر ہوئے، وہ داؤد علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کی زبان پر ملعون کیے گئے۔ اس لیے کہ انہوں نے بے فرمانی کی اور حد سے بڑھ جاتے تھے۔

دوسری جگہ فرمایا۔

مَلْعُونِينَ أَيْنَمَا تَقِفُوا أَخِذُوا وَقْتِكُمُ اتَّقْتِيلًا -

یہ ملعون ہیں جہاں کہیں بھی رہیں گے، پکڑے جائیں گے اور اچھی طرح قتل کیے جائیں گے۔

پھر ہمیشہ کے لیے ان کی ذلت اور مسکنت کا اعلان کیا گیا۔ چنانچہ فرمایا۔

ضَرَبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةَ وَالْمَسْكَنَةَ وَبَاوَدُوا بِغَضَبِ مِنِّ اللَّهِ -

قرآن شریف کے مختلف مقامات میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی شرارت و سرکشیوں کی خبر دی۔ یہودی لوگ مسلمانوں کی زبان سے اپنے حالات سنتے تھے۔ اپنی ملعونیت معضوبیت اور اپنے علماء کی حالت اہل اسلام سے سن کر آگ بگولا ہو جاتے تھے اور جو کچھ ان سے ہو سکا کر گزرے۔ لیکن حق سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق ان کو تباہ و ذلیل کیا۔ ان کا اصلی مقام خیبر بھی حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ

کے ہاتھوں فتح ہوا۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عداوت خصوصیت کے ساتھ ان کے دلوں میں جم گئی۔

یہود نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں امن کی درخواست کی حضور علیہ السلام نے جو کہ سر اسر رحمت مجسم تھے منظور فرمائی اور اس اقرار کے بعد حضور علیہ السلام خیبر میں تشریف لائے تو انہوں نے نہایت کھری سازش کے سبب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی اور کھانے میں زہر ملا دیا حضور علیہ السلام نے جب لقمہ اٹھایا تو گوشت لے کہا۔ مجھے نہ کھائیے۔ میں زہر آلودہ ہوں آپ نے ہاتھ اٹھا لیا۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ کھا چکے تھے۔ ان کا انتقال ہو گیا۔ حضور علیہ السلام نے اس عورت سے پوچھا کہ تو نے کیوں زہر ڈالا۔ اس نے کہا اس لیے کہ میں نے سوجا کہ آپ سچے نبی ہوں گے تو آپ کو اطلاع ہو جائے گی اور اگر آپ کا دعویٰ جھوٹا ہوگا تو لوگ آپ سے محفوظ رہیں گے (معاذ اللہ) کہتے ہیں کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو اس صحابی کے قصاص میں قتل کیا جو کہ زہر سے شہید ہوا تھا۔ حضور علیہ السلام نے ارادہ کیا کہ ان کو خیبر سے نکال دیں مگر انہوں نے بہت آہ و زاری کی۔ تو آپ نے فرمایا۔ اچھا تم خیبر میں رہو۔ مگر ہمارا اختیار ہوگا کہ ہم جس وقت چاہیں تم کو نکال دیں۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں نیز صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اسی طرح رعایت سے مستفیض ہوتے رہے۔ آخر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد میں اس اختیار کی بنا پر (جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ہمارا اختیار ہوگا جب چاہیں نکال دیں) ان کو نکال دیا اور مفسدوں سے زمین عرب پاک ہو گئی۔ یہود خیبر سے تو نکلے۔ لیکن مسلمانوں کا نبض دلوں میں لے کر نکلے۔ انہی باتوں کا آخر نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کے لیے ایک فتنہ عظیم برپا ہوا جو پھر وہ نہ سکا جو آج بصورت فرقہ شیعہ آپ کے سامنے ہے۔ یہودیوں کی دولت برباد ہوئی۔ ملک بدر ہوئے۔ بے گھر ہوئے اس وقت جو کچھ ان کے دلوں میں اسلام کی عداوت ہو سکتی تھی وہ ظاہر ہے۔ وہ ہر وقت

چاہتے تھے کہ کسی طرح اسلام سے بدلہ لیا جائے، تاریخی واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے اسلام کے برخلاف ایک نہایت عمیق اور گہری سازش کی اور اسلام اس کا شکار ہو گیا۔

کامل ابن اثیر تاریخ کی معتبر کتاب ہے۔ اسی طرح ناسخ التواریخ شیعوں کی معتبر کتاب ہے۔ ان دونوں کتابوں میں ایک واقعہ لکھا ہے جس کو مولانا انوار الشہید آبادی نے مقاصد الاسلام میں بھی نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات شریف کے بعد جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے تو یہودیوں میں سے ایک شخص عبداللہ بن سبائے نے اپنا مسلمان ہونا ظاہر کیا۔ اور مسلمانوں میں شامل ہو گیا۔ پھر بصرہ کو فہر شام۔ حجاز کے شہروں میں پھرتا رہا۔ آدمی بہت لسان اور خوش بیان تھا جہاں جاتا لوگوں کو اپنے ساتھ ملا لیتا۔ مصر پہنچا۔ وہاں بھی مسلمانوں کے ساتھ اس نے ربط پیدا کیا اور اس قدر ربط پیدا کر لیا کہ عموماً لوگ اس کی باتیں سننے کے لیے اسکے پاس جمع ہو جاتے۔ ایک دن اس نے عام مسلمانوں کو مخاطب کر کے کہا کہ مہلوگ یقین رکھتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام تو واپس دنیا میں لوٹ آئیں اور ہمارے آقا نے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ دنیا میں نہ آئیں۔ حالانکہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے افضل ہیں۔ مجھے سمجھ نہیں آتی کہ مسلمانوں میں یہ اعتقاد کس طرح پیدا ہو گیا۔ اس کی یہ تفسیر سن کر بہت سے لوگ اس کے حامی ہو گئے اور کئی مصری مسلمان قائل ہو گئے کہ بے شک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی واپس دنیا میں تشریف لائیں گے۔ یہ پہلی بات تھی کہ اس نے مسلمانوں میں اس کا رواج دیا اور کئی لوگ رحبت پسند ہو گئے اور ایک الگ گروہ بن گیا۔

پھر اس نے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام کا ایک وصی تھا جو ہارون علیہ السلام ہے۔ تو کیا تعجب نہیں کہ ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس فضیلت سے محروم رہیں۔ ہرگز نہیں جس طرح بادشاہ بنیر وزیر کے نہیں ہوتا۔ اس طرح نبی بنیر وصی کے نہیں ہوتا۔ اس لیے ضرور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی وصی تھا۔ مسلمانو! وہ وصی موجود

ہے۔ مگر تم دیکھ نہیں سکتے اور تم اندھے ہو کہ تم نے اس کو پہچانا نہیں۔ اس کی یہ تقریر سن کر جو لوگ پہلے حضور کی رحمت کے قائل ہو چکے تھے۔ وہ مہتمن ہوئے کہ آپ ہی فرمائیے۔ وہ وصی کون ہے۔ بیشک آپ کا وصی کوئی ضرور ہے۔ آخر ہمارے حضور علیہ السلام کچھ موسیٰ علیہ السلام سے کم تو نہ تھے۔ عبداللہ بن سبا نے جب دیکھا کہ یہ لوگ میرے جال میں آگئے ہیں اور ایک وصی کے منتظر ہیں۔ تو اس نے اعلان کر دیا کہ وہ وصی حضرت علی علیہ السلام ہیں۔ افسوس کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے زبردستی خلافت پر قبضہ کر لیا ہے، جس طرح کہ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما نے کر لیا تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس منصب سے الگ کر دیا۔ مسلمانو! جب حضور علیہ السلام دوبارہ تشریف لائیں گے تو انہیں کیا منہ دکھاؤ گے کہ آپ کا وصی در بدر مارا پھرے اور تم لوگ ٹس سے مس نہ کرو۔ ظالم غاصب ان کی جگہ لے لیں۔ کیا یہی دین اسلام اور یہی ایمان ہے۔ مھر کے لوگ یہ تقریریں کر چلائے کہ آخر اب ہم کیا کریں؟ عثمان کی قوت کے مقابلے میں ہم لوگ کیا کر سکتے ہیں۔ اب ہم کس طرح خلافت ان کو دلا کر خدا اور رسول کو خوش کریں۔ ہمیں کچھ سمجھ نہیں آتی کہ اب وصی کی کس طرح امداد کریں۔ کہنے لگے کہ بات آسان ہے تم اپنے چیدہ چیدہ لوگ اسلام کے مرکزی شہروں میں جانے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ ہر شہر میں پہنچ کر عثمان رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ قاضی و حکام کی نسبت بدظنی پھیلاؤ۔ حکام کے لیے عموماً اہل مقدمہ میں سے ایک فریق ناخوش ہوتا ہے۔ کیونکہ حاکم کا فیصلہ ایک فریق کے ضرور مخالف ہوتا ہے اور مخالف فریق اس کی نسبت بدگمانی پیدا کر لیتا ہے۔ تم لوگ جب حکام کی طرف سے بددلی پھیلاؤ گے۔ بہت لوگ تمہارے ساتھ مل جائیں گے اور تمہارے ساتھ ایک جماعت ہو جائے گی۔ پھر سلطنت کا انقلاب سہل ہو جائے گا۔

لوگوں نے ملک میں پھیل کر اسی طرح کی بددلی پھیلائی۔ عام لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ حکام کی طرف سے بدظن ہو گئے اور ان کے دلوں میں عداوت و مخالفت پیدا ہو گئی۔ عبداللہ بن سبا کے اشارے سے ایک کمیٹی بن



گئی جس کی صدر کمیٹی مصر میں قرار پائی۔ العرض ہر ایک شہر میں ایسے لوگ پیدا ہو گئے جو اپنے حاکموں سے ناراض تھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی، آپ نے کچھ لوگ تحقیقات کے لیے بھیجے، انہوں نے خفیہ طور پر تحقیقات کر کے رپورٹ دی کہ شکایات بے اصل ہیں۔ آپ سن کر خاموش ہو گئے۔

عبداللہ بن سبا کی کاروائیاں وسیع ہو رہی تھیں۔ آخر اس جماعت نے متفق ہو کر بغاوت کا اعلان کر دیا۔ ناسخ التواتر صحیح والا لکھتا ہے کہ مصر سے دو ہزار آدمی مسلح اور کوفہ بصرہ سے بھی اسی قدر مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہو گئے اور انہوں نے مدینہ شریف پر حملہ کر دیا۔ اسی جنگ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اور یہودیوں کا پورا کینہ اس صورت میں ظاہر ہوا۔ پھر تمام فتنوں کا دروازہ کھل گیا۔

ابن سبا نے پھر یہ حکمت کی کہ فاتح خیبر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سر پر سارا الزام ٹھوپ دیا۔ مسلمان حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر ٹوٹ پڑے اور اسلام کا شیرازہ بکھر گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عداوت بسبب فتح خیبر جو اس کے دل میں مرکوز تھی اس کا اس طرح بدل لیا۔

چونکہ اہل اسلام کہا کرتے تھے کہ موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر تورات لینے تشریف لے گئے تو سب یہودی بزرگ گئے۔ پھر اکی پرستش شروع کر دی ابن سبا نے اس الزام کے رفع کرنے کے لیے یہ جواب تیار کیا اور اعلان کر دیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے بعد معاذ اللہ سب صحابہ مرتد ہو گئے۔ صرف ابوذر و مقداد و سلمان رضی اللہ عنہم مسلمان رہے۔ چنانچہ ابن سبا کی یہ گپ اڑائی ہوئی شیعوں کی کتابوں میں آج تک موجود و مشہور ہے۔

ناسخ التواتر صحیح میں بھی لکھا ہے۔ ابو جعفر فرماتے ہیں۔

كان الناس اهل رادة بعد النبي صلى الله عليه وسلم  
الاتلاثة۔

یعنی تین آدمیوں کے علاوہ سب لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

بعد مرتد ہو گئے (العیاذ باللہ)

مسلمان کہا کرتے تھے کہ یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ ہارون علیہ السلام پھر آئیں گے اور وہ غائب ہو گئے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے ان کو قتل کر دیا۔ وہ پھر زندہ ہوں گے اور آئیں گے۔ ابن سبآن نے اس کا جواب بھی ایک فرقہ میں پھیلا دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پھر آئیں گے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ اب شیعہ لوگ اپنے غائب امام کے منتظر ہیں۔

مسلمان کہا کرتے تھے کہ یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے وصی ہارون علیہ السلام اور تورات کے اسرار و نواح کے اصل وصی ہارون کے بعد ان کے بیٹے شبر و شبیر ہیں۔ ابن سبآن نے مسلمانوں میں اس کے جواب میں یہ عقیدہ پھیلا دیا کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل وصی حضرت علی ہیں۔ پھر ان کے دونوں صاحبزادے۔ صاحبزادوں کا نام بھی شبر و شبیر بتایا۔ آج تک یہ نام صاحبزادوں کے مشہور ہیں۔

اسی طرح اس نے مسلمانوں میں ایک ایسی روایت مشہور کی جس سے زیادہ ذلت آفریں کوئی واقعہ نہیں ہو سکتا اور نہ صرف یہی ایک روایت بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اہل بیت کی سخت اہانت ہوتی ہے۔ نمونہ کے طور پر ایک واقعہ تاریخ التواتر سے لکھتا ہوں۔

جب ابو بکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تورات کے وقت حضرت علی حضرت فاطمہ علیہا السلام کو ایک گدھے پر سوار کر کے امام حسن حسین کے ہاتھ پکڑ کر ہاجرین انصار کے گھر گھر گھومنے لگے۔ ہر ایک گھر پر کھڑے ہو کر فرماتے کہ میری مدد کر چنانچہ چوالیس شخصوں نے مدد کا وعدہ کیا۔ آپ نے فرمایا کہ صبح کو سر منڈوا کر مسلح ہو کر میرے پاس آؤ اور موت پر بیعت کرو۔ مگر ڈر کے سبب کوئی نہ آیا۔ دوسری رات بھی اسی طرح آپ گھر گھر گھومتے پھر سے اور ان لوگوں کو قسمیں دے کر آمادہ کیا۔ مگر کوئی آمادہ نہ ہوا۔ آخر آپ مکان کا دروازہ بند کر کے قرآن جمع کرنے کے لیے

بیٹھ گئے۔ عمر رضی اللہ عنہا نے ابو بکر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ اگر علی رضی اللہ عنہما بیعت نہ کرے گا۔ تو خلافت کو استحکام نہ ہوگا۔ ابو بکر رضی اللہ عنہما نے حضرت علی رضی اللہ عنہما کو بلوایا اور بیعت کی درخواست کی۔ حضرت علی نے کہا کیا اس قدر جلد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر افسر کیا گیا۔ خدا اور اس کے رسول نے مجھے خلیفہ مقرر کیا۔ ابو بکر اور اس کے حاشیہ نشین جانتے ہیں۔ دوسرے روز حضرت عمر نے کہا کہ علی اور اس کے ہم خیال جنہوں نے اب تک بیعت نہیں کی۔ ان کو جس طرح ہو بلوایا جائے۔ اس کام کے لیے قنفذ مقرر ہوا۔ چنانچہ ایک جماعت قنفذ کی سرکردگی میں حضرت علی کے گھر پہنچی۔ حضرت علی نے قنفذ کو اندر آنے کی اجازت نہ دی۔ اس نے حضرت عمر کے آگے بیان کیا۔ تو انہوں نے کہا کہ اجازت کی کیا ضرورت ہے زبردستی جانا چاہیے اور جس طرح ہو سکے ان کو پکڑ کر لے آؤ۔ مگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں اپنے گھر کسی کو نہ آنے دوں گی یہ سن کر حضرت عمر کو غصہ آیا اور کہا کہ عورتوں کو ان معاملات میں دخل دینے کی کیا ضرورت ہے۔ پھر حضرت عمر چند آدمیوں کو ہمراہ لے کر آئے اور کہا اسے علی باہر نکلو اور خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کرو۔ ورنہ اس دروازہ کو جلا دوں گا۔ حضرت فاطمہ اندر سے نکلیں اور کہا اسے عمر تمہیں کیا تعلق ہے تم خدا سے نہیں ڈرتے۔ بلا اجازت میرے گھر میں آتے ہو۔ آخر حضرت عمر نے لکڑیاں منگوا کر آگ لگا دی۔ پھر دروازہ توڑ کر اندر داخل ہو گئے۔ حضرت فاطمہ چختی ہوئی باہر نکلیں عمر رضی اللہ عنہ نے تلوار جو کاٹھی میں تھی ان کی کمر پر پارسی۔ حضرت علی کو غصہ آیا۔ انہوں نے عمر کو پکڑ کر زمین پر پارا۔ عمر نے فریاد کر کے باہر کے لوگوں سے مدد چاہی۔ قنفذ نے حضرت ابو بکر کو خبر دی۔ ان کو اندیشہ ہوا کہ حضرت علی تلوار لے کر نہ نکل آویں۔ قنفذ دوڑا۔ لوگوں کو لے کر گھر میں گھس گیا۔ حضرت علی کے ہاتھ سے تلوار چھین لی۔ گرفتار کر کے گلے میں رسی باندھی اور اسی طرح کھینچتا ہوا مسجد کی طرف لے جانے لگا۔ فاطمہ روکتی تھیں۔ قنفذ نے زور سے ایک کوڑا مارا جس کا اثر وفات تک نمایاں رہا۔ پھر عمر رضی اللہ عنہما نے دروازہ کے پٹ کو زور سے دبا کہ فاطمہ کی

پسلی کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں اور حمل ساقط ہو گیا۔ جس کا نام حضور علیہ السلام نے محسن رکھا تھا۔ تاریخ التواتر ص ۵۸ جلد ۲۔ مطبوعہ ایران میں یہ روایت بڑی طویل مذکور ہے۔

اس واقعہ کی صحت کے متعلق خود یہ واقعہ گواہ ہے۔ پسلی ٹوٹی ہوئی عورت جس کا حمل بھی ساقط ہے اس کا دوڑنا پھرنا۔ بچل بچانا کیا سمجھ میں آسکتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسا بہادر جس نے اکیلے اپنے ہاتھ سے درہ خیبر کو اکھاڑ کر پھینک دیا ہو اس سے تنقید جیسا آدمی تلوار چھین لے۔ سمجھ میں نہیں آسکتا۔

اصل بات یہ ہے کہ یہی وہ روایت ہے جس میں یہودیوں نے تمام عضوں اور کینوں کا اظہار کیا ہے ابن سبائے اس کو پھیلایا جو گچھ رسوائیاں یہودیوں کے ذمہ تھیں ان کا انتظام پورا ہو گیا۔

۱۔ فاتح خیبر کی ذلت و رسوائی قیامت تک اسی روایت کے ذریعہ سے

مشہور ہوئی۔ (بزعم ابن سبائے)

۲۔ موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے بت پرستی کی تو ابوبکر جیسے مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ کے سامنے مرتد ہوئے۔ (معاذ اللہ) لعنتُ اللہ علی الکاذبین۔

۳۔ یہودیوں کو جس نے خیبر سے جلا وطن کیا۔ اس کی توہین و تکفیر کے لیے اس میں کافی سامان موجود ہے۔

۴۔ یہودیوں نے نبیوں کو قتل کیا۔ اس روایت سے بتا دیا کہ مسلمانوں نے نبی کی اولاد کو مارا۔ ان کی پسلی توڑی۔ اسی میں ان کا انتقال ہوا۔

الغرض خیبر سے بھاگنے والے یہودیوں کی سازش نہایت کامیاب ہوئی۔ ابن سبائے ہمیشہ کے لیے اسلام کے سفید دامن کو ان ذلیل دھبوں سے سیاہ کر دیا۔

فَاِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاٰجِعُوْنَ ط

## معتبر شیعہ کی شہادت

مذہب شیعہ کی معتبر کتاب رجال کشتی میں لکھا ہے کہ عبد اللہ بن سبا پہلے یہودی تھا اور حضرت یوشع بن نون وصی حضرت موسیٰ کی شان میں غلو رکھتا تھا۔ جب مسلمان ہو گیا تو حضرت امیر کے متعلق اس نے غلو کیا اور وہ پہلا شخص ہے جس نے حضرت علی کی امامت کے عقیدہ کو ثابت کیا۔ اور اس کی اشاعت کی۔ انکے دشمنوں پر تر کیا۔ مخالفین نے عداوت قائم کی انہیں کافر کہا اسی وجہ سے شیعہ کے مخالفین کہتے ہیں کہ مذہب شیعہ کے اصول یہودیت سے ماخوذ ہیں۔

(رسالہ ابن سبا ص ۳۷)

معلوم ہوا کہ زمانہ یہودیت میں یوشع بن نون کے بارہ میں وہی اعتقاد رکھتا تھا جو اس نے حضرت علی کے شان میں ظاہر کیا۔ امامت علی کا مسئلہ اسی کا ایجاد کردہ ہے۔ تہرہ و عداوت کی اس نے بنیاد رکھی۔ اسی واسطے فرقہ شیعہ کا نام سبائیہ بھی ہے۔

## حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فیصلہ

نہج البلاغہ قسم اول ص ۲۶ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد منقول ہے۔  
 عنقریب میرے متعلق دو گروہ ہلاک ہوں گے۔ ایک محبت میں زیادتی کرے گا  
 کہ اس کو دشمنی خلاف حق کی طرف لے جائے گی اور دوسرا دشمنی میں زیادتی کرنے  
 والا کہ اس کو دشمنی خلاف حق کی طرف لے جائے گی اور سب سے بہتر حالت  
 میرے متعلق ان لوگوں کی ہوگی جو درمیانی راہ اختیار کریں گے۔ لہذا تم سب لوگ  
 اسی درمیانی راہ کو اپنے اوپر لازم سمجھو۔ کیونکہ اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے خبردار بڑی  
 جماعت سے علیحدہ نہ ہونا۔ کیونکہ جو شخص جماعت سے علیحدہ ہوتا ہے وہ شیطان کا  
 شکار بنتا ہے۔ جیسے وہ بکری جو گلے سے علیحدہ ہوتی ہے۔ بھڑیے کا لقمہ بنتی ہے۔  
 آگاہ ہو جاؤ۔ جو شخص سوا اعظم سے جدا ہونے کی تعلیم دے اس کو قتل کرو۔ اگرچہ

وہ میرے عامرہ کے نیچے ہو۔ آپ کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

سيهلك في صنفان محب مفرط يذهب به الحب الى  
غير الحق ومبغض مفرط يذهب به البغض الى غير الحق  
وخير الناس في حال النمط الاوسط فالزموه والزموا السواد  
الاعظم فان يدا الله على الجماعة واياكم والفرقة فان  
الشاذ من الناس للشيطان كما ان الشاذ من الغنم للذئب  
الا من دعا الى هذا الشعارا فاقتلوه ولو كان تحت عامتي  
هذه (منج البلاغة ص ۲۶)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس میں دو نصیحتیں فرمائیں۔  
اول یہ کہ جناب کے متعلق درمیانی راہ اختیار کرنی چاہیے۔ غلو محبت بھی  
موجب ہلاکت ہے اور بغض و نفرت بھی ہلاکت۔  
دوسری یہ کہ سواد اعظم بڑی جماعت کی پیروی کرو۔ اس ارشاد کے مطابق  
بحمد اللہ اہل سنت ہی نمط اوسط ہیں۔ نہ ان میں مثل شیعہ کے غلو محبت ہے نہ  
مثل خوارج کی بغض و نفرت اور حضرت علی کے زمانہ میں سواد اعظم اور بڑی جماعت  
بھی یہی اہل سنت تھے، جن سے الگ ہونے والے کو آپ نے شیطان کا  
شکار فرمایا۔

## شیعہ مذہب کی یہود و نصاریٰ کے ساتھ مشابہت

اللہ جل جلالہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو امت وسط فرمایا۔  
یعنی عادل نہ اس میں افراط ہے نہ تفریط۔ چنانچہ فرمایا۔  
وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا آيَةٌ

یہود نے انبیاء و صالحین کو قتل کیا اور ایذا میں دیں اور ان کے ساتھ دشمنی  
کا کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا۔ نصاریٰ نے بجائے دشمنی کے محبت میں یہاں

تک افراط کی کہ عیسیٰ علیہ السلام کو الوہیت کے مرتبہ تک پہنچا دیا۔ لیکن اصل راہ مستقیم وہی ہے جو ہمارے علماء نے بیان کیا کہ افراط و تفریط سے پاک ہو۔ اسی طرح ہر کامل حصلت انہی دونوں کے درمیان ہوتی ہے۔ مثلاً مال کے خرچ کرنے میں اگر تفریط ہو یعنی خرچ نہ کرے تو بخل ہے۔ اگر افراط ہے تو اسراف ہے اور اس کا وسط سخاوت و عدل اسی طرح محبت میں اگر تفریط ہو تو دشمنی ہوگی۔ جیسے یہود نے عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ عدوت رکھی۔ اگر افراط ہو جیسے نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو الوہیت تک پہنچایا تو گمراہی عدل مستقیم یہ ہے۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام رسول مکرم و محترم تھے۔

اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق دو فرقے ہوئے۔ ایک فرقہ نے یہاں تک تفریط کی کہ آپ کے دشمن ہو گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایمان کے بھی قائل نہ ہوئے۔ بلکہ ابن ملجم خارجی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شہید کرنے کو اپنا نجات کا ذریعہ سمجھا۔ ادھر گروہ اشعیہ نے یہاں تک افراط کی کہ حضرت علی علیہ السلام کو جملہ انبیاء علیہم السلام سے افضل سمجھا۔ بلکہ بعض نے تو الوہیت کے درجہ تک پہنچایا اور بعض نے یہ بھی کہہ دیا کہ اصل رسالت انہی کے نام تھی۔ جبہرل علیہ السلام سے غلطی ہوئی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ لیکن اہلسنت کثر ہم اللہ نے نہ افراط کیا نہ تفریط۔ بلکہ راہ مستقیم پر رہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور خلیفہ چہارم تھے۔ فرقہ خوارج تو بسبب بغض سیدنا علی رضی اللہ عنہ یہود کے مشابہ ہوا اور فرقہ شیعہ بھی بسبب بغض سیدنا ابی بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم و دیگر صحابہ کرام یہود کے ساتھ مشابہ ہوا اور بوجہ افراط محبت با علی رضی اللہ عنہ نصاریٰ کے ساتھ مشابہ ہوا۔ انہوں نے یہود و نصاریٰ دونوں کی مشابہت کو اپنے اندر جمع کر لیا اور جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی صاف لفظوں میں پوری ہوئی جو آپ نے فرمایا تھا۔

لترکتین سنن من قبلکم الحدیث

## فرقہ شیعہ کی یہود سے مشابہت

ہم بیان کر چکے ہیں کہ اس فرقہ کا بانی عبداللہ بن سبا یہودی تھا جس نے بظاہر مسلمان ہو کر اسلام میں فتنہ پیدا کیا اور اس مذہب کی بنیاد رکھی۔ اسی واسطے اس مذہب کو یہود کے ساتھ مشابہت تامہ حاصل ہوئی۔

علامہ ابن تیمیہ نے منہاج السنہ کے ص ۸۴ میں امام شعبی رحمہ اللہ سے شیعہ مذہب کی یہود سے مشابہت نقل کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ (شیعہ) اسلام سے رغبت اور خواہش کے ساتھ داخل نہیں ہوئے۔ مسلمانوں میں مل کر جس قدر ممکن ہوا انہوں نے اہل اسلام کی عداوت میں کوتاہی نہیں کی۔ اس فرقہ کے وہ مسائل جو کہ یہودیوں سے مشابہ ہیں۔ یہ ہیں :-

(۱) یہود کہتے ہیں کہ داؤد علیہ السلام کی اولاد کے سوا کوئی امامت اور ملک کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ شیعہ کہتے ہیں کہ بجز اولاد علی رضی اللہ عنہ کوئی امامت کے لائق نہیں۔

(۲) یہود کہتے ہیں کہ جب تک دجال نہ نکلے اور بند آسمان سے نہ اترے فی سبیل اللہ جہاد جائز نہیں۔ شیعہ کہتے ہیں کہ جب تک مہدی کا ظہور نہ ہوا اور آسمان سے منادی نہ ہو کہ اس کی تالبداری کرو۔ تب تک جہاد جائز نہیں۔

(۳) یہودی نماز مغرب کو ستاروں کے چمکنے تک تاخیر کرتے ہیں۔ اسی طرح شیعہ بھی مغرب میں ستاروں کے ظہور تک تاخیر کرتے ہیں۔ حالانکہ حضور علیہ السلام نے مغرب میں اس قدر تاخیر کرنا منع فرمایا ہے۔

(۴) یہودی نماز کے وقت قبلہ سے ذرا پیڑھے کھڑے ہوتے ہیں۔ صاف قبلہ کے محاذ میں نہیں کھڑے ہوتے۔ اسی طرح شیعہ بھی پیڑھے کھڑے ہوتے ہیں۔



- (۵) یہودی نماز میں ادھر ادھر ملتے ہیں۔ اسی طرح شیعہ بھی کرتے ہیں۔
- (۶) یہودی نماز میں سدل کرتے ہیں۔ یعنی کپڑا سر پر یا مونڈ پھوں پر اس طرح اور پھتے ہیں کہ اس کی دونوں طرفیں دائیں بائیں ٹنگتی رہیں۔ اسی طرح شیعہ بھی کرتے ہیں۔
- (۷) یہودیوں کے نزدیک عورتوں پر عدت نہیں۔ اسی طرح بعض شیعہ میں بھی نہیں۔
- (۸) یہودیوں نے توریت کو محرف کیا۔ شیعوں نے قرآن شریف کو تحریف کیا۔ اور اس کے محرف ہونے کے قائل ہوئے۔
- (۹) یہودی بجز طلاق کے جو حیض میں دی جائے۔ کوئی طلاق معتبر نہیں سمجھتے۔ اسی طرح شیعہ بھی نہیں سمجھتے۔
- (۱۰) یہودی مسلمانوں کو التام علیکم کہتے ہیں۔ شیعہ بھی اہل سنت کو اسی طرح کہتے ہیں۔
- (۱۱) یہودی جرمی اور ماراہی کو دھپلی کی قسم ہے۔ حرام کہتے ہیں۔ شیعہ بھی اسی طرح حرام کہتے ہیں۔
- (۱۲) یہودی مسیح موزہ کے قائل نہیں۔ شیعہ بھی نہیں۔
- (۱۳) یہود سب لوگوں کا مال حلال سمجھتے ہیں۔ اسی طرح شیعہ سمجھتے ہیں۔
- (۱۴) یہودی پنے قرون اطراف سر پر سجدہ کرتے ہیں۔ شیعہ بھی اس طرح کرتے ہیں۔
- (۱۵) یہود سجدہ نہیں کرتے۔ جب تک رکوع کی مشابہت کے لیے کئی بار سر نیچے نہ کر لیں۔ شیعہ بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔
- (۱۶) یہود جبریل علیہ السلام کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔ اسی طرح بعض شیعہ بھی کہتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام نے وحی لانے میں غلطی کی۔ بجائے علی رضی اللہ عنہ کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی لاتا رہا۔
- (۱۷) یہود کی عورتوں پر مہر نہیں۔ منقہ کرتے ہیں۔ شیعہ بھی کرتے ہیں۔

(۱۸) یہودی اپنی کینزوں سے غسل جائز نہیں سمجھتے اسی طرح شیعہ بھی جائز نہیں سمجھتے۔

(۱۹) یہودی تشرگوش و طحال کو حرام جانتے ہیں شیعہ بھی حرام جانتے ہیں۔  
(۲۰) یہودی لحد نہیں نکالتے۔ اسی طرح شیعہ بھی نہیں نکالتے۔ حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لحد نکالا گیا۔

(۲۱) یہود اونٹ بطح حرام کہتے ہیں۔ اسی طرح شیعہ بھی کہتے ہیں۔  
(۲۲) جمع بین الصلوٰتین ہمیشہ کرنا اور تین وقت نماز پڑھنا شیعوں میں یہود کی مشابہت کے سبب ہے۔

ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ جو کچھ امام شعبی نے فرمایا ہے شیعوں میں ضرور پایا جاتا ہے۔ گوان میں سے بعض فرقہ میں کوئی بات نہ ہو۔ امام شعبی رحمہ اللہ کے اس قول کو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ نے غنیۃ الطالبین میں بھی ذکر فرمایا ہے۔

## یہود و نصاریٰ کو رافضیوں پر ایک فضیلت

باوجود اس کے یہود نصاریٰ کو رافضی فرقہ پر ایک خصلت میں فضیلت حاصل ہے۔ وہ یہ ہے کہ یہود سے جب پوچھا گیا کہ تمہارے دین میں سب سے بہتر گروہ کون تھا یعنی سب سے زیادہ موسیٰ علیہ السلام کے تابع اور سب سے بہتر کون لوگ تھے تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ لوگ جو موسیٰ علیہ السلام کے اصحاب اور ان کی زیارت کرنے والے تھے۔ وہ ہم سب سے بہتر تھے۔ گروہ نصاریٰ سے پوچھا گیا کہ تمہاری ملت میں سب سے افضل گروہ کون تھا۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروں سے افضل تھے۔ لیکن جب رافضی اور خارجی سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ علیہ السلام کے اصحاب مہاجرین و انصار کیسے تھے؟ تو رافضیوں اور خارجیوں نے کہا کہ وہ معاذ اللہ سب سے بدتر تھے۔

59824

كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِنَّ يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا -  
اس پر عجب یہ کہ یہ لوگ اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں۔ حکم تو یہ تھا کہ ان کے لیے  
استغفار کرتے جیسے حق سبحانہ نے ارشاد فرمایا۔

وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا  
الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ الْآيَةَ -

لیکن انہوں نے بجائے استغفار کے بدگوئی کی اعادنا اللہ مننا۔

## شیعوں کی عجیب باتیں

علامہ ابن تیمیہ نے منهاج السنۃ جلد اول کے صفحہ ۹ میں شیعوں کی دورانہ  
عقل باتوں کا بیان کیا ہے۔ فرمایا ہے کہ ان میں ایک توہم پرستی یہ ہے کہ وہ دس  
صحابی جن کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی خوشخبری دی جن کو عشرہ مبشرہ کہا  
جاتا ہے۔ ان سے بغض کے سبب شیعہ لوگ دس عدد کو منحوس سمجھتے ہیں اور دس  
کا تکلم بھی اپنی زبان پر نہ کر رہے جانتے ہیں اور کوئی ایسا کام نہیں کرتے جو دس ہو۔ مثلاً  
گھر کا چھت دس ستونوں پر نہیں رکھتے۔ دس کڑیاں نہیں ڈالتے اسی طرح ہاجرن  
والنصار رضی اللہ عنہم کو جنہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ درخت کے  
نیچے بیعت کی تھی برا جانتے ہیں اور ان سے بغض رکھتے ہیں حالانکہ التذلل شانہ  
نے قرآن شریف میں ان کی نسبت اپنی رضامندی کی خبر دی ہے۔

صحیح مسلم میں آیا ہے کہ حاصد بن ابی بلتعقہ کے غلام نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
خدا کی قسم دوزخ میں جائے گا۔ تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کَذِبْتَ تُوْنِي جھوٹ  
بولاً۔ وہ جنگ بدر و حدیبیہ میں حاضر ہوا تھا یعنی بدر و حدیبیہ میں حاضر ہونے والے  
دوزخ میں نہیں جائیں گے۔ (صحیح مسلم ص ۲۰۲ جلد ۲)

اللہ تعالیٰ نے مدینہ شریف میں تِسْعَةَ رَهْبِطٍ يَفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ فرمایا  
تو کیا مفسدین کے نوگروہ کے سبب نوکا عدد چھوڑ دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے دس

عدد کی کسی جگہ تعریف فرمائی، متعرج میں روزوں کے متعلق فرمایا۔  
تِلْكَ عَشْرًا كَامِلَةً -

موسیٰ علیہ السلام کے وعدہ کے متعلق فرمایا۔

وَأَتَمَسْنَا هَابِعَشْرٍ أَوْ فَرَمَا دَلِيَّالٍ عَشْرٍ

احادیث میں رمضان کے آخری عشرہ کے فضائل آئے ہیں۔ حضور علیہ السلام اس میں اعتکاف بیٹھا کرتے تھے۔

بیلۃ القدر کے متعلق فرمایا کہ اس کو آخری عشرہ میں تلاش کرو۔

عشرہ ذی الحج میں عمل صالح کا ثواب بیان فرمایا اور بھی کسی نظام نہیں مگر شیعہ کی عقل دیکھو کہ عشرہ کے لفظ کو مکروہ جانتے ہیں۔

اس پر تعجب یہ کہ عدد نو کو برا نہیں سمجھتے۔ حالانکہ عشرہ ہشرہ میں سے نو صحابہ کو ہی برا سمجھتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو متشنے جانتے ہیں تو اس لحاظ سے ان کو عدد ۹ کو منحوس سمجھنا چاہیے تھا۔ مگر وہ دس کو مکروہ سمجھتے ہیں۔

اس طرح جس شخص کا نام ابو جبر و عمر و عثمان (رضی اللہ عنہم) ہو۔ اس کے ساتھ کوئی معاملہ نہیں کرتے۔ بلکہ حتی الوسع یہ نام بدل دیتے ہیں۔ حالانکہ صحابہ میں سے بعض وہ لوگ تھے۔ جن کا نام کفار کے نام سے ملتا تھا۔ چنانچہ ایک صحابی کا نام ولید تھا جس کے لیے حضور علیہ السلام دعائے نجات فرمایا کرتے تھے اور اس کے باپ کا نام بھی ولید بن مغیرہ تھا جو کافر تھا۔ بعض صحابہ کا نام عمر و تھا اور مشرکین میں بھی عمرو بن عبید و تھا۔ صحابہ میں سے خالد بن سعید سابقین اولین میں سے تھے۔ مشرکوں میں بھی خالد بن سفیان تھا۔ صحابہ میں سے ہشام بن حکیم تھا۔ ابو جہل کے باپ کا نام بھی ہشام تھا۔ صحابہ میں سے عقبہ بن عمرو بدری تھے۔ مشرکوں میں عقبہ بن ابی معیط تھا۔ صحابہ میں علی و عثمان تھے۔ مشرکوں میں علی بن امیہ بن خلف اور عثمان بن طلحہ تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ کرام نے کسی اسم کو اس لیے مکروہ نہیں سمجھا کہ یہ نام کسی کافر کا ہے، خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی اولاد کے وہ نام رکھے

جن کو شیعہ مکروہ سمجھتے ہیں۔

امام غائب کے انتظار میں جہاں اس کو غائب سمجھتے ہیں۔ وہاں کوئی سواری گھوڑا یا خچر ہمیشہ باندھے رکھتے ہیں کہ جب نکلے۔ اس پر سوار ہو۔ خود وہاں کھڑے ہو کر پکارتے ہیں۔ یا مولانا اخرج۔ مولانا نکلو۔ بعض تو ان کے انتظار میں نماز بھی نہیں پڑھتے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ نکل آویں اور یہ نماز میں مشغول ہو اور اس کی خدمت سے محروم رہے۔ بعض دور دراز ملک سے مشرق کی طرف منہ کر کے ان کو بلند آواز سے بلاتے ہیں اور ظاہر ہے۔ اگر وہ موجود بھی ہوں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو نکلنے کا حکم فرمایا ہو تو نکلیں گے۔ یہ پکاریں یا نہ پکاریں۔ اگر ان کو اذان نہیں تو وہ اس کے پکارتے کو قبول نہیں فرمائیں گے۔ پھر یہ فعل ان کا عبث ہوا۔ اسی طرح اگر وہ نکلے تو اللہ تعالیٰ ان کو امداد کرے گا۔ اس کی ضرورت نہیں کہ ان کے لیے ہمیشہ آدمی منتظر کھڑے رہیں اور سواری باندھے رکھیں۔

مثل سعيهم في الحياة الدنيا وهم يحسنون انهم يحسنون

منعاً۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بغض و عناد کے سبب سرخ و بیوں کا حیرا نام رکھ کر ان کے بال نوچتے ہیں اور تکلیف پہنچاتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ ہم ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کو تکلیف پہنچا رہے ہیں۔ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ بعض شیعہ ابو لولو نجوسی کی تعظیم کرتے ہیں۔ صرف اس لیے کہ اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شہید کیا۔ یہ نجوسی بالاتفاق کافر تھا۔ مگر یہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عداوت کے سبب اس کافر کی عزت و تعظیم کرتے ہیں۔ جانوروں کو صحابہ رضی اللہ عنہم کے نام رکھ کر ایذا پہنچانا اور یہ خیال کرنا کہ یہ ایذا صحابہ کرام کو پہنچے گی۔ شیعہ کے اعتقادات پر کافی روشنی ڈالتا ہے۔ حالانکہ شریعت محمدیہ علیٰ صا جہا السلام والتمیہ نے تو اجماعی کافروں کو مثلہ کرنے سے منع فرمایا ان کا پیٹ پھاڑنا۔ ناک کاٹنا۔ بعد از قتل ممنوع کیا البتہ مقابلتاً جائز ہے۔ صحیح مسلم میں

روایت ہے کہ حضور علیہ السلام جب کسی لشکار یا سر یہ پر کوئی سردار بھیجتے تو خصوصاً تقویٰ کی وصیت فرماتے اور جو مسلمان ہوں ان کے ساتھ نیکی کرنے کی ہدایت فرماتے اور فرماتے کہ اللہ کے راہ غزا کرو۔ کافروں سے لڑو۔ لیکن نہ غلو کرو نہ عذر نہ مثلہ کرو۔ نہ بچوں کو قتل کرو۔ اب غور کرو کہ کفار کو مرنے کے بعد مثلہ کرنا اعدا کی توہین اور بے حرمتی ضرور ہے۔ لیکن حضور علیہ السلام نے منع فرمادیا کہ یہ بلا اجازت ایذا رسانی ہے۔ کیونکہ مقصود صرف کافر کے شرکار و کنا تھا اور وہ اس کے قتل سے حاصل ہو گیا پس شیعہ لوگوں کا ایسا فعل جانوروں کے ساتھ کرنا جو کہ اصل کافر کے ساتھ بھی جائز نہ تھا۔ پھر اس کو سمجھنا کہ ہمارا یہ فعل صحابہ کرام تک پہنچے گا جانتے نہیں تو اور کیا ہے۔

اسی طرح عرصہ دراز کے بعد جو کہ واقعہ قتل کو گذر چکا ہے، ماتم کرنا اور ماتم بھی وہ ماتم جو ان کی شہادت کے بعد اسی دن یا دوسرے تیسرے دن بھی کیا جاتا تو شرعاً حرام تھا۔ یعنی رخساروں کا پٹینا گریبانوں کا پھاڑنا اور جاہلیت کے آوازے کرنا۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

لَيْسَ مِنَّا مَنْ نَطَّمَ الْخَدَّوْدَ وَشَقَّ الْجَيُوبَ وَدَعَا بَدْعَوِيَّ  
الجاهلية۔

یہ لوگ تو سارا سال عیش و عشرت میں گزار دیتے ہیں اور ایام محرم میں صفت ماتم بچھا دیتے ہیں اور ظاہر ہے کہ کئی انبیاء علیہم السلام اور کئی غیر انبیاء۔ جو یقیناً امام حسین علیہ السلام سے افضل تھے۔ ظلماً شہید کیے گئے۔ مگر ان کا کوئی ماتم نہیں کیا جاتا۔

خود امام حسین علیہ السلام کے والد ماجد حضرت علی رضی اللہ عنہ جو یقیناً حسین علیہ السلام سے افضل تھے۔ شہید کیے گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اور آپ کا قتل پہلا فتنہ تھا۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف کے بعد واقع ہوا اور اس قتل پر ایسے ایسے شر و فساد مرتب ہوئے جو امام

حسین علیہ السلام کی شہادت پر نہیں ہوئے پھر بھی کسی مسلمان نے ان کا ماتم نہیں کیا۔ تو ان لوگوں کو صرف حسین علیہ السلام کا ماتم کرنا وہ بھی ایسے طریق سے، جو کہ شرعاً ممنوع ہے۔ ان کے تمدن اور تہذیب کو آشکارا کر رہا ہے۔ اللہ جل شانہ، ہدایت کرے۔

## شیعوں کے متعلق ائمہ شیعہ کا ارشاد

### حضرت علی رضی اللہ عنہ

نبی البلاغہ جو کہ حضرت علی کی طرف منسوب ہے اور شیعہ میں بڑی معتبر کتاب ہے، اس میں لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے شیعوں کو مخاطب کر کے فرمایا: خدا تمہارا بڑا کرے، تمہیں غم نصیب ہو، جب تم گرمی و سردی سے بھاگتے ہو تو تلوار سے اور بھی بھاگو گے۔ اے مرد صورت زنا نور لڑکوں اور عورتوں کی مانند عقل رکھنے والو، کاش نہ میں تمہیں جانتا، خدا تمہیں غارت کرے، تم نے میرے دل کو پیپ سے میرے سینہ کو غم و غصہ سے بھر دیا اور مجھے تم نے خوب غم کے گھونٹ پلائے اور تم نے میری اطاعت و نصرت کو چھوڑ کر میری رائے و تدبیر کو خراب کر دیا۔

آپ نے اپنے بڑے لڑکے امام حسن کو وصیت کی کہ اے فرزند جب میں دنیا سے مفارقت کروں اور میرے اصحاب (شیعہ) تم سے موافقت نہ کریں تو لازم ہے کہ تم خانہ نشین رہنا۔ (جلاء العیون)

امام حسن رضی اللہ عنہ  
آپ نے شیعوں کے متعلق فرمایا۔

بخدا سوگند معاویہ از برائے من بہتر است ازین جماعت کہ آئنا دعویٰ کنند کہ  
 شیعہ من اند و ارادہ قتل من کردند و مرا غارت کردند (جلار العیون)  
 یعنی خدا کی قسم معاویہ میرے لیے بہتر ہے۔ اس جماعت سے جو دعویٰ کرتے  
 ہیں کہ میرے شیعہ ہیں حالانکہ انہیں شیعوں نے میرے قتل کا ارادہ کیا اور  
 مجھ کو غارت کیا۔

### امام حسین رضی اللہ عنہ

خلاصۃ المصابیٰ جو کہ شیعوں کی معتبر کتاب ہے۔ اس کے صفحہ ۲۹ میں لکھا  
 ہے کہ :-

امام حسین علیہ السلام نے صاف لفظوں میں فرمایا۔  
 قَدْ خَذَلْنَا شِيعَتَنَا۔

کہ ہم کو ہمارے شیعوں نے خوار کیا۔

جلار العیون میں ہے۔

شیعیان ما دست از یاری ما برداشتند۔

کہ میرے شیعوں نے میری مدد کرنے سے ہاتھ اٹھالیا۔

اپنے شیعوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔

اے جماعت (شیعہ) شمار ہلاکت و ضحرت باوچہ زشت مردم کہ شما بودہ اید۔

یعنی اے لوگو! تم ہلاک و برباد ہو جاؤ۔ تم کیسے میرے لوگ ہو۔

(ناسخ التواریخ ص ۱۹۲)

اے گمراہان امت۔ ترک کنندگان کتاب متفرقان احزاب پیروان شیطان  
 ترک کنندگان سنت ہائے پیغمبران۔ کشتندگان و ہلاک کنندگان اولاد و عزت  
 اوصیائے پیغمبران۔ اطاق کنندگان۔ اولاد زنا بغیر پران ایذا رسانندہ مومنوں  
 یاوری کنندہ ظالمان۔



تم پر ولے ہو۔ نفرین ہو۔ لعنت خدا ہو (جلاء العیون)  
 خلفاء پر تیرا کئے والو شیعو! قیامت تک صحابہ کو جتنی گالیاں دو گے اس سے  
 کہیں زیادہ بڑھ چڑھ کر تم خود اپنے امام حسین علیہ السلام سے سُن لو۔ اور بتاؤ کہ اتنے  
 اوصاف رکھتے ہوئے بھی تمہارے گمراہ ہونے میں کچھ شبہ ہو سکتا ہے۔

### امام زین العابدین

آپ نے شیعوں میں خطاب کیا۔

تم پر لعنت ہو۔ اے مکارو۔ اے غدارو۔ اب پھر دوبارہ میں تمہارے فریب  
 میں نہ آؤں گا۔ تم چاہتے ہو کہ مجھ سے بھی وہی سلوک کرو۔ جو میرے بزرگوں سے  
 کراچکے ہو۔ خدا کی قسم میں تمہارے قول و قرار پر سرگزا اعتبار نہ کروں گا۔ (جلاء العیون)

### امام باقر

آپ نے ایک دفعہ ابولہبیر سے فرمایا۔

والله لو اني اجد منكم ثلاثة موهين يكتمون حاديثي

ها استحللت ان اکتهم حاديثا۔

خدا کی قسم میری حدیث چھپانے والا تم میں سے تین مومن بھی پاتا تو میں اپنی  
 حدیث تم سے نہ چھپاتا۔ (اصول کافی ص ۷۹۶)

اس سے معلوم ہوا کہ امام صاحب کے وقت تین مومن شیعہ بھی آپ کے

حدیث چھپانے والے نہ ملتے تھے۔

### امام جعفر

آپ نے فرمایا۔ اگر میرے شیعہ پورے سترہ ہوتے تو میں جہاد کرتا۔

(اصول کافی ص ۷۹۶)

معلوم ہوا کہ امام جعفر صادق کو سترہ مومن شیعہ بھی نہیں ملتے تھے۔

## امام کاظم

آپ فرماتے ہیں۔

ان الله غضب على الشيعة فخيرني نفسي اذ هم فوقيتهم والله

بنفسی . ( اصول کافی ص ۱۵۹ )

یعنی اللہ شیعوں پر غضب ناک ہوا۔ پس مجھ کو اختیار دیا کہ اپنی جان دوں۔ یا شیعہ ہلاک ہو جائیں۔ واللہ میں اپنی جان دے کر شیعوں کو بچاتا ہوں۔ معلوم ہوا کہ شیعہ ایسے ناپاک تھے کہ گودنیا میں کافر۔ مشرک۔ مجوسی۔ یہودی سب تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ کا غضب شیعوں پر آیا اور آتنا بڑا غضب تھا کہ ایسے امام نے اپنی عزیز جان دی۔ تب جا کر شیعہ بچے۔

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جس طرح نصاریٰ مسیح کے کفارہ پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام نے عیسائیوں کے کفارہ میں جان دی۔ اسی طرح شیعہ بھی اپنے گناہوں کے عوض امام وقت جیسے بہترین مخلوق کو کفارہ سمجھتے ہیں۔

والسلام علی من اتبع الهدی

»—————«

# مسائل شیعہ

## مسئلہ نمبر ۱

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے تحفہ اثنا عشریہ میں اس فرقہ کا اعتقاد لکھا ہے کہ بجز چند صحابہ رضی اللہ عنہم کے باقی تمام صحابہ کو کافر کہتے ہیں، بالخصوص سیدنا ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کو اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو کافر کہتے ہیں۔ (معاذ اللہ)

میں کہتا ہوں کہ اندھیرا اور سمجھ کا پھیر ہے کہ جن لوگوں نے اسلام کے لیے جان و مال قربان کیے، جن کی کوششوں سے دنیا میں اسلام پھیلا، جن کے ذریعہ سے اسلام کی دولت ہم تک پہنچی اور جو لوگ سفر و حضر میں حضور علیہ السلام کے ساتھ رہا کرتے تھے، آج ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ مسلمان نہ تھے۔ (نعوذ باللہ من ہذہ المغوات)

اگر یہ لوگ مسلمان نہ تھے تو بتاؤ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں اگر کیا کام کیا، یہ تو ہر ایک منصف مانتا ہے کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے، اگر کسی استاد کے شاگرد جہد عالم ہوں تو سمجھا جاتا ہے کہ ان کا استاد بڑا لائق ہے، اگر مرید پارسا ہوں تو سمجھا جائے گا کہ ان کا شیخ بڑا متقی ہے۔ تو اگر سرور عالم کے مریدوں کی یہ حالت تھی جو کہ شیعہ لوگ بیان کرتے ہیں۔ پھر مرید بھی وہ جو سفر و حضر میں اپنے پیر کے ساتھ رہتے تھے تو اس سے لازم آتا ہے کہ حضور علیہ السلام کی تعلیم میں (معاذ اللہ) کوئی اثر نہ تھا۔ وہ لوگ جو ہمیشہ آپ کی صحبت میں رہے وہ بھی دل سے مسلمان نہ ہو سکے، حضرت علی، حضرت امام حسن و حسین رضی اللہ عنہم تو بقول شیعہ پیدائشی مسلمان تھے، حضور کے اثر صحبت سے مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ تو حضور نے اگر کن لوگوں کو مسلمان کیا، کیا صرف ابوذر، سلمان، عمار بن یاسر اور مقداد رضی اللہ عنہم کو ہی مسلمان بنایا، اور یہ مسلمان بھی بقول کلینی ایسے کہ اگر ابوذر و سلمان کے دل کا معلوم ہوتا تو انہیں قتل کر دیتے۔ (اصول کافی ص ۲۵۴)

پھر آیت یداخلون فی دین اللہ افواجاً میں جن لوگوں کے اسلام لانے کا ذکر ہو رہا ہے وہ کہاں گئے اور وہ کون لوگ تھے؟

اگر خلفائے ثلاثہ دل سے مسلمان نہ تھے تو اپنی اپنی خلافت کے زمانہ میں انہوں نے اپنے دین (کفر) کا کیوں اظہار نہ کیا؟ کیوں لوگوں کو مسلمان بناتے رہے؟ اپنی خلافت کے زمانہ میں ان کو کس ڈر تھا؟ کہ اپنا کفر ظاہر نہ کر سکے۔ کیا وہ حضرت علی سے ڈرتے تھے؟ اگر ان کا ڈر تھا تو وہ خلافت پر کیسے قابض ہو گئے؟ اس وقت کیوں نہ ڈرے؟

حضرت علی، ابوذر، مقداد، عمار اور حسین ان کے پیچھے کیوں نمازیں پڑھتے رہے؟ کیا کافر یا منافق کے پیچھے نماز جائز ہے؟ خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جیاتِ دنیوی کے آخری دور میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو نماز میں امام کیوں بنایا؟ حالانکہ مومن اور منافق قرآن کی نص قطعی کے مطابق متمیز ہو چکے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ

يُمَيِّزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ۔

اور منافق کو بالاجماع امام بنانا جائز نہیں۔

معلوم ہوا کہ شیعوں کا یہ اعتقاد نہایت بُرا ہے۔ صحیح وہی ہے جو اہلسنت کا اعتقاد ہے کہ خلفائے ثلاثہ اور دیگر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سب حضور علیہ السلام کے فداکار اور جانشین تھے وہ کامل الایمان تھے۔ جو ان کو بُرا کہتا ہے درحقیقت وہ خود بُرا ہے۔

## مسئلہ نمبر ۲

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی تحفہ اثنا عشریہ میں فرماتے ہیں:

شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر لعن طعن کرنے کا ثواب اللہ کے

ذکر کے ثواب سے بہت بڑا ہے،  
 حالانکہ ابلیس مردود جو کہ گمراہی کی بنیاد ہے، اس پر لعنت کرنا بھی ثواب  
 کا کام نہیں۔ چہ جائیکہ اس کو افضل طاعت کہا جائے۔ قرآن پاک میں تصریح  
 موجود ہے۔

ولذا کر اللہ اکبر

اللہ کا ذکر سب سے بڑا ہے۔

مگر یہ شیعہ لعن طعن کرنے کو ذکر اللہ سے بھی افضل سمجھتے ہیں۔

دشنام ہند ہے کہ طاعت باشد

مذہب معلوم و اہل مذہب معلوم

جس مذہب میں گالیاں بکنا عبادت ہو، کیا وہ خدائی مذہب ہو سکتا ہے؟  
 ہرگز نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وہ شان ہے کہ رسول پاک نے فرمایا کہ اگر میرے  
 بعد کوئی نبی ہوتا، تو وہ عمر ہوتے، ایک شخص نے حضور علیہ السلام سے صرف اتنا کہا  
 "انصاف کیجئے" تو حضرت عمر اس کو قتل کرنے پر تیار ہو گئے۔ ایک منافق نے حضور  
 کی عدالت کے فیصلہ کے بعد حضرت عمر کی عدالت سے رجوع کیا تو آپ نے  
 اسے قتل کر دیا اور فرمایا "جس کو حضور کا فیصلہ منظور نہیں اس کے حق میں عمر کا  
 یہی فیصلہ ہے۔"

اگر حضرت عمر ایسے ہوتے جیسا کہ شیعوں کا خیال ہے تو حضرت علی رضی اللہ  
 عنہ اپنی دختر نیک اختر کو ان کے نکاح میں کیوں دیتے؟

معلوم ہوا کہ شیعوں کا یہ عقیدہ بھی بہت بڑا ہے۔ صحیح یہی ہے جو اہلسنت و  
 جماعت کا عقیدہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کے جلیل القدر  
 صحابی تھے۔ حضور کے کسرتھے ضعیف اسلام تھے، اسلام کی شمشیر بے نیام تھے۔  
 عمر وہ تھے جن کو حضور نے خدا سے مانگ کر لیا تھا۔ وہ زندگی بھر حضور کی خدمت و  
 مصاحبیت میں رہے اور موت کے بعد بھی اپنے محبوب کے قدموں میں ہیں۔

## مسئلہ نمبر ۳

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے کہ وہ اکابر مہاجرین و انصار، خلفائے ثلاثہ، عشرہ  
مبشرہ اور حضرت عائشہ و حفصہ رضی اللہ عنہم پر نماز پنجگانہ کے بعد لعنت کرنا واجب  
مانتے ہیں۔

ان کا یہ فعل تمام سابقہ شریعتوں کے برخلاف ہے اس لیے کہ انبیاء میں ہر  
ایک کے دشمن موجود تھے۔ اللہ نے فرمایا۔

وَكذلك جعلنا لكل نبي عدوا و اشياطين الا انس۔

مثال کے طور پر فرعون کہ سالہا سال تک بنی اسرائیل کو ایذا میں دیتا رہا اور  
مثلاً نمرود کہ خلیل اللہ کو جلانے تک سے گریز نہ کیا۔ لیکن کسی شریعت میں کسی نبی  
نے اپنی امت پر فرض نہیں کیا کہ ہمارے مخالفوں پر نماز کے بعد لعنت بھیجا کر ور  
بلکہ مستحب بھی نہیں فرمایا اور نہ ہی اس پر کسی ثواب کا وعدہ فرمایا تو کیا رحمت للعالمین  
جو کہ اپنے قاتلوں کو معاف کر دیتے تھے، وہ پسند کر سکتے ہیں کہ عبادت الہی  
جیسے مقدس فریضہ کے بعد گالی گلوچ یا جو اس کیا جائے۔

اس لیے شیعوں کا یہ عقیدہ بھی غلط ہے۔ صحیح وہی ہے جو اہل سنت کا عقیدہ  
ہے۔ اہل سنت کا نماز کے بعد وہی عمل ہے جس کی تعلیم قرآن پاک نے دی ہے کہ

ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذين سبقونا بالايمان ولا تجعل

في قلوبنا غلا بلذنا من امنوا ربنا انك غفور رحيم۔

## مسئلہ نمبر ۴

مسائل شیعہ میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ ۱۸ رومی الحج کو انہوں نے  
ایک عید بنا رکھی ہے، جس کا نام معید غدیر ہے، شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ اثناعشریہ میں  
فرماتے ہیں کہ شیعہ اس عید کو عیدین پر ترجیح دیتے ہیں اور اس کو عید اکبر

کہتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ حدیث غدیر خم، جس میں حضرت علی کی خلافت کا ذکر ہوا، ہرگز ہرگز صحیح نہیں۔ جو اس کو صحیح سمجھتا ہے وہ اس کی سند بیان کرے۔ پھر ہر ایک راوی کی ثقاہت ثابت کرے اور حدیث من کنت مولاه فعلى مولاه بھی صحیح نہیں۔ پھر مولیٰ بمعنی حاکم بھی یہاں درست نہیں۔ مولیٰ بمعنی محب صحیح ہے۔ اسی حدیث میں جملہ اللہو وال من والہ قرینہ ہے کہ یہاں مولیٰ بمعنی محب ہے پھر اس روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کرنے کا ذکر تک نہیں تو عید کیسی؟

سب سے اہم بات تو یہ ہے کہ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر نص ہوتی تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے موقع پر کوئی نہ کوئی صحابی اسے پیش کرتے۔ اگر یہ کہا جائے کہ وہ تو حضرت علی کے دشمن تھے تو کم از کم حضرت علی ہی اس حدیث کو پیش کر دیتے۔ حالانکہ نہ تو کسی صحابی نے اس حدیث کو پیش کیا اور نہ ہی حضرت علی نے۔ معلوم ہوا کہ شیعوں کا یہ مسئلہ بھی غلط ہے اور ان کی یہ عید ایک بناوٹی عید ہے۔

## مسئلہ نمبر ۵

مسائل شیعہ میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ شیعوں نے بابا شجاع الدین کی ایک عید بنا رکھی ہے۔ ان کے نزدیک بابا شجاع، ابو لؤلؤ کا لقب تھا۔ ابو لؤلؤ حضرت عم کا قاتل تھا۔ جو کہ مجوسی تھا۔ دراصل یہ مجوسیوں کی عید ہے کہ وہ حضرت عمر کے قتل کی خبر سن کر بہت خوش ہوئے اور اس روز کو روزِ مفاخرت و تسلیہ کا نام دیا۔ کیونکہ مجوسیوں کے دین پر جو گزری تھی، ان کی نسلیں یاد رکھیں گی جو سیو کا مغلوب ہونا اور اسلام کا غالب آنا حضرت عمر کے ہاتھوں ہوا تھا۔ یہی وجہ ہے۔



کہ مجوسی حضرت عمر کی شہادت کے دن کو اپنے لیے عید کا دن تصور کرتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ شیعوں اور مجوسیوں کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے اور شیعوں نے مجوسیوں کا اتباع کیا ہے۔

## مسئلہ نمبر ۶

ایک مسئلہ شیعوں کا ہے کہ وہ نوروز کی تعظیم کرتے ہیں اور تہوار کے طور پر مناتے ہیں۔ حالانکہ یہ بھی مجوسیوں کی عید ہے۔ اس دن کی تعظیم بھی رسوم جاہلیت میں شامل ہے۔ (تحفہ اثنا عشریہ ص ۲۴۷)

## مسئلہ نمبر ۷

شیعوں کی اعلیٰ ترین تعلیم گالی دینا، جھوٹ بولنا اور جھوٹی طہمتیں لگانا ہے، پھر اس پر ترقی حسانات کا وعدہ ہے۔  
ملاحظہ فرمائیے اصول کافی مطبوعہ لکھنؤ ص ۵۵۴  
حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ  
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

اذا رأیتوا اهل الریب والبداع من بعدى فاطهر وا  
البراة منهم واكثر وا من سبتهم والقول فيهم والقيعة  
وبا هتوا هم كيلا يطعموا في الفساد في الاسلام ويجذراهم  
الناس ولا يتعلمون من بداعهم يكتب الله لکم بذالك  
الحسانات ويرفع لکم به الدرجات في الآخرة۔

میرے بعد جب تم شک اور بدعت والوں کو دیکھو تو ان سے بیزاری ظاہر کرو۔ ان کو خوب گالیاں دو، برا کہو، بے آبروئی کرو اور ان پر بہتان بانڈھو تاکہ وہ اسلام میں فساد کا طمع نہ کریں، لوگ ان سے بچیں اور ان کی بدعت

کو نہ سیکھیں۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ان افعال (گالی کلوج وغیرہ) کے عوض نیکیاں لکھے گا اور آخرت میں تمہارے درجات بلند کرے گا۔

مسلمانو! دیکھا آپ نے یہ ہے شیعوں کی تعلیم۔ قرآن پاک تو جھوٹ بولنے گالی دینے اور تمہمت لگانے سے منع فرمایا۔ مگر یہ لوگ ہیں جو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ذمہ لگاتے ہیں کہ وہ اپنے معتقدین کو تعلیم دیتے تھے کہ تم اپنے مخالفین کو گالیاں دیا کرو، افترا پردازیاں کیا کرو اور بہتان لگایا کرو۔ پھر یہ ناپاک تعلیم حضرت امام جعفر صادق کے حوالے سے حضور علیہ السلام سے منسوب کی گئی ہے۔ (نعوذ باللہ من ذالک)

شیعوں کے نزدیک گالی بکنا اور بہتان طرازی عبادت شمار ہوتی ہے کہ اس سے ترقی درجات کا وعدہ ہے۔ تو صحابہ کرام سے زیادہ کون ہے جو ان کے بہتان کا نشانہ بن سکے۔ یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں نے صحابہ کرام سے بدظنی پیدا کرنے کے لیے طرح طرح کی بہتان طرازیوں تیار کر رکھی ہیں۔

## مسئلہ نمبر ۸

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے جو اصول کافی میں لکھا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔

یا سلیمان انکو علی دین من کتمہ اعزہ اللہ ومن اشاعہ  
اذلہ اللہ۔

اے سلیمان تم ایسے دین پر ہو جو اس کو چھپائے گا، اللہ تعالیٰ اسے عزت دے گا اور جو اس کو شائع کرے گا، اللہ اس کو ذلیل کرے گا۔

معلوم ہوا کہ شیعہ مذہب کی اشاعت جائز نہیں۔ جو کرے گا خدا اسے ذلیل کرے گا۔ اب شیعوں کو لازم ہے کہ اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے اپنے مذہب کی اشاعت بند کر دیں۔ اخبارات و رسائل نکالنا بند کر دیں۔ مجالس عزرا بند کر دیں کہ

اس میں شیعہ مذہب کی اشاعت ہے اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ جو اس کی اشاعت کرے گا، اللہ اس کو ذلیل کرے گا۔

## مسئلہ نمبر ۹

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے جو اصول کافی میں ابو الحسن علیہ السلام سے منقول ہے۔

قال ان الله غضب على الشيعة فخيرني نفسي اوهم فوقيتهم  
والله بنفسي -

فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ شیعوں پر غضب ناک ہوا تو اس نے مجھے اختیار دیا میرے نفس کا یا ان کا (یعنی شیعوں کو بچا لو یا اپنے آپ کو) تو خدا کی قسم میں نے اپنی جان کے عوض شیعوں کو بچا لیا۔

دیکھئے یہ وہی مسئلہ ہے جو عیسائیوں میں کفارہ کا ہے۔ یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ اللہ شیعوں پر اتنا غضب ناک ہوا، حالانکہ ان کے نزدیک دین صرف محبت کا نام ہے نماز روزہ کی بھی ضرورت نہیں۔ چنانچہ فروع کافی کتاب الروضہ میں لکھا ہے۔

کہ ایک شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں نمازیوں کو دوست رکھتا ہوں اور خود نماز نہیں پڑھتا۔ روزہ داروں کو بھی دوست رکھتا ہوں اور خود روزہ نہیں رکھتا تو آپ نے فرمایا۔

انت مع من احببت و لك ما اكتسبت -

تو اسی کے ساتھ ہو گا جس کی تو محبت رکھتا ہے اور تیرے لیے ہے جو تو نے

براکام کیا۔

یعنی تیرا نماز نہ پڑھنا اور روزہ نہ رکھنا تیرے لیے مفید ہے یہی وجہ ہے کہ

شیعوں کی اکثریت تارکِ نماز ہوتی ہے۔

## مسئلہ نمبر ۱۰

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے کہ شیعان علی کیسے ہی بے عمل کیوں نہ ہوں۔ ان پر کوئی عتاب نہیں چنانچہ اصول کافی میں عبد اللہ بن یعقوب سے روایت ہے:-  
 قال قلت لابی عبد اللہ علیہ السلام انی اخالط الناس فیکثر  
 عجبی من اقوام لا یتولونکم ویتولون فلانا و فلانا لہم امانۃ  
 وصدق ووفاء اقوام یتولونکم و لیس لہم تملک الا مانۃ ولا الوفاء  
 ولا الصدق الخ۔

میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ میں لوگوں سے ملتا جلتا ہوں  
 تو میرے تعجب کی کوئی حد نہیں رہتی۔ جب میں ایسے لوگوں کو دیکھتا ہوں جو فلاں  
 فلاں سے محبت رکھتے ہیں لیکن آپ سے محبت نہیں رکھتے۔ ان میں امانت،  
 رفق اور وفا ہے اور وہ لوگ جو آپ سے محبت رکھتے ہیں ان میں نہ تو وہ امانت  
 ، نہ صدق اور نہ ہی وفا۔

تو امام جعفر صادق علیہ السلام بیٹھ گئے، میری طرف غصہ کی حالت میں متوجہ ہوئے  
 اور فرمایا:-

اس شخص کا کوئی دین نہیں جو ظالم امام کی ولایت میں اللہ کا تابع  
 ہوا اور اس پر کوئی عتاب نہیں جو عادل امام کی اطاعت سے اللہ  
 کا مطیع ہوا۔

میں نے عرض کیا کہ ان لوگوں کا کوئی دین نہیں اور ان لوگوں پر کوئی عتاب  
 نہیں؟  
 آپ نے فرمایا ہاں! ان کا کوئی دین نہیں اور ان پر کوئی عتاب نہیں۔  
 یعنی جن لوگوں میں امانت، صدق اور وفا ہے وہ بے دین ہیں اور جن میں

امانت صدق اور وفا نہیں ان پر کوئی عتاب نہیں۔

## مسئلہ نمبر ۱۱

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے کہ کسی کو شیعہ مذہب کی طرف بلانا جائز نہیں چنانچہ اصول کافی ص ۲۸۰ میں امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔  
 كفوا عن الناس ولا تدعوا احدا الى امركم۔  
 لوگوں سے ہٹ جاؤ اور کسی کو اپنے مذہب کی طرف نہ بلاؤ۔  
 معلوم ہوا کہ شیعوں کا اخبارات نکالنا، رسائل طبع کرنا، مجالس کرنا اور مذہب کی تبلیغ کرنا امام جعفر صادق کے اس قول کے خلاف ہے اور امام جعفر صادق علیہ السلام کا قول شیعوں کی نزدیک خدا کا قول ہے۔ چنانچہ اصول کافی ص ۳۲ میں امام جعفر صادق فرماتے ہیں۔

میر کی حدیث میرے باپ کی حدیث ہے، میرے باپ کی حدیث میرے دادا کی ہے، میرے دادا کی حدیث حضرت امام حسین کی حدیث ہے، امام حسین کی حدیث امام حسن کی حدیث ہے، امام حسن کی حدیث حضرت علی کی حدیث ہے، حضرت علی کی حدیث رسول کریم کی حدیث ہے اور رسول کریم کی حدیث خدا کا فرمان ہے۔  
 اس سلسلہ سے معلوم ہوا کہ آج کل کے شیعہ مجالس منعقد کر کے حضرت امام جعفر صادق کے ارشاد کے خلاف چل رہے ہیں اور امام جعفر صادق کا خلاف تمام مگر بلکہ رسول کریم اور پھر خدا کا بھی خلاف ہے۔

## مسئلہ نمبر ۱۲

ایک مسئلہ شیعوں کا یوں ہے کہ دین حق کا چھپانا ثواب ہے۔ چنانچہ اصول کافی میں حضرت امام جعفر رضی اللہ عنہ، سلیمان بن خالد کو فرماتے ہیں۔

انکم علی دین من کتمہ اللہ اعزہ اللہ ومن اذا عدا ذلہ اللہ  
تم ایسے دین پر ہو کہ جو اس کو چھپائے گا، اللہ اسے عزت دے گا اور جو اسے  
شائع کرے گا، اللہ اس کو ذلیل کرے گا۔

اس زمانہ میں شیعہ اس حکم کا بھی خلاف کرتے ہیں۔ وہ مذہب جس کے چھپانے  
کا حکم تھا شیعے اسے اعلانیہ اخباروں اور وعظوں کے ذریعے شائع کر رہے ہیں۔ ان کے  
کے لیے بہتر یہی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے قول پر عمل کریں اور اس  
مذہب کا کسی دوسرے کے سامنے نام نہ لیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا ہے۔

جس شخص تک ہماری بات پہنچے اور وہ شائع کر دے وہ دنیا میں ذلیل  
ہوگا اور آخرت کا نور اس سے کھو دیا جائے گا۔ (اصول کافی ص ۴۵۸)

قرآن میں تو اللہ کا ارشاد ہے لیظہرہ علی الذین کذبوا لیکن شیعوں کا دین  
کیسا ہے جس کی اشاعت پر اس قدر وعید ہے! شیعوں! حضرت امام کا ارشاد سنو  
اور اس پر عمل کرو! اگر تم شیعہ ہو تو بنے رہو لیکن کسی اہل سنت کے سامنے ہرگز  
اپنے مذہب کو پیش نہ کرو ورنہ بقول حضرت امام جعفر صادق دنیا میں بھی ذلیل  
ہو گے اور آخرت میں بھی نور نہ ملے گا۔

### مسئلہ نمبر ۱۳

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے کہ ان کے امام ایک ہی مسئلہ کے جواب میں کسی  
کو کچھ اور کسی کو کچھ اور بتاتے تھے۔ چنانچہ اصول کافی ص ۳۷۱ میں زرارہ سے روایت  
ہے وہ ابو جعفر سے روایت کرتا ہے۔

قال سألتہ عن مسألة فاجابني ثورجاء رجل فسألتہ  
عنها فاجابہ يخالف ما اجابني ثورجاء اخر فاجابہ بخلاف  
ما اجابني واجاب صاحبی فلما خرج الرجلان قلت باين

رسول الله راجلان من اهل العراق من شيعتكم قدما  
يسلان فاحبت كل واحد منها غير ما اجبت به صاحبه  
فقال يا نزار اشارة ان هذا خير لنا والبقى لنا ولكم -

میں نے آپ سے ایک مسئلہ پوچھا تو آپ نے مجھے جواب دیا۔ پھر ایک  
آدمی آیا۔ اس نے بھی وہی مسئلہ پوچھا تو آپ نے اس کو میرے جواب کے برخلاف  
جواب دیا۔ پھر ایک اور آدمی آیا اس نے بھی وہی مسئلہ پوچھا اس کو کچھ اور ہی  
جواب دیا۔ جو ہم دونوں کے خلاف تھا۔ جب وہ دونوں سائل چلے گئے تو میں  
نے عرض کی۔ اے فرزند رسول! اہل عراق کے دو شیعے آپ کی خدمت میں مسئلہ  
پوچھنے آئے۔ آپ نے ہر ایک کو الگ الگ جواب دیا۔ یہ کیا بات ہوئی۔ تو آپ  
نے فرمایا اے زرازہ ایسی ہمارے لیے بہتر ہے اور یہی ہماری اور تمہاری بقا  
کا موجب ہے۔

شیعوں اصحاب پر بہتان طر ازیاں کرتے کرتے اب اپنے اماموں پر بھی الزام  
تراشیاں کرنے لگے ہو! ہم ہرگز نہیں مان سکتے کہ ائمہ اہل بیت ایسا کرتے تھے۔  
ہمارا ایمان ہے کہ اہل بیت کا بچہ بچہ صادق الوعد اور راسخ القول تھا۔

## مسئلہ نمبر ۱۲

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے کہ ان کے امام لوگوں کو حرام گوشت کھلاتے  
تھے اور حرام کو بسبب تقیہ حلال کہہ دیتے تھے۔ چنانچہ فروع کافی جلد ۲ ص ۲۸ مطبوعہ  
نوکلشور میں ہے، ابان بن تغلب سے روایت ہے۔

قال سمعت ابا عبد الله عليه السلام يقول كان ابي عليه السلام  
يفتي في زمن بني امية ان ما قتل البازي والصقر فهو حلال و  
كان يتقيهم وانا لا اتقيهم وهو حرام ما قتل -

ابان نے کہا کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو یہ فرماتے سنا کہ میرے

والد ماجد علیہ السلام بنو امیہ کے دور میں فتویٰ دیا کرتے تھے کہ جو باز اور شکر اقتل کرے وہ حلال ہے وہ ان سے تقیہ کرتے تھے حالانکہ کہ میں تقیہ نہیں کرتا۔  
جو باز اور شکر اقتل کرے وہ حرام ہے۔

قالوجه فی تاویل هذا الاخبار ان نهم لها على التقية  
دین روایات میں ہمارے امہ نے باز کا مارا حلال کیا ہے، وہ تقیہ پر محمول ہیں۔  
حالانکہ تقیہ امہ کو جائز تھا۔ اصول کافی ص ۱۲۱ میں ایک وصیت کا ذکر ہے جو اللہ  
تعالیٰ نے حضور علیہ السلام پر وفات شریف سے پہلے نازل فرمائی۔ اس میں حکم ہے۔  
حدث الناس واقتهم ولا تخافن الا الله عز وجل فانہ لا سبیل  
لاحد علیک۔

لوگوں سے بات کر اور فتویٰ دے اور خدا کے سوا کسی سے نہ ڈر تجھ پر کسی  
شخص کو غلبہ نہیں۔

اس کے باوجود حضرت امام جعفر صادق کے والد ماجد ڈرتے ہیں اور حرام گوشت  
کو حلال کہہ دیتے ہیں، لوگوں کو حرام کھلاتے ہیں اور اس وصیت کا جو کہ اللہ کی طرف  
سے نازل ہوئی، دیدہ واپس خلافت کرتے ہیں۔

شیعوں! کیا آپ کے امہ ایسے ہی ڈر لوگ تھے، ہم تو اس امر کے ماننے پر ہرگز  
تیار نہیں وہ تو بڑے بڑے جابروں کے سامنے کلمہ حق کہنے سے نہیں رکتے تھے۔  
اور تم کہتے ہو کہ وہ ڈرتے ہوئے حق مسئلہ بیان نہ کرتے تھے۔

نعود بالله من هذه الخرافات۔

## مسئلہ نمبر ۱۵

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ڈرتے ہوئے احکام  
شرعیہ جاری نہ کر سکے، یعنی اپنی خلافت کے زمانہ میں بھی ڈرتے رہے اور احکام



شرعیات علی الاعلان جاری نہ کر سکے۔

ملاحظہ ہو فروع کافی، کتاب الروضہ ص ۲۹۔

امیر المؤمنین ایک خطبہ میں فرماتے ہیں۔

قد علمت الولاية قبلي اعمالا خالفوا فيها رسول الله  
صلى الله عليه وسلم متعمداين لخلافه ناقضين لعهداه  
مغيرين لسنة ولو حملت الناس على تركها وحولتها  
الى مواضعها والى ما كانت في عهد رسول الله صلى الله  
عليه وسلم لتفارق عني جندي حتى ابقي وحداى او قليل

من شيعتى۔

میں جانتا ہوں کہ مجھ سے پہلے حکام نے دیدہ و دانستہ رسول اللہ کا خلاف کیا  
عہد توڑا اور سنت کو بدلہ۔ اگر لوگوں کو ان احکام کے ترک پر آمادہ کروں اور  
سرور عالم کے زمانہ میں جس طرح احکام تھے اسی طرح کروں تو میرا شکر مجھ سے  
انگ ہو جائے گا۔ یہاں تک کہ میں اکیلا رہ جاؤں گا یا تھوڑے سے شیعیے میرے  
ساتھ رہ جائیں گے۔

پھر اس کے آگے امیر المؤمنین نے وہ احکام شمار کیے ہیں جو خلفائے ثلاثہ کے  
زمانہ میں (بزرگم شیعیہ) مخالف سنت تھے۔

مگر امیر المؤمنین نے باوجود صاحب اقتدار خلیفہ ہونے کے ان احکام کو خلاف  
شرعیات ہی رہنے دیا۔ حضرت علی لوگوں کے ڈر سے ان احکام کو شرعیات کے موافق  
نہ کر سکے۔ انہی احکام میں سے فدک ہے فرماتے ہیں:

”اگر میں فدک فاطمہ رضی اللہ عنہا کے وارثوں کو دے دیتا تو لوگ مجھ  
سے متفرق ہو جاتے۔“

سبحان اللہ! خلیفہ وقت ہونے کے باوجود لوگوں کے متفرق ہونے کا ڈر۔  
شیعو! آپ ہمیشہ یہی شکایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر نے خاتون جنت سے

فدک چھین لیا۔ دیکھو امیر المؤمنین حضرت علی بھی اپنی خلافت کے زمانہ میں وہی حکم برقرار رکھتے ہیں جو صدیق اکبر نے صادر فرمایا۔ پھر تمہاری شکایت کیا معنی رکھتی ہے، تم خود ہی سوچو اور انصاف کرو کہ خطبہ میں جو عذر حضرت علی نے فرمایا ہے کیا یہ عذر قابل قبول ہے؟ خلیفہ وقت ہو، صاحب اقتدار ہو اور اپنی نگاہوں سے ایسے امر دیکھے جو اللہ اور رسول کے خلاف ہوں۔ پھر وہ لوگوں کے ڈر سے خاموش رہے وہ خلیفہ ہی کیا ہے؟

شیعو! سنو! ہمارا ایمان ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت شیر خدا کو حق بات سے روک نہیں سکتی اور نہ ہی شیر خدا زمانہ کی مخالفت کی پرواہ کر سکتے ہیں۔ یہ تمہارا حضرت علی پر صریح الزام ہے۔ حق بات یہ ہے کہ حضرت علی نے فیصلہ کو اس لیے برقرار رکھا کہ وہ شرع کے عین مطابق تھا اور نہ حضرت علی شیر خدا صاحب اقتدار ہوتے ہوئے اس فیصلہ کو یقیناً تبدیل فرما دیتے۔

## مسئلہ نمبر ۱۶

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے کہ جو قرآن اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بذریعہ جبریل نازل فرمایا تھا۔ وہ سترہ ہزار آیات کا مجموعہ تھا جب کہ موجودہ قرآن میں چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ آیات ہیں۔ معلوم ہوا کہ تفسیر بیادس ہزار آیات اس قرآن میں نہیں ہیں۔

چنانچہ اصول کافی کتاب فضل القرآن ص ۶۱ مطبوعہ نوکلشور میں ہے:

عن ابی عبد اللہ قال ان القرآن الذی جاء بہ جبریل علیہ السلام الی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سبعۃ عشر الف آیۃ۔

امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ وہ قرآن جو بذریعہ جبریل حضور پر نازل ہوا، وہ سترہ ہزار آیت تھا۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ موجودہ قرآن وہ قرآن نہیں جو جبریل لے کر آیا۔

اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا وہ ستر ہزار آیات والا قرآن شیعوں کا قرآن ہے جو معلوم نہیں کہ کہاں ہے؛ آج شیعوں کے پاس خدا کی کوئی کتاب نہیں یہ قرآن جو ہمارے پاس ہے، شیعوں کے نزدیک تحریف اور مبدل ہے۔ اصلی قرآن آج کسی شیعہ کے پاس نہیں۔ تو جب ان کے پاس اللہ کی کتاب ہی موجود نہیں تو ان کا فریب بھی ظاہر ہے۔

## مسئلہ نمبر ۱

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے کہ موجودہ قرآن میں تحریف کی گئی ہے چنانچہ فروغ کافی، کتاب الروضہ ص ۱۱۱ میں ہے:

ولا تلتس دین من لیس شیعتک ولا تجتد دینہم نا لہم  
خائنون الذین خانوا اللہ ورسولہ و خانوا امانتہم  
وتدری ما خانوا امانتہم اؤتمنوا علی کتاب اللہ فخر فوہ و  
بداوۃ الخ

موسیٰ رضا علیہ السلام فرماتے ہیں جو شخص تمہارے شیعہ میں سے نہیں ہے۔ اس کے دین کی تلاش نہ کرو اور ان کے ساتھ محبت نہ کرو۔ کیونکہ وہ لوگ خیانتی ہیں جنہوں نے اللہ ورسول سے خیانت کی اور ان کی امانتوں میں خیانت کی۔ وہ اللہ کی کتاب پر ائین بنائے گئے تو انہوں نے تحریف کی اور کتاب اللہ کو بدل ڈالا۔ معلوم ہوا کہ موجودہ قرآن شیعوں کے نزدیک تحریف کیا گیا ہے۔

حیات القلوب جلد سوم ص ۱۱۱ میں حضرت باقر علیہ السلام سے روایت ہے۔  
خدا را در زمین سے حرمت است، قرآن و عترت من و کعبہ کہ خانہ محترم  
خدا است قرآن را پس تحریف کر دند و تغیر دادند و اما کعبہ را پس خراب  
کر دند ما عترت مرا پس کشتند۔

زمین میں اللہ کی تین چیزیں محترم تھیں۔ قرآن، عترت اور کعبہ۔ قرآن کو ان

لوگوں نے تحریف و تغیر کیا، کعبہ کو خراب کیا اور عترت کو قتل کیا۔  
اس روایت سے بھی معلوم ہوا کہ موجودہ قرآن شیعوں کے نزدیک محرف  
ہے۔ سوال یہ ہے کہ پھر اصل قرآن کہاں ہے؟ اگر زمین پر اصل کتاب الہی موجود  
نہیں تو پھر کیا نئی کتاب کی ضرورت نہیں؟ اگر نئی کتاب کی ضرورت ہے تو پھر  
مرزا قادیانی کو تسلیم کر لیا ہوتا۔

ظاہر ہے کہ شیعوں کا یہ عقیدہ بالکل غلط ہے۔ کہ قرآن کو بدل ڈالا گیا ہے۔  
کیونکہ خدا نے خود فرمایا ہے۔

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون۔

قرآن ہم نے نازل فرمایا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔  
جس کی حفاظت کا ذمہ خدا نے لیا ہو تو کیا ممکن ہے کہ خدا اس کی حفاظت  
نہ کر سکا ہو؟ دنیا میں لاکھوں کی تعداد میں قرآن حکیم کے حافظ موجود ہیں اور رہیں گے  
جن کے سینوں میں قرآن کی دولت محفوظ ہے۔ قرآن کی حفاظت کے لیے خدا  
تعالیٰ نے اہل سنت کے سینے منتخب کیے ہیں۔ شیعوں آج تک قرآن کا حافظ نہ ہو سکا۔

## مسئلہ نمبر ۱۸

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آئمہ کے  
سوا، اگر کوئی دعویٰ کرے کہ میں نے قرآن شریف جمع کیا ہے، جس طرح اتر گیا ہے۔  
تو وہ کذاب ہے۔

اصول کافی، کتاب الحجۃ ص ۱۳۹ میں ہے۔

عن جابر سمعت ابا جعفر یقول ما ادعی احد من الناس  
انہ جمع القرآن کلہ کما انزل الا کذاب وما جمعه وحفظہ  
کما نزلہ اللہ الاعلیٰ بن ابی طالب والائمہ من بعدہ،

جابر کہتے ہیں کہ میں نے امام ابو جعفر حضرت باقر علیہ السلام کو یہ فرماتے سنا کہ

کسی نے دعویٰ نہیں کیا کہ اس نے سارا قرآن جمع کیا ہے جیسے کہ اتر ہے۔ مگر کذاب نے۔ قرآن جیسے کہ اللہ نے امارا ہے اس کو حضرت علی اور ان کے بعد کے ائمہ کے سوا کسی نے جمع نہیں کیا اور نہ ہی حفظ کیا۔

یہ حدیث ملا باقر مجلسی نے بھی حیات القلوب جلد سوم کے صفحہ ۲۵ میں نقل کی ہے۔

معلوم ہوا کہ جو قرآن حضرت علی نے جمع فرمایا تھا، وہی تھا جو اللہ نے حضور پر نازل فرمایا تھا۔ شیعہ حضرت بتائیں کہ وہ قرآن کہاں ہے؛ تاکہ ہم بھی اس کی زیارت کر سکیں۔ اس قرآن کو صرف حضرت علی نے یا اماموں نے حفظ کیا۔ معلوم ہوا کہ چودہ صدیوں نے ایک بھی شیعہ ایسا پیدا نہ کیا جو حضرت علی کے جمع کردہ قرآن کا حافظ ہوتا۔

موجودہ قرآن جسے حضرت ابو بکر و عثمان رضی اللہ عنہم نے جمع کیا، کروڑوں کی تعداد میں موجود ہے۔ لاکھوں کی تعداد میں اس کے حافظ ہیں اور قیامت تک رہیں گے۔ شیعوں پر افسوس ہے کہ حضرت علی کے جمع کردہ قرآن کو نہ تو حفظ کر سکتے اور نہ ہی اس کو باقی رکھ سکے۔ اگر کہا جائے کہ وہ قرآن صرف اماموں تک تھا تو سوال یہ ہے کہ جو امت کو دکھانا ہی مقصود نہ تھا تو اس کو نازل ہی کیوں کیا گیا؟

## مسئلہ نمبر ۱۹

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے کہ اوصیاء کے سوا کوئی دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میرے پاس سارا قرآن ہے۔ چنانچہ اصول کافی ص ۱۳۹ میں امام باقر فرماتے ہیں۔

ما استطیع احد ان یدعی ان عندہ جمیع القرآن کلہ

ظاہرہ و باطنہ غیر الاوصیاء۔

کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس کے پاس سارا قرآن ظاہر و باطن سمیت ہے۔ مگر اوصیاء (یہ دعویٰ کر سکتے ہیں)۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ سارا قرآن اوصیاء کے پاس موجود ہے۔ شیعہ حضرات سے گزارش ہے کہ وہ اوصیاء کا قرآن ہمیں دکھائیں تاکہ ہم اصل کلام الہی کی زیارت کر سکیں اگر آپ کے پاس وہ قرآن موجود نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ آپ بے کتاب امت ہیں۔ ائمہ اوصیاء نے آپ کو اصل قرآن کی ہوا نہ لگنے دی۔ وہ جانتے تھے کہ آپ اس امانت کے امین نہیں ہو سکتے۔

شیعوں کا عقیدہ یقیناً غلط ہے۔ آج دنیا میں ہر دین کے پروکار اپنی کتاب رکھتے ہیں۔ حالانکہ ان کی کتابیں محرف ہیں، پھر بھی وہ ان پر ایمان رکھتے ہیں۔ عیسائی بائبل کو اور یہودی تورات کو تسلیم کرتے ہیں۔ شیعوں پر افسوس ہے کہ وہ قرآن پاک کو تسلیم نہیں کرتے۔ یہ اسلام کی کوئی خدمت نہیں بلکہ غیر مسلموں کو اسلام پر اعتراض کرنے کا موقع فراہم کیا جا رہا ہے۔

## مسئلہ نمبر ۲۰

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے کہ ان کے پاس ایک جامعہ جو کہ رترگزہ لیا ہے۔ اصول کافی ص ۱۲۶ کتاب الحجہ میں ہے۔

عندنا الجامعة وما یدر یھوما الجامعة قال قلت جعلت فداک وما الجامعة قال صحیفہ طولھا سبعون ذراعاً بزراع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ہمارے پاس ایک جامعہ ہے اور وہ نہیں جانتے کہ جامعہ کیا ہے؟ میں نے کہا کہ آپ پر قربان۔ بتائیے کہ جامعہ کیا ہے۔ فرمایا کہ وہ صحیفہ ہے جس کا طول ستر گز ہے۔

پھر اسی صفحہ میں آگے لکھا ہے۔

وان عندنا لمصحف فاطمة علیہا السلام ما یدر یھوما  
مصحف فاطمة قال مصحف فیہ مثل قرانک وھذا

ثلاث مرات والله ما فيه من قرآنك وحرف واحد -  
 بے شک ہمارے پاس حضرت فاطمہ علیہا السلام کا مصحف ہے۔ وہ نہیں  
 جانتے کہ مصحف فاطمہ کیا ہے۔ فرمایا تمہارے اس قرآن سے تین گنا بڑا ہے۔ خدا  
 کی قسم اس میں تمہارے قرآن کا ایک حرف بھی نہیں ہے۔  
 شیعو! تمہارے عجیب و غریب مسئلے اسی قرآن میں ہوں گے۔

## مسئلہ نمبر ۲۱

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے۔  
 جو فروع کافی کتاب الروضہ کے ص ۱۲۵ میں ہے۔  
 امام ابو جعفر فرماتے ہیں۔  
 ان الناس كلهم اولاد بغايا ما خلا شيعةنا۔  
 ہمارے شیعوں کے سوا سب لوگ کنجریوں کی اولاد ہیں۔  
 یہ ہے شیعہ مذہب کی تہذیب اور یہ ہے ان کا کچھ نہ کننا۔ اس پر طرہ یہ کہ  
 اپنے مقالات میں اس قول کی تائید کرتے ہیں اور اس کو صحیح مانتے ہیں۔ نعوذ باللہ!  
 میں کہتا ہوں کہ ائمہ کرام تو تہذیب اور شائستگی کے پیکر تھے۔ رسول کا  
 گھرانہ، کردار اور گفتار میں ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ یہ شیعوں کا اماموں پر بدترین  
 الزام ہے کہ اپنے خبیث باطن کو اماموں کے ذمہ لگا دیتے ہیں۔

## مسئلہ نمبر ۲۲

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے جو کتاب الروضہ ص ۱۱۵ فروع کافی جلد سوم  
 میں ہے۔ امام ابو جعفر فرماتے ہیں۔

كان الناس اهل رادة بعد النبي صلى الله عليه وسلم الاثنته  
 نقلت ومن الثلاثة فقال المقداد بن الاسود و ابوذر

العفاری و سلمان الفارسی -

رسول پاک کی وفات سے تین دن بعد تین صحابہ کے سوا سب لوگ مرتد ہو گئے یہیں نے عرض کی وہ تین کون ہیں تو فرمایا مقداد، ابوذر اور سلمان -  
کس قدر جرات ہے کہ تین صحابہ کے سوا سب کو معاذ اللہ مرتد کہہ دیا۔ اس قول سے تو ائمہ اہل بیت بھی نہیں بچ سکتے کہ ان کو مستثنیٰ نہیں کیا گیا۔

## مسئلہ نمبر ۲۳

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے کہ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے اپنی علامی کا اقرار کر کے یزید سے جان بچالی پچنانچہ کتاب الروضہ ص ۱۱۱ میں ہے -  
فقال لما علی بن الحسين عليهما السلام قد اقررت لك  
بما سألت انا عبدا مكره لك فان شئت فامسك وان  
شئت فبع -

حضرت علی (زین العابدین) بن حسین علیہما السلام نے یزید سے کہا کہ میں تیرا غلام مکرہ ہوں۔ چاہے تو مجھے قید رکھ اور چاہے تو بیچ دے۔  
ہم ہرگز یہ تسلیم کرنے کے تیار نہیں کہ ایک بہادر اور شجاع باپ کا فرزند اتنی بزدلی کا مظاہرہ کر کے شیعوں کا حضرت زین العابدین پر یہ الزام ہے سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے اگر تفتیہ کیا تھا تو آپ کے باپ حضرت امام حسین نے کربلا میں تفتیہ کیوں نہ کیا؟ ادھر تو صرف امام زین العابدین کی ایک جان بچ رہی ہے۔  
لیکن کربلا میں بہتر جانیں کیوں نہ بچانی گئیں؟ حقیقت یہ ہے کہ شیعوں کا مسئلہ تفتیہ ایسا من گھڑت عقیدہ ہے جس کی وجہ سے اہل بیت کی آبرو و مخروخ ہو رہی ہے  
شیعے کبھی تو حضرت علی کا تفتیہ ثابت کرتے ہیں کبھی اماموں کا۔ اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ کربلا میں خون حسین نے یہ ثابت کر دیا کہ اہل بیت کا بچہ بچہ بہادر، دلیر، حق گو اور حق پرست ہے، لہذا تفتیہ کو اگر درست مان لیا جائے تو ثابت کرنا پڑے گا۔



کہ کر بلا میں امام حسین نے تقیہ کیوں نہ کیا؟

## مسئلہ نمبر ۲۴

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے کہ پانی پلانے کے عوض کسی عورت سے جماع کرے تو وہ نکاح ہو گا زنا نہیں۔

فروع کافی جلد ۲ ص ۱۹۸ میں ہے۔

امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ ایک عورت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئی کہ میں نے زنا کیا ہے۔ مجھے پاک کیجئے۔ آپ نے رجم کا حکم فرمایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے اس عورت سے دریافت کیا کہ تو نے کس طرح زنا کیا ہے؟ اس نے کہا کہ میں جنگل میں تھی۔ مجھے پیاس نے غلبہ کیا۔ میں نے ایک اعرابی سے پانی مانگا۔ اس نے انکار کیا اور کہا کہ میں اس کو اپنے نفس پر اختیار دوں۔ جب مجھے پیاس نے لاچار کیا تو میں نے منظور کیا۔ اس نے پانی پلایا اور میرے ساتھ بڑا کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

تزوج و رہب الکعبہ۔ رب کعبہ کی قسم! یہ تو نکاح ہے۔

یہ ہے شیعوں کا پاک مذہب کہ پانی کے عوض اپنی آبرو پر غیر کو مسلط کرنا، زنا نہیں نکاح ہے۔ نہ معلوم کہ حضرت علی پر یہ اتہام لگانے کا مقصد کیا ہے؟ پیاس پانی اور جماع العیاذ باللہ۔ ہمارا ایمان ہے کہ حضرت علی کی بصیرت ایسا فیصلہ برگز نہیں کر سکتی۔

## مسئلہ نمبر ۲۵

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے جو کتاب من لایحضرہ الفقیہ کے ص ۱ میں

ہے:-

امام باقر علیہ السلام پاخانہ میں گئے۔ وہاں نجاست میں ایک روٹی کا ٹکڑا پڑا

ہوا دیکھا۔ آپ نے لے کر دھویا، اپنے غلام کو دیا اور فرمایا یہ تیرے پاس رہے۔  
 میں پاخانہ سے فارغ ہو کر اسے کھاؤں گا۔ جب آپ نکلے تو غلام سے پوچھا کہ لقمہ  
 کہاں ہے؟ اس نے کہا کہ میں نے تو کھانیا ہے۔ فرمایا یہ لقمہ نہیں قرار پکڑتا کسی کے  
 پیٹ میں، مگر اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے۔ جاؤ! میں نے تمہیں آزاد  
 کیا کیونکہ میں مکروہ سمجھتا ہوں کہ جنتی سے خدمت لوں۔  
 حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

ودخل الوجع الباقر علیہ السلام الخلاء فوجد لقمۃ  
 خبز فی القدر فاخذها و غسلها و رفعها الی مملوک کان  
 معہ فقال تکون معک لا کلها اذا خرجت فلما خرج علیہ  
 السلام قال للمملوک ابن اللقمة قال اکلتها یا ابن رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم فقال اتھا ما استقرت فی جوف  
 احد الا وجبت لنا الجنة فاذهب فانت حر فانی اکراه  
 ان استخدم رجلا من اهل الجنة۔

ہم ہرگز مان نہیں سکتے کہ حضرت باقر علیہ السلام نے ایسا لقمہ کھانے کا ارادہ بھی  
 کیا ہو اور اس کے کھانے والے کو اتنا درجہ کہ وہ جنتی ہو گیا۔ حالانکہ اس نے امام باقر  
 کے حکم کا خلاف کیا۔ امام صاحب کی امانت کو کھا گیا پھر جنتی ہو گیا۔ اس پر طرہ یہ کہ امام  
 صاحب جنتی کو خادم بنانا پسند نہیں کرتے جس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام  
 صاحب کے خادم جنتی نہیں ہوتے تھے۔ کیا امام صاحب کی خدمت میں رہنا بجائے  
 خود جنتی ہونے کی ضمانت نہ تھی؟

## مسئلہ نمبر ۲۶

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے جو من لایخفہ الفقیہ کے ص ۱۳ میں ہے۔۔  
 سال حنان بن سدید ابا عبد اللہ علیہ السلام فقال انی

بما بليت فلا أقدم على الماء ويشد ذلك فقال عليه  
السلام اذا بليت وتمسحت فامسح ذكرك بريقك فان  
وجدت شيئاً فقل هذا من ذلك -

حنان بن سدير نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ میں بسا اوقات  
بول کرتا ہوں اور پانی پر قادر نہیں ہوتا اور مجھ پر یہ بات ناگوار معلوم ہوتی ہے آپ  
نے فرمایا کہ جب تو بول کرے اور مسح کرے تو تھوک سے ذکر کو پونچھ لیا کر پھر اگر کچھ  
(ترمی) پائے تو سمجھ لو کہ یہ اسی تھوک سے ہے۔

یہ مسئلہ عجیب ہے۔ اور یہ من لایحضرہ الفقہیہ کے زمرہ میں ہی آسکتا  
ہے۔

## مسئلہ نمبر ۲۶

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے کہ بے وضو نماز جنازہ جائزہ ہے۔  
من لایحضرہ الفقہیہ کے ص ۲۳ میں ہے؛  
امام جعفر صادق سے یونس بن یعقوب پوچھتے ہیں کہ بلا وضو جنازہ پڑھا جائے؟  
تو آپ نے فرمایا: "ہاں"  
الفاظ یہ ہیں:-

سئل یونس بن یعقوب ابا عبد اللہ علیہ السلام عن  
الجنائزۃ یصلی علی غیر وضوء فقال نعم!

## مسئلہ نمبر ۲۸

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے کہ حیض والی عورت بھی جنازہ پڑھ سکتی ہے۔  
من لایحضرہ الفقہیہ کے ص ۲۳ میں ہے؛  
عن ابی جعفر علیہ السلام ان الحائض تصلی علی الجنائزۃ

ولا تصف معہم۔

ابو جعفر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ حیض والی عورت جنازہ پڑھ لے اور جماعت کے ساتھ صفت میں کھڑی نہ ہو۔

## مسئلہ نمبر ۲۹

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے کہ مخالف کے جنازہ کی نماز میں اس کے حق میں لعنت اور بددعا کرو۔

تہذیب جلد اول ص ۹۶ میں ہے :-

لا يجوز لاحد من اهل الايمان ان يغسل مخالفا للحق في  
الولاية ولا يهمل عليه الا ان تدعواه ضرورة الى ذلك من  
جهة التقية فيغسله تغسل اهل الخلاف ولا يترك  
معه جريداة واذا صلى عليه لعنة في صلوته ولم  
يدع لنا فيها۔

کسی اہل ایمان کو جائز نہیں کہ ولایت کے بارے میں جو مخالف حق ہو اسے غسل دے نہ اس پر جنازہ پڑھے۔ اگر تقیہ کے سبب کہیں جانا پڑ جائے۔ یعنی ضرورت پیش آجائے تو اسے اہل خلاف کی طرح غسل دے اور اس کے ساتھ جریدہ نہ رکھے۔ جب نماز جنازہ پڑھے تو نماز میں اس پر لعنت کرے، دعا نہ مانگے۔ تہذیب میں اس قول کی شرح میں لکھا ہے کہ ولایت کی مخالفت حق کی مخالفت ہے اور اہل حق کا مخالف کافر ہے۔ اس پر کافروں کا حکم واجب ہے۔ مرنے والا اگر کافر ہے تو اس پر جنازہ کیسا؟ تقیہ کر کے کافر کا جنازہ پڑھ لیتا شیعوں کا مذہب ہو سکتا ہے۔ اسلام تو کافر کے جنازہ کی اجازت نہیں دیتا۔ پھر جنازہ میں شامل ہو کر دعا کرنے کی بجائے میت پر لعنت کرنا بھی شیعوں کا ہی مذہب ہے۔

## مسئلہ نمبر ۳۰

مسئلہ نمبر ۲۹ کی تائید میں اسی تہذیب کے صفحہ ۱۷۸ میں حضرت امام حسین کا واقعہ درج کیا گیا ہے۔

عن ابن عبد اللہ ان رجلا من المنافقین مات فخرج  
الحسین بن علی میثی معہ فلقیہ ، مولیٰ لہ ، فقال لہ  
الحسین این تذاہب یا فلان ؟ فقال لہ مولاۃ افر من  
جنازۃ ہذا المنافق ان اصلی علیہا فقال لہ الحسین انظر  
ان تقوم علی یمینی فہا تسمعنی ان اقول فقل مثله فلما ان  
کبر علیہ ولیہ قال الحسین اللہم العن فلانا عبدک  
الف لعنة متلفة غیر مختلفۃ اللہم اخر عبدک فی عبادک  
وبلادک واصلہ حرنا دک واذقہ اشد عذابک فانہ  
کان یولی اعدائک ویعاری اولیائک ویبغض اهل  
بیت نبیک ۔

ابن عبد اللہ سے روایت ہے کہ ایک منافق مر گیا۔ امام حسین اس کے جنازہ کے ساتھ ہوئے۔ آپ کا ایک غلام ملا تو آپ نے فرمایا کہ تو کہاں بھاگا جا رہا ہے۔ اس نے عرض کی کہ میں منافق کے جنازہ سے بھاگتا ہوں کہ اس پر نماز نہ پڑھنی چاہیے۔ امام حسین نے فرمایا کہ دیکھ میری دائیں جانب کھڑا ہو جاؤ جو کچھ میں کہوں، تم بھی سن کر وہی کہتے جانا۔ جب اس میت کے ولی نے تکبیر کہی تو امام حسین نے فرمایا:

اے اللہ! اپنے اس بندہ پر لعنت کر نہ اڑھتیں جو ساتھ ساتھ ہوں مختلف نہ ہوں۔ اے اللہ! اپنے اس بندہ کو اپنے بندوں اور شہروں میں ذلیل کر۔ اس کو اپنی آگ کی سوزش میں داخل کر اور اپنے عذاب کی سمٹی اسے چکھا رہے ٹنک

وہ تیرے دشمنوں سے دوستی رکھتا تھا تیرے دلیوں کا مخالف تھا اور تیرے نبی کے اہل بیت سے بعض رکھتا تھا۔

ہم شیعہ صاحبان سے پوچھتے ہیں کہ ایک شخص جس کے لیے مغفرت ضروری نہ تھی تو حضرت امام حسین نے اس کا جنازہ ہی کیوں پڑھا عام لوگوں اور اپنی محبت والوں کو مغالطہ میں کیوں ڈالا؟

ہم یہ کیسے تسلیم کر لیں کہ کعبہ رُخ ہو کر، حضرت امام حسین جنازہ کی نماز میں بجائے کلام النبی پڑھنے کے، گالی گلوچ کرنے لگے؟

سنی مسلمانوں کے لیے بھی مقام عورت ہے کہ شیعہ اگر جنازہ میں آجائے تو اپنے مذہب کے مطابق دعائے مغفرت نہیں کرے گا بلکہ میت پر لعن طعن کرے گا۔

### مسئلہ نمبر ۳۱

تہذیب جلد ۱ ص ۱۷۸ کی ایک اور روایت ملاحظہ فرمائیے:

لما مات عبد اللہ بن ابی بن سلول حضر النبی صلی اللہ علیہ وسلم جنازۃ، فقال عمر لرسول اللہ المرینہک اللہ ان تقوم علی قبری فقال ویلک ما یدارہک ما قلت انی قلت اللہم احش خوفہ ناراً واملأ قبرہ ناراً واصلہ ناراً قال ابو عبد اللہ فابداً من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما کان یکرہ -

عبد اللہ بن ابی بن سلول کا انتقال ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے جنازہ پر حاضر ہوئے تو عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کی قبر پر کھڑا ہونے سے منع نہیں کیا؟ حضور نے فرمایا تجھ پر اسنوس ہے تو کیا جانے کہ میں نے کس طرح دعا کی؟ میں نے تو یہ کہا اے اللہ اس کے پیٹ کو آگ سے بھر دے۔ اس کی قبر کو آگ سے بھر دے۔ اس کو دوزخ میں پہنچا دے امام جعفر صادق

نے فرمایا کہ عمر نے رسول اللہ کا وہ راز ظاہر کر دیا جس کے ظاہر ہونے کو وہ بُرا سمجھتے تھے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ منافقین پر جنازہ پڑھنے کی ممانعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو منع نہ کیا۔ حالاں کہ پیغمبر پر تبلیغ احکام فرض ہے۔ اس سے لازم آتا ہے کہ حضور نے تبلیغ کو چھپایا اور جنازہ میں شرکت فرمائی۔ حضور کی وجہ سے مسلمانوں نے بھی جنازہ پڑھا۔ تو اس گناہ میں معاذ اللہ حضور نے سب کو مبتلا کیا۔ نعوذ باللہ من ہذہ الاعتقاد۔

اس روایت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ معاذ اللہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تقیہ کرتے تھے اور آپ کا ظاہر کچھ اور تھا اور باطن کچھ اور۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس بُرے عقیدے سے محفوظ رکھے۔

اس روایت سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ حضرت عمر کا ظاہر باطن ایک تھا اور آپ کو منافقوں سے سخت عداوت تھی۔ ان کے جنازہ کی نماز پڑھنا آپ پسند نہیں فرماتے تھے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ حضرت عمر اس حکم خداوندی سے واقف تھے کہ منافقوں کی نماز جنازہ نہیں۔

شیعو! تمہاری اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ معاذ اللہ پیغمبر خدا نے لوگوں کو دھوکا دیا۔ بظاہر جنازہ پڑھا لیکن درحقیقت میت کو گالیاں دے کر آگے معاذ اللہ سنی بھائیو! کیا آپ جائز رکھتے ہو کہ شیعہ تمہاری کسی میت کے جنازہ میں شامل ہو کر میت کے لیے ایسی بری دعائیں مانگیں جن کی ان کے مذہب کی رو سے ہدایت کی جا رہی ہے۔

### مسئلہ نمبر ۳۲

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے کہ اگر کوئی نماز میں اپنے... کے ساتھ کھیلے تو کوئی حرج نہیں۔

تہذیب جلد ۹۹ میں ہے۔

امام جعفر صادق سے معاویہ بن عمار پوچھتے ہیں کہ فرض نماز میں.....  
کے ساتھ کھیلنا کیا حکم رکھتا ہے؟ فرمایا کوئی ڈر نہیں۔  
اصل عبارت یہ ہے؛

عن معاویة ابن عمار قال سألت یا عبد اللہ علیہ السلام  
عن الرجل یعبث بزکرة فی الصلوة المکتوبة فقال لا بأس  
به۔

سبحان اللہ! کیسے خشوع کی نماز ہے؟

### مسئلہ نمبر ۳۳

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے کہ جنبی اور حائض کو قرآن پڑھنا جائز ہے۔  
تہذیب جلد ۳۶ میں ہے۔

عن ابی جعفر لا بأس ان یتلو الحائض والمجنب القرآن۔  
امام ابو جعفر فرماتے ہیں کہ حائضہ اور جنبی کے قرآن پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔

### مسئلہ نمبر ۳۴

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے کہ جنبی کو مضمضہ اور استنشاق ضروری نہیں۔  
تہذیب جلد ۳۶ میں ہے۔ امام جعفر صادق سے کسی نے سوال کیا کہ جنبی کلی کرے تو  
فرمایا: لا انما یجنب الظاہر، نہ کرے کیونکہ ظاہر جنبی ہوتا ہے۔ (دمنہ ظاہر  
نہیں بلکہ جوف ہے،)

### مسئلہ نمبر ۳۵

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے کہ پاخانہ میں آیتہ الکرسی کی مقدار قرآن یا



الحمد لله رب العالمین پڑھ لے تو کوئی حرج نہیں۔

من لا یحضرہ الفقیہہ میں ہے۔

سأل عمر بن یزید ابا عبد الله عليه السلام عن التسبیح  
فی المخرج وقرأة القرآن فقال لم یرخص فی الکنیف اکثر  
من آية الكرسي ويحمد الله اداية الحمد لله رب العالمین  
عمر بن یزید نے امام جعفر صادق سے دریافت کیا کہ پاخانہ میں قرآن پڑھنے  
یا تسبیح کرنے کا کیا حکم ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ پاخانہ میں اس سے زیادہ کی اجازت  
نہیں کہ آیت الکرسی کی مقدار قرآن پڑھ لے اور خدا کی حمد کرے یا الحمد لله رب العالمین  
پڑھے۔

## مسئلہ نمبر ۳۶

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے کہ نفاس والی عورت اور پاخانہ پھرتے ہوئے۔  
قرآن پڑھ لیں۔

استبصار جلد اول میں ہے۔

عن ابي عبد الله عليه السلام قال سالت ابا القاسم عن  
المخاض والجنب والرجل يتغوط القرآن فقال يقرأون  
ما شاءوا۔

عبید اللہ بن علی حلبی کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق سے پوچھا کہ کیا  
نفاس والی عورت، حیض والی عورت، جنبی اور پاخانہ پھرتے ہوئے آدمی قرآن  
پڑھ لیں۔ آپ نے فرمایا، پڑھ لیں جو چاہیں۔

بجان التذکران کی یہ عزت ہے؛ شبیعہ دو ستوا پر روایات تم نے  
اماموں کے ذمہ لگا دی ہیں۔ تمہارا اصل مقصد تو صرف یہ ہے کہ وہ قرآن جس کو  
ابوبکر اور عثمان رضی اللہ عنہما نے جمع فرمایا۔ اس کی توہین کرائی جائے۔

## مسئلہ نمبر ۳۷

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے جو استبصار کے ص ۲۶ میں ہے۔  
 عن ابی عبد اللہ قال سألتہ کو یحزی من الماء فی الاستنجاء  
 من البول فقال مثلاً ما علی الحشفة من الببل۔  
 امام جعفر صادق سے پوچھا کہ بول کے استنجاء کے لیے کتنا پانی کافی ہے؟  
 آپ نے فرمایا کہ جس قدر حشفہ تری باقی ہے اس سے دگنا پانی ہو تو کافی ہے۔  
 معلوم ہوا کہ ایک قطرہ سے بھی کم پانی بول کے استنجاء کے لیے کافی ہے۔  
 انصاف فرمائیے کہ یہ استنجاء ہوا یا کہ زیادہ پلید کرنا ہوا؟

## مسئلہ نمبر ۳۸

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے کہ بول کر کے تین دفعہ ذکر کو نچوڑے پھر اگر ساق تک  
 بتنا چلا جائے تو کچھ پروا نہیں۔  
 استبصار ص ۲۶ میں اصل عبارت یوں ہے:  
 عن ابی عبد اللہ علیہ السلام فی الرجل یبول قال ینترہ  
 ثلاثاً ثم ان سال حتی یبلغ الساق فلا یبالی۔  
 عجیب بات ہے کہ اس کے آگے ایک اور روایت ہے جس میں ذکر  
 ہے کہ بعد استبراء اگر ذکر سے کچھ نکلے تو وضو کرنا واجب ہوتا ہے۔  
 صاحب استبصار ان دونوں روایتوں میں اس طرح تطبیق کرتے ہیں  
 کہ دوسری روایت استنجاب پر محمول ہے بالقیہ پر۔  
 میں کتنا ہوں کہ استنجاب پر محمول کرنے سے تو حدیث کے الفاظ انکاری  
 ہیں اور لقیہ پر عمل کرنے سے ائمہ پر ایک بد نما دھبہ لگتا ہے کہ معمولی خوف کے سبب  
 ان کے ائمہ حق کو چھپاتے ہیں۔

## مسئلہ نمبر ۳۹

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے کہ خنزیر کے چمڑے کا ڈول بنا کر کنواں سے پانی نکالنا جائز ہے۔

کتاب من لایحضرہ الفقیہ کے ص ۱۱ میں ہے۔

سئل الصادق علیہ السلام عن جلد الخنزیر یجعل دلو

یستقی بہ الماء فقال لا بأس بہ۔

صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ خنزیر کے چمڑے کا ڈول بنا کر پانی نکالا

جائے یا نہ؟ فرمایا کوئی حرج نہیں۔

## مسئلہ نمبر ۴۰

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے جو من لایحضرہ الفقیہ کے ص ۱۱ میں ہے۔

سئل الصادق علیہ السلام عن جلود المینة یجعل فیہ

اللبن والماء والسمن ما تری فیہ؟ فقال لا بأس یجعل فیہا

ما شئت من ماء اولبن او سمن وتوضا رمنہ وتشراب

ولکن لا تصمل فیہا۔

امام صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ مردار کے چمڑے میں دودھ یا پانی یا گھی

ڈالا جائے تو کیا حکم ہے؟ فرمایا کوئی دُور نہیں چاہے اس میں پانی ڈالو یا دودھ گھی چاہے

اس (پانی) سے وضو کرو اور پیو مگر اس میں نماز نہ پڑھو۔

بحان الشد کیا پاک مذہب ہے! اگر اس میں پانی پینا اور وضو کرنا جائز ہو تو

نماز پڑھنے میں کیا فرق لازم آتا ہے!

»————«

تتم کا شرعی حکم

ہم مسلمانوں کو دیکھتے ہیں کہ جب کوئی مرجاتا ہے تو اس کے ماتم میں شرعی حکم کی پروا نہیں کرتے۔ شریعت کے برخلاف مدتوں ماتم رکھتے ہیں حالانکہ حدیث شریف میں تین دن سے زیادہ سوگ رکھنے کی ممانعت آئی ہے البتہ عورت کو شوہر کے مرجانے پر چار مہینہ دس دن کی اجازت ہے۔ کسی اور کو نہیں۔

## روایت اہل سنت

زینب بنت ابی سلمہ کہتی ہیں کہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئی جب کہ ان کا باپ ابوسفیان بن حرب فوت ہوا تو انہوں نے خوشبو منگو کر استعمال کی اور فرمایا کہ خدا کی قسم مجھے خوشبو کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے منبر پر فرمایا:

لا یحل لامرأة تو من بالله والیوم الآخر ان تحد علی میت

فوق ثلاث الاعلیٰ نواج اشہر وعشرا۔

کسی عورت پر جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتی ہے، حلال نہیں کہ تین دن سے زیادہ میت پر سوگ کرے۔ مگر خاندن پر چار مہینہ اور

دس دن جائز ہے۔

زینب کہتی ہے پھر میں زینب بن جحش کے پاس گئی جب کہ ان کا بھائی فوت ہوا تو انہوں نے بھی خوشبو کی استعمال کی اور یہی فرمایا کہ مجھے کچھ حاجت نہ تھی۔ صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ منبر پر فرماتے ہیں "لا یحل لامرأة" الحدیث بخاری و مسلم،

اسی طرح ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تحدا امرأة علی میت فوق ثلاث الاعلیٰ نواج اشہر

اشہر وعشرا (متفق علیہ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ماتم کا شرعی حکم یہ ہے کہ تین دن سے زیادہ کسی میت پر سوگ نہ کیا جائے۔ البتہ عورت کو شوہر کے مرجانے پر چار ماہ اور دس دن تک سوگ کی اجازت ہے۔ اس سے زیادہ اس کو بھی اجازت نہیں۔ مرد پر ترک لڈائز و ترک زینت اور عورتوں کی طرح سوگ کرنا، شریعت محمدیہ میں ہرگز ثابت نہیں، معلوم ہوا کہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ تین دن کے بعد ماتم ختم کر دیں اور کسی مرد یا عورت کو سوگ کے لیے نہ بیٹھنے دیں۔ الا التی مات زوجھا۔

## روایت شیعہ

شیعہ کی نہایت معتبر کتاب من لایحضرہ الفقیہ کے صفحہ ۳۶ میں حضرت صادق علیہ السلام سے آیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

یس لاحد ان یحد اکثر من ثلثة ایام الامراة علی  
زوجھا حتی تقصنی عدا تھا۔

تہذیب ص ۲۳۸ اور وسائل الشیعہ جلد ۳ ص ۱۶۳ میں محمد بن مسلم سے روایت

ہے:

قال یس لاحد ان یحد اکثر من ثلاث الا المرأة علی  
زوجھا حتی تنقصنی عدا تھا۔

کسی کو جائز نہیں کہ تین دن سے زیادہ سوگ کرے مگر عورت کو اپنے خاوند کی موت پر عدت گزرنے تک سوگ کی اجازت ہے۔

یہ محمد بن مسلم نہایت ثقہ ہیں۔ حضرت امام باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام سے راوی ہیں۔ رجال کشی میں ان کی بہت تعریف ہے۔

اہل سنت و شیعہ صاحبان کو ان متفقہ روایات پر عمل کرنا چاہیے اور ماتم کا وہی طریقہ اختیار کرنا چاہیے جو ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے۔

(واللہ الموفق)

## خاتونِ جنت کو صبر کا حکم

مشکوٰۃ شریف کے صفحہ ۵۶ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کوئی پوشیدہ بات کی تو آپ بہت روئیں۔ پھر آپ نے ان کا حسن معلوم کر کے دوبارہ پوشیدہ بات کی تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہنس پڑیں۔ میں نے دریافت کیا تو انہوں نے نہ بتایا۔ پھر جب حضور کا وصال ہوا تو میں نے پھر دریافت کیا۔ فرمایا اب بتاتی ہوں پہلی بار آپ نے یہ خبر دی تھی کہ جب ریل ہر سال میرے ساتھ قرآن شریف کا ایک بار ورد کیا کرتے تھے۔ اب اس نے میرے ساتھ دو دفعہ ورد کیا ہے۔ میں گمان کرتا ہوں کہ اب موت قریب ہے۔

فائق اللہ واہ صبری

پس اللہ سے ڈرنا اور صبر کرنا

تو میں رو پڑی تھی۔ جب آپ نے میرا رونا دیکھا تو فرمایا تھا: "اے فاطمہ! کیا تو راضی نہیں کہ تو اہل جنت کی تمام بیبیوں کی سردار ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ تو سب اہل بیت سے پہلے میرے پیچھے آئے گی تو میں ہنس پڑی تھی۔ (متفق علیہ)

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ کو صبر کی وصیت فرمائی۔

## روایات شیعہ

حیات القلوب جلد دوم صفحہ ۲۵۲ میں ہے :  
 "حضرت رسول فرمود اے فاطمہ تو کل کن بر خدا و صبر کن چنانچہ صبر کروند پدران تو کہ پیغمبران بودند و مادران تو کہ زہائے پیغمبران

بودند۔

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے فاطمہ خدا پر توکل کرو اور صبر کرو تیرے آباؤ، جو کہ پیغمبر تھے، صبر کرتے رہے اور تیری مائیں جو کہ پیغمبروں کی بیویاں تھیں، صبر کرتی رہیں۔

پھر اسی کتاب کے صفحہ ۶۵۳ میں فرمایا:

”ہاں اے فاطمہ کہ برائے پیغمبر گریبان نمی باید درید و رونمی باید تراشید و او یلانمی باید گفت۔“

اے فاطمہ جان لو کہ پیغمبر کے لیے گریبان نہیں بھارتا چاہیے اور چہرہ نہیں سٹینا چاہیے اور او یلانمی کرنا چاہیے۔

اور صفحہ ۶۵۴ میں ہے:

”ابن بابویہ بسند معتبر از محمد باقر روایت کردہ است کہ حضرت رسول در ہنگام وفات خود بھرت فاطمہ گفت کہ اے فاطمہ چوں میرم رے خود را برائے من مخراش و گیسوے خود را پریشان کن و او یلانگو و برمن نوحہ کن و نوحہ گراں را مطلب۔“

ابن بابویہ معتبر سند سے امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا کہ اے فاطمہ جب میں وصال پاؤں تو میرے لیے اپنے چہرہ پر خراش نہ ڈالنا اور اپنے بال نہ بکھیرنا اور او یلانہ کرنا اور مجھ پر نوحہ نہ کرنا اور نوحہ گروں کو نہ بلانا۔ پھر ایک دو سطر کے بعد لکھا ہے:

”پس حضرت فرمود کہ اے فاطمہ گریہ کن و صبر را پیشہ کن۔“  
پس حضرت نے فرمایا کہ اے فاطمہ رونا نہیں اور صبر کو اختیار کرنا۔



فروع کافی جلد ۲ ص ۲۲۸ میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت  
فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا:

اذا انامت فلا تخشى على وجهها ولا ترخي على شعر اولادنا  
بالويل ولا تقيمي على نائحة

جب میں فوت ہو جاؤں تو منہ نہ پھیلنا، بال نہ نوحنا، واویلا نہ کرنا اور  
نوحہ کرنے والیاں نہ بلانا۔

پھر فرمایا یہی وہ معروف ہے جس کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے۔

المعروف ان لا يشقن جيبا ولا يلطن خدا ولا يدعون  
ويل ولا يتخلفن عند قبر ولا يسودن ثوبا ولا يتسرن شعر  
معرفة یہ ہے کہ نہ گریبان پھاڑیں نہ رخسار پیٹیں نہ واویلا کریں نہ قبر  
کے پاس جمع ہوں نہ کپڑے سیاہ کریں اور نہ بال بھیریں۔

مندرجہ بالا روایات سے معلوم ہوا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ  
رضی اللہ عنہا کو وصیت فرمائی کہ خدا پر بھروسہ رکھیں اور صبر کریں۔ نہ گریبان پھاڑیں نہ منہ  
پھیلیں نہ واویلا کریں نہ اپنے بال بھیریں نہ بین کریں نہ بین کرنے والوں کو بلائیں۔  
ہمارا ایمان ہے اور سب مسلمانوں کا یہی ایمان ہونا چاہیے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا  
نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت پر یقیناً عمل کیا اور آپ کے بعد نہ گریبان  
پھاڑا، نہ پیٹا نہ واویلا کیا نہ نوحہ کیا اور نہ ہی نوحہ گروں کو بلایا۔

لہذا ہمیں بھی اسی وصیت پر عمل کرنا چاہیے۔

## حضرت علی کو صبر کا حکم

حیات القلوب جلد ۲ ص ۶۶۳ میں تلبا باقر مجلسی لکھتے ہیں کہ حضرت امیر المؤمنین  
جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل سے فارغ ہوئے تو:  
جامہ را از روی مبارک دور کرد و گفت پدر و مادرم خدائے تو باد

طیب ذنیک و پاکیزہ بودی در حیات و بعد از موت، و منقطع شد بوفات  
 تو احدے از خلق از پیغمبری و نازل شدن وحی با آسمانی مصیبت اند در  
 تعزیت تو و اگر نہ آن بود کہ امر کردی بصبر کردن و نہی نمودی از جزع نمودن  
 سر آئینہ آبہائے سر خود را و مصیبت تو فرمودی ریختن و ہر آئینہ در او مصیبت تر  
 ہرگز و و انہی کردم لایح،

حضرت علی نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے مبارک سے کپڑا ہٹایا اور  
 عرض کیا میرے ماں باپ قربان آپ زندگی بھر میں اور موت کے بعد بھی پاکیزہ  
 اور طیب ہیں۔

آپ کی وفات سے وہ چیز بند ہو گئی جو کسی پیغمبر کی وفات سے بند نہ ہوتی  
 تھی یعنی نبوت اور وحی کا نازل ہونا۔ آپ کی مصیبت اس قدر عظیم  
 ہے کہ دوسروں کی مصیبت سے ہمیں مطمئن کر دیا۔ آپ کی مصیبت  
 ایک عام مصیبت ہے کہ سب لوگ یکساں دلگیر ہیں۔

اگر آپ صبر کا حکم نہ دیتے اور جزع و فرح سے منع نہ کرتے تو ہم اس  
 مصیبت پر تمام سر کا پانی بہا دیتے اور تیری مصیبت کے درد کی کوئی دوا  
 نہ کرتے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ حضرت علی کو بھی یہی  
 وصیت تھی کہ میری وفات پر جزع و فرح نہ کرنا۔ تو اب سوچنا چاہیے کہ رسول کریم  
 کی وفات پر جزع و فرح کی ممانعت ہے تو کسی اور کی یاد میں رونا پینا کس طرح جائز  
 ہو سکتا ہے؟



# کتاب التراجع

بیس تراویح کے دلائل اور مانعین کے اعتراضات  
کے مسکت جوابات

فقیر اللہوسف محمد شریف بر اور ان اسلام کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ اس زمانہ میں جو کہ زمانہ نبوت سے بہت دور ہے۔ اکثر لوگ عبادت کی کمی کی طرف راغب ہیں اور خواہشات نفس کے طالب ہمیشہ اسی خیال میں رہتے ہیں کہ کسی بہانہ سے عبادت الہی سے سبکدوش ہو جائیں جب کسی گوشہ سے سنتے ہیں کہ فلاں عبادت کا کوئی ثبوت نہیں تو بغیر دیکھے سمجھے جھٹ اسی طرف ہو جاتے ہیں اور عبادت الہی سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ نہیں سمجھتے کہ پہلے اپنے علماء سے اس کی تحقیق تو کر لیں چونکہ ادھر نفس کی خواہش پوری ہوتی تھی۔ اس لیے نہ تحقیق کی ضرورت ہوئی نہ کسی سے دریافت کرنے کی حاجت۔ اپنے علماء کی طرف آنے سے یہ مشکل کہ وہ وہی کہیں گے جو ان کے نفس کے خلاف ہو گا۔ پہلے لوگ انبیاء علیہم السلام کے مقابلہ میں ایسا ہی کیا کرتے تھے جس کا بیان آیت اَنْفُكُمُ وَاَسْتَكْبَرْتُمْ ہے۔

مسلمانوں کی بدقسمتی سے اس زمانہ میں ایک فرقہ پیدا ہو گیا ہے جو اپنے آپ کو اہل حدیث کے نام سے موسوم کرتا ہے۔ وَشَتَّانَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ اَهْلِ الْحَدِيثِ ان کی رات دن یہی کوشش ہے کہ عوام کو مذہب حنفی سے بدظن کیا جائے۔ کبھی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ پر طعن ہے تو کبھی فقہ پر حملہ۔ کبھی سنن و نواہل سے روکا جاتا ہے۔ کبھی جمعہ کو نماز ظہر سے منع کیا جاتا ہے۔ کبھی بیس تراویح کو بدعت کبھی نذر و نیاز سے روکتے ہیں۔ کبھی ایصالِ ثواب سے منع کرتے ہیں۔ عوام ان کے مناظر میں آجاتے ہیں اور اس فرقہ کو قطع سنت مان کر ان کے گرویدہ ہو جاتے ہیں مگر حقیقت میں یہ لوگ حدیثِ نفس کے پیرو ہیں۔ ان کی زبان و قلم سے صحابہ و تابعین و ائمہ مجتہدین تک نہیں بچ سکے۔ دوسرے کی کیا ہستی ہے؟

حضور علیہ السلام کے زمانہ سے اس فرقہ کے وجود تک ایک بھی ایسا شخص نہیں پیدا ہوا جس کے عقائد و عملیات اس فرقہ کے عقائد و عملیات کے موافق ہوں۔ من ادعی فَعَلَيْهِ الْبَيَان۔  
ذاب صدیق حسن نے خطہ ص ۶۷ میں اس فرقہ کا حال لکھا ہے۔

فَوَقَدْ نَبَتَتْ فِي هَذَا الزَّمَانِ فِرْقَةٌ ذَاتُ سَمْعَةٍ وَرِيَاءٍ تَدْعِي لَانْفُسِهَا  
عَلِمَ الْحَدِيثِ وَالْقُرْآنِ وَالْعَمَلِ بِهَا عَلَى الْعِلَاتِ فِي كُلِّ شَأْنٍ مَعَ

انہا لیست فی شیئی من اهل العلم والعمل والعرفان الخ  
 "یعنی اس زمانہ میں ایک فرقہ پیدا ہوا ہے جو ریاکار ہے، حدیث اور قرآن  
 کے علم اور عمل کا مدعی ہے، لیکن نہ وہ اہل علم سے ہے نہ ان میں عمل ہے  
 نہ عرفان"

نماز تراویح کے بیس رکعت کے مسنون ہونے میں صحابہ و تابعین و ائمہ مجتہدین کا  
 اتفاق چلا آتا ہے۔ مشرق و مغرب میں بیس رکعت پڑھی جاتی ہیں حتیٰ کہ داؤد ظاہری بھی بیس  
 کا ہی قائل ہے۔ مگر یہ فرقہ سرے سے تراویح ماننا ہی نہیں کہ تراویح بھی کوئی نماز ہے بلکہ بعض  
 نے بیس رکعت کو بدعت مکھ دیا۔ دیکھو اخبار المحدثین ۲۱ جنوری سنہ ۱۳۰۷ھ ۱۳ دسمبر ۱۹۱۸ء  
 اس لیے ہمیں ضرورت ہوئی کہ مسئلہ تراویح کو مفصل بیان کیا جائے اور بیس رکعت تراویح کے  
 دلائل پر جو مخالفین کی طرف سے اعتراضات وارد ہوتے ہیں سب کا بالاستیعاب جواب دیا  
 جائے۔ پھر آٹھ رکعت والوں کے دلائل کی قلعی کھولی جائے تاکہ ناظرین اسے پڑھ کر محظوظ ہوں  
 اور اس فقیر کے لیے دعا کریں کہ حق سبحانہ و تعالیٰ اس اسلامی خدمت کو قبول فرمائے اور  
 اس کو گناہوں کی بخشش اور دخول جنت کے لیے وسیلہ بنائے۔ آمین!

## وجہ تسمیہ تراویح

نماز تراویح وہ نماز ہے جو کہ نماز عشاء کے بعد نیند سے پہلے پڑھی جاتی ہے اس کو  
 تراویح اس لیے کہتے ہیں کہ اس کی ہر چار رکعت کے بعد صحابہ و تابعین جنہوں نے پہلے اس  
 نماز پر اجتماع کیا آرام کیا کرتے تھے۔ چنانچہ علامہ ابن حجر فتح الباری میں اور زر قانی شرح مؤطا  
 میں۔ علامہ طاہر مجمع البحار میں اور شیخ عبدالحی تعلیق مجدد میں فرماتے ہیں۔

سُمِّيَتِ الصَّلَاةُ جَمَاعَةً فِي نَيْلِي رَمَضَانَ تَرَاوِيحًا لِأَنَّهُمْ أَوَّلُ مَا اجْتَمَعُوا عَلَيْهَا  
 كَانُوا يَسْتَرِيحُونَ بَيْنَ كُلِّ تَسْلِيمَتَيْنِ

مجالس الابرار ص ۱۹۱ میں ہے۔

وَأَنَّ سَمِيَّ بَهْلَانَ الصَّحَابَةَ كَانُوا يَسْتَرِيحُونَ بَيْنَ كُلِّ أَرْبَعٍ رَكَعَاتٍ  
مِنْ أَجْلِ طَوْلِ قِيَامِهِمْ فِي الصَّلَاةِ -

یعنی تراویح کا نام تراویح اس لیے رکھا گیا کہ صحابہ ہر چار رکعت کے بعد بسبب طول قیام کے آرام کیا کرتے تھے۔ اس واسطے ہر چار رکعت کو ترویجہ کہتے ہیں۔ ترویجہ کے معنی ایک دفعہ آرام کرنا۔ تراویح اس کی جمع ہے۔ اس نماز کے نام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نماز آٹھ رکعت نہیں۔ کیونکہ آٹھ رکعت دو ترویجہ ہیں۔ تراویح جمع ہے کم از کم تین ترویجہ پر اس کا اطلاق صحیح ہو سکتا ہے، آٹھ پر حقیقتاً اس کا اطلاق صحیح نہیں۔ بیس رکعت چونکہ پانچ ترویجہ ہوتے ہیں اس لیے بیس رکعت پر تراویح کا اطلاق حقیقتاً صحیح ہے۔

## تراویح کا یہ نام کب سے شروع ہوا

احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ زمانہ تابعین میں یہ نام عام مشہور تھا۔ چنانچہ ابو الخضیب تابعی سوید بن غفلہ سے جو کہ کبار تابعین میں سے تھے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن کے دن مدینہ شریف تشریف لائے تھے۔ روایت کرتے ہیں کہ ہمیں سوید بن غفلہ رمضان شریف میں پانچ ترویجہ (بیس رکعات) نماز پڑھایا کرتے تھے۔ (آثار السنن بحوالہ بیہقی) اسی طرح علی بن ربیعہ تابعی سے سعید بن عبید روایت کرتے ہیں کہ وہ پانچ ترویجہ رمضان میں پڑھایا کرتے تھے۔

نواب صدیق حسن مسک الختم ص ۵۴۲ جلد اول میں اس نام کا اصل ایک حدیث مرفوعہ سے لکھتے ہیں۔ اُن کے الفاظ یہ ہیں۔

”وَتَسْمِيَةُ بِرِثْرَاوِيْحٍ كَوَيْلًا مَا خُوذَ اسْتِ ازْ حَدِيْثِ مَا لَشْرَاحِ صَنِى اللّٰهُ عِنَّمَا كَقَوْلِ بُوْرِسُوْلِ  
خَدِصَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَقَوْلِهِ كَقَوْلِهِ رَكْعَتٌ وَرَشْبٌ لِّسْ تَرُوْحٌ مِيْكَرٌ وَالْحَدِيْثُ  
اَخْرَجَهُ الْبِيْهَقِيُّ وَقَالَ تَفَرَّدَ بِهِ الْمَغِيْرَةُ بِنِ زِيَادٍ وَلَيْسَ بِالْقَوِيْ فَاَنْ  
ثَبِتَ فَهِيَ اَصْلُ فِي تَرُوْحِ الْاِمَامِ فِي الصَّلَاةِ التَّرَاوِيْحُ“

کہ اس نماز کا نام تراویح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے ماخوذ ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو چار رکعت نماز پڑھ کر آرام فرمایا کرتے تھے بہت ہی کتے ہیں کہ اس حدیث میں مغیرہ بن زیادہ منقول ہیں اور قوی نہیں اگر ثابت ہو جائے تو یہ حدیث نماز تراویح میں امام کے ترویج یعنی آرام کرنے کے ثبوت میں اصل ہے۔

میں کہتا ہوں کہ مغیرہ بن زیادہ کو ابن معین نے لا باس بہ فرمایا۔ وکیع نے ثقہ کہا ابن عدی نے عندی لا باس بہ فرمایا نسائی نے بھی لیس بہ باس کہا ابو داؤد نے صالح فرمایا (دیکھو میزان) پھر حدیث کے قابل حجت ہونے میں کیا کلام؟

معلوم ہوا کہ چار رکعت کے بعد حضور علیہ السلام کے آرام کرنے سے اس نماز کا نام تراویح ہوا یہ نام آج کسی کا ایجاد کردہ نہیں۔ رقیام اللیل میں ورتقا، بن ایاس حبیب بن ابی عمرو عمران بن حدیر ذکوان جرشی وغیرہم سے یہ نام منقول ہے۔ پس جو لوگ اس نام کو اصطلاح فقہاء حنفیہ کہتے ہیں اور چار رکعت پر ترویج کو خلاف سنت کہتے ہیں۔ ان کا قول سراسر غلط ہے۔

## تراویح کا ثواب

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔  
مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ (متفق علیہ)  
”جو شخص ایمان اور طلب ثواب کے ساتھ رمضان کا قیام کرے اس کے پہلے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔“

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں بحوالہ نسائی و احمد وغیرہما اس حدیث میں لفظ مَا تَأَخَّرَ بھی نقل کیا ہے۔ یعنی تراویح پڑھنے سے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔ اس حدیث میں نماز تراویح کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ امام نووی نے شرح صحیح مسلم میں اس حدیث کی شرح میں قیام رمضان سے مراد نماز تراویح لکھا ہے۔ کرمانی نے بھی ایسا ہی فرمایا ہے لیکن کبھی

قیام رمضان سے رمضان شریف کی تجدید یا دیگر اذکار و ادعیہ بھی مراد ہوتا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے۔

ظَاهِرُهُ يَتَنَاوَلُ الصَّغَائِرَ وَالْكِبَائِرَ۔

اس حدیث کا ظاہر چھوٹے بڑے دونوں قسم کے گناہوں کو شامل ہے؛ یعنی سب صغائر و کبائر معاف ہو جاتے ہیں۔ ابن منذر نے اسی پر ہزیم کیا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ صغائر تو بخشے جاتے ہیں اور کبائر کی بخشش کی امید ہے۔  
(مرقاۃ ص ۱۶۹ جلد ۱)

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرَ رَمَضَانَ فَفَضَّلَهُ عَلَى الشُّهُورِ وَقَالَ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا خَرَجَ مِنْ ذُنُوبِهِ كَيَوْمٍ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ۔

عبدالرحمن بن عوف کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان شریف کا ذکر کیا اور دوسرے مہینوں پر اسے فضیلت دی اور فرمایا کہ جو شخص رمضان کی راتوں کا قیام کرے ایمان اور طلب ثواب کے لیے وہ اپنے گناہوں سے ایسے نکل جاتا ہے یعنی پاک ہو جاتا ہے جیسے اس دن کہ اس کی والدہ نے اس کو جنائنی جس طرح اپنی ولادت کے دن گناہوں سے پاک پیدا ہوتا ہے اسی طرح گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔  
معلوم ہوا کہ تراویح پڑھنے کا بڑا ثواب ہے۔

## نماز تراویح سنت ہے

جاننا چاہیے کہ سنت اس کام کو کہتے ہیں جس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے صحابہ نے مع التکر احیاناً مواظبت فرمائی ہو اور مواظبت دو قسم کی ہے فعلی و تشریحی۔  
فعلی وہ فعل ہے جس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مواظبت فرمائی ہو مثلاً سنن واتب تشریحی وہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے اس فعل کی تشریح پر مواظبت فرمائی ہو۔ اس کا امر



کیا ہو اس کی ترغیب دی ہو مثلاً اذان نماز کہ بالاتفاق سنت موکدہ ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بہ نفس نفیس ایک بار بھی اذان نہیں دی۔

اسی طرح خلفاء راشدین کی مواظبت بھی دو قسم ہے فعلی و تشریعی یہ چاروں موجب سنیت ہیں جس کا تارک گنہگار ہے۔ تراویح اسی قسم سے ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نماز کی ترغیب دی۔ خود بھی پڑھی خلفاء راشدین کی مواظبت اگر فعلی ثابت نہ ہو تو تشریعی میں کوئی کلام نہیں۔ لہذا ثابت ہوا کہ تراویح سنت ہے۔ حدیث میں اس کی تصریح بھی آئی ہے ابن ماجہ نسائی میں عبد الرحمن بن عوف سے روایت ہے کہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان شریف کا ذکر کیا اور فرمایا۔

شَهْرُ كَتَبَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ صِيَامَهُ وَسُنَّتُكُمْ قِيَامَهُ۔

یہ ایسا مہینہ ہے کہ اس کے روزے اللہ نے تم پر فرض کیے اور اس کا قیام (تراویح) میں نے تمہارے لیے سنت کیا۔

اور وہ حدیث جس میں تین دن آپ کا تراویح باجماعت پڑھنا آیا ہے۔ پھر تو تھے روز آپ نہ نکلے اور صبح کو فرمایا کہ میں ڈر گیا کہ یہ نماز تم پر فرض (نہ) ہو جائے (بخاری) اس سے بھی معلوم ہوا کہ نماز تراویح فرض نہیں سنت ہے۔

## تراویح کا وقت

نماز عشاء کے بعد ہے

متفقی الاخبار میں ہے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

كَانَ النَّاسُ يُصَلُّونَ فِي الْمَسْجِدِ فِي رَمَضَانَ بِاللَّيْلِ أَوْ زَائِعًا يَكُونُ مَعَ الرَّجُلِ شَيْءٌ مِنَ الْقُرْآنِ فَيَكُونُ مَعَهُ النَّفْرُ الْخَمْسَةُ أَوِ السَّبْعَةُ أَوْ أَقْلٌ مِنْ ذَلِكَ أَوْ أَكْثَرُ يُصَلُّونَ بِصَلَوَاتِهِ تَأْتَتْ نَاهِرَ نِي رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نُصِبَ لَهُ حَصِيرًا عَلَى بَابِ حُجْرَتِي فَفَعَلْتُ نَخْرَجُ إِلَيْهِ بَعْدَ أَنْ صَلَّى عِشَاءَ الْآخِرَةِ فَاجْتَمَعَ إِلَيْهِ مَنْ فِي الْمَسْجِدِ فَصَلَّى بِهِمْ

وَذَكَرَتِ الْقِصَّةَ بِعُنَى مَا تَقَدَّمَ غَيْرَ أَنَّ فِيهَا أَنَّهُ لَوْ خُرِجَ إِلَيْهِمْ  
فِي اللَّيْلَةِ الثَّانِيَةِ (رواه احمد)

کہ لوگ رمضان شریف میں رات کے وقت مسجد میں الگ الگ نماز پڑھتے تھے کسی  
کے ساتھ پانچ کسی کے ساتھ کم یا زیادہ آدمی ہوتے تھے جو ایک ایک امام کے پیچھے تراویح پڑھتے  
تھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ میں ان  
کے لیے اپنے حجرہ کے دروازہ پر ایک چٹائی کھڑی کروں میں نے ایسا کیا تو آپ عشا کی نماز  
پڑھ کر اس کی طرف نکلے جتنے لوگ مسجد میں تھے سب جمع ہو گئے تو آپ نے ان کو نماز  
(تراویح) پڑھائی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام نے نماز عشاء کے بعد تراویح پڑھائی  
یہی اس کا وقت ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی صحابہ  
کرام یہ نماز باجماعت پڑھتے تھے۔

## تراویح باجماعت مسجد میں

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز تراویح کو باجماعت مسجد میں ادا فرمایا پانچ حدیث  
میں آیا ہے۔

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ لَيْلَةَ مِنْ جَوْبِ اللَّيْلِ  
فَصَلَّى فِي الْمَسْجِدِ وَصَلَّى رِجَالٌ بِصَلَاتِهِ نَاصِحَ النَّاسِ نَتَحَدَّثُ ثَوًّا فَاجْتَمَعَ  
أَكْثَرُ مِنْهُمْ فَصَلَّى فَصَلُّوا مَعَهُ (رواه البخاری عن عائشہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات کو میانہ  
شب میں نکلے اور آپ نے مسجد میں نماز پڑھی چند آدمیوں نے آپ کی نماز کے ساتھ مل کر  
نماز ادا کی صبح ان لوگوں نے (رات کا واقعہ) بیان کیا تو دوسری شب کو بہت لوگ جمع  
ہو گئے اور حضور علیہ السلام کے ساتھ انہوں نے نماز پڑھی (آخری حدیث تک)  
اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا اور یہ واقعہ رمضان شریف میں تھا جیسے کہ دوسری

روایت میں اُس کی تصریح ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز تراویح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں باجماعت ادا فرمائی۔

رَوَى عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَبْدِ الْقَارِيِّ أَنَّهُ قَالَ خَرَجْتُ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَيْلَةَ فِي رَمَضَانَ إِلَى الْمَسْجِدِ فَإِذَا النَّاسُ أَوْزَاعٌ مُتَفَرِّقُونَ يَصِلُ الرَّجُلُ لِنَفْسِهِ وَيَصِلُ الرَّجُلُ فَيَصِلُ بِصَلَاتِهِ الرَّهْطُ فَقَالَ عُمَرُ إِنِّي أَرَى لَوْ جُمِعَتْ هَؤُلَاءِ عَلَى قَارِيٍّ وَاحِدٍ لَكَانَ أَمْثَلُ ثُمَّ عَزَمَ مَجْمَعَهُمْ عَلَى أَبِي بِنِ كَعْبِ الْمَدِينِيِّ - (رواه البخاری)

عبدالرحمن بن عبدالقاری فرماتے ہیں کہ میں رمضان شریف کی رات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مسجد کی طرف نکلا (وہاں دیکھا) کہ لوگ جدا جدا کوئی اکیلا نماز پڑھتا ہے کسی کے ساتھ جماعت تھی یعنی بعض اکیلے پڑھتے تھے بعض الگ الگ جماعتوں سے پڑھتے۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ میں دیکھتا ہوں۔ اگر ان لوگوں کو ایک قاری پر جمع کروں۔ تو بہتر ہو پھر آپ نے قصد کیا اور ابی بن کعب پر جمع کیا۔ آخر حدیث تک اس کو بخاری نے روایت کیا۔ اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ لوگ نماز تراویح مسجد میں پڑھتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی مسجد میں ہی ان کو ابی بن کعب کے پیچھے جمع کیا جس سے تراویح کا مسجد میں باجماعت پڑھنا ثابت ہوا۔ (اللہ الحمد)

کیا تراویح و تہجد دو الگ الگ نمازیں ہیں؟ | سے پہلے رمضان شریف میں جو نماز

پڑھی جائے اُسے تراویح کہتے ہیں اور جو سونے کے بعد نفل پڑھے جائیں اُسے تہجد کہتے ہیں رمضان ہو یا نہ ہو۔ اسی طرح صلوة اللیل یا قیام اللیل بھی تہجد کا نام ہے۔ مگر کبھی تراویح پر بھی بولا جاتا ہے اور قیام رمضان تراویح کا نام ہے۔ کبھی رمضان کی تہجد پر بھی بولا جاتا ہے۔ قیام رمضان و تراویح میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے۔ ہر تراویح پر قیام رمضان صادق آتا ہے۔ لیکن ہر قیام رمضان پر تراویح صادق نہیں۔

چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ص ۳۱۵ جز ۸ میں فرماتے ہیں۔

ذَكَرَ النَّوْصَىٰ أَنْ الْمُرَادَ بِقِيَامِ رَمَضَانَ صَلَاةَ التَّرَاوِيحِ بِعَيْنِي أَنْ يَحْصَلَ

بِهَا الْمَطْلُوبُ مِنَ الْقِيَامِ لِأَنَّ قِيَامَ رَمَضَانَ لَا يَكُونُ إِلَّا بِهَا۔

نومی نے جو ذکر کیا ہے کہ قیام رمضان سے مراد تراویح ہے۔ اس کا مطلب

یہ ہے کہ تراویح پڑھنے سے قیام رمضان جو کہ مطلوب ہے حاصل ہو جاتا ہے یہ مطلب نہیں

کہ قیام رمضان بجز تراویح ہو نہیں سکتا۔

اب ہم چند ایسے امور بیان کرتے ہیں جن سے ثابت ہو جائے گا کہ تراویح اور تہجد دونوں

جد اجدا نمازیں ہیں۔ اگرچہ منکر انجاد کے ذمہ دلیل نہیں ہے۔

(۱) نماز تہجد قبل از فرضیت صلوٰۃ خمسہ قبل از ہجرت مکہ معظمہ میں شروع ہوئی اور نماز تراویح

بعد از ہجرت بعد فرضیت نماز پنجگانہ مدینہ طیبہ میں شروع ہوئی تاریخ مشروعیت سے معلوم ہوا

کہ یہ نمازیں دو لو جد اجدا ہیں۔

(۲) تہجد کا حکم سورہ منزل میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تراویح کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

مسنون فرمایا۔

الْبُودَاؤُودُ كِيْ اِيْكَ طَوِيْلٍ حَدِيْثٍ فِيْ حَضْرَتِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا سَمِعْتُ سَمِيْعَ بْنَ مَرْثَدَةَ يَقُوْلُ سَمِعْتُ

مَجِيْعَ قِيَامِ بَيْتِ (تہجد) بِيَانِ كَرُوْا اِيْكُمْ نَبِيُّكُمْ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ رَمَضَانَ۔

اَلْسِتْ تَقْرَأُ يَا اَيُّهَا الْمُرْسَلُ قَالَ قُلْتُ بَلَىٰ قَالَتْ فَاِنَّ اَوَّلَ هٰذِهِ السُّوْرَةِ

نَزَلَتْ فِقَامِ اصْحَابِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى اِنْتَحَفَتْ

اِقْدَامُهُمْ وَحُبِسَ خَاتِمَتُهَا فِي السَّمَاءِ اِثْنَيْ عَشَرَ شَهْرًا ثُمَّ نَزَلَ اٰخِرُهَا

فَصَارَ قِيَامُ الْبَيْتِ قَطُوْعًا بَعْدَ فَرِيْقَتِهِ۔ اس حدیث کو محمد بن نصر مروزی

نے قیام البیت ص ۳ میں روایت کیا۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ سورہ منزل کا اول جب نازل ہوا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے

یہاں تک قیام کیا کہ ان کے قدم پھول گئے۔ ایک سال کے بعد اس کا آخری حصہ نازل ہوا

تو فرض ہونے کے بعد تہجد بطور نفل مشروع ہوئی۔

تراویح کے متعلق حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

سَنَنْتُ لَكُمْ قِيَامَهُ -

میں نے اس کا قیام تم پر سنت کیا - (ابن ماجہ)  
معلوم ہوا کہ تہجد اور ہے اور تراویح اور ورتہ اس کی سنیت کو اپنی طرف منسوب کرنا کیا  
مفہم رکھتا ہے۔ تہجد تو پہلے ہی شروع تھی۔

(۳) تراویح ماہ رمضان میں خاص ہے۔ اور تہجد کسی مہینہ کے ساتھ مخصوص نہیں اس سے  
بھی معلوم ہوا کہ یہ دونوں الگ الگ نمازیں ہیں۔

(۴) تراویح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اول شب میں پڑھی۔ چنانچہ آپ کی تراویح کی  
نماز پہلی شب تہانی رات تک دوسری شب آدھی رات تک تیسری شب بحر می تک ابو داؤد  
میں آیا ہے اور تہجد میں حضور علیہ السلام کی عادت تشریفہ اخیر شب میں پڑھنے کی تھی۔ بخاری شریف  
میں حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔

كَانَ يَنَامُ أَوَّلَهُ وَيَقُومُ الْآخِرَةَ -

کہ حضور علیہ السلام کی رات کی نماز اسی طرح تھی کہ اول شب میں سو جاتے تھے اور  
آخر شب میں قیام فرماتے تھے۔

صحیح مسلم کی روایت میں إِذَا سَمِعَ الصَّارِخَ قَامَ فَسَلَّى آيَا هِيَ كَأَنَّ مَرْغَ كِي آوَا  
سُن كَرَأَطْتَهُ وَأَوَّلَهُ تَهْجِدُ پڑھتے۔

مولوی ثناء اللہ امرتسری نے اخبار اہل حدیث، ۱۷ شوال ۱۳۹۷ھ میں فتویٰ دیا ہے کہ  
اول شب میں تہجد نہیں ہوتی۔

ابوطالب مکی رحمہ اللہ قوت القلوب ج اول کے ص ۲۱ میں لکھتے ہیں۔

وَلَا يَكُونُ التَّهْجِدُ إِلَّا بَعْدَ النَّوْمِ -

کہ تہجد نیند کے بعد ہوتی ہے پہلے نہیں ہوتی۔

حجید الزمان نزل الابراہیم ص ۱۲۶ جلد اول میں لکھتا ہے۔

وَالتَّهْجِدُ مَا كَانَ بَعْدَ النَّوْمِ -

کہ تہجد وہ ہے جو نیند کے بعد ہو۔

علامہ شامی روالختار ص ۵۰۵ میں لکھتے ہیں۔

انه في الاصطلاح التطوع بعد النوم۔

کہ تہجد اصطلاح میں نیند کے بعد نفل پڑھنے کو کہتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام نے جو رمضان شریف میں اول شب میں نماز پڑھی تھی۔ وہ

تہجد تھی مثبت ما قلنا۔

(۵) آپ تہجد ہمیشہ اکیلے پڑھتے تھے کبھی بتداعی یعنی بلا کرب جماعت نہیں کرائی۔ کوئی خود بخود آ

کھڑا ہوتا ہو۔ لیکن تراویح میں بتداعی جماعت کرائی۔

چنانچہ البوداؤد وغیرہ میں آیا ہے۔

جَمَعَ أَهْلَهُ وَنِسَاءَهُ وَالنَّاسَ۔

کہ آپ نے اپنے اہل کو اور عورتوں کو اور لوگوں کو جمع کیا اور ترک جماعت کا غدر بھی

بیان کر دیا۔

جس سے معلوم ہوا کہ تہجد جدا ہے اور تراویح جدا۔

(۶) تہجد کے لیے آپ نے تمام رات قیام نہیں کیا خود حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔

لَا أَعْلَمُ قَرَأَ الْقُرْآنَ كُلَّهُ فِي لَيْلَةٍ إِلَى الصُّبْحِ (مسلم)

کہ مجھے معلوم نہیں کہ آپ نے ایک رات میں سارا قرآن پڑھا ہو یا ایک رات صبح

تک نماز تہجد پڑھی ہو لیکن تراویح میں تیسری رات اخیر سحری تک نماز پڑھنا ثابت ہے۔

دیکھو البوداؤد اس سے بھی معلوم ہوا کہ یہ نمازیں الگ الگ ہیں۔

(۷) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تراویح کی جماعت کو دیکھ کر پسند فرمایا اور کہا۔

وَالَّتِي نَنَامُونَ عَنْهَا أَفْضَلُ مِنَ الَّتِي تَقُومُونَ (بخاری)

یعنی وہ نماز جس سے تم سو جاتے ہو یعنی تہجد افضل ہے۔ اس نماز سے جس کو تم پڑھ

لیتے ہو (یعنی تراویح)

معلوم ہوا کہ تراویح اور تہجد جدا جدا نمازیں ہیں۔

(۸) دارقطنی جلد اول کے ص ۲۲۸ میں عکرمہ سے روایت ہے کہ لوگوں نے رمضان شریف

کے چاند کے بارہ میں شک کیا۔ تو انہوں نے ارادہ کر لیا نہ روزہ رکھیں نہ تراویح پڑھیں۔ ایک اعرابی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا۔ اس نے شہادت دی کہ میں نے چاند دیکھا ہے۔ حضور علیہ السلام نے اُسے فرمایا کیا تو گواہی دیتا ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس نے کہا ہاں اور اس نے چاند دیکھنے کی گواہی دی حضور علیہ السلام نے بلال کو حکم فرمایا کہ منادی کر دو کہ تراویح پڑھیں اور روزہ رکھیں اس حدیث کو بہتی عکرمہ سے اس نے ابن عباس سے مسند روایت کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ تراویح اور تہجد الگ الگ ہیں۔ تراویح تو رمضان سے خاص ہے جب چاند کے طلوع میں شک ہو تو صحابہ نے ارادہ کر لیا کہ نہ تراویح پڑھیں نہ روزہ رکھیں۔ اگر تراویح اور تہجد ایک ہوتی تو طلوع میں شک ہونے سے عدم قیام کا ارادہ نہ کرتے کیونکہ تہجد رمضان شریف کے ساتھ مخصوص نہ تھی۔

(۹) اگر تراویح اور تہجد ایک ہی چیز ہے۔ پھر آٹھ رکعت کو کیوں سنت کہا جاتا ہے؛ چار رکعت چھ رکعت۔ دس رکعت بھی سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں پھر کیوں دس رکعت چار چھ رکعت کو سنت نہیں کہا جاتا معلوم ہوا کہ تراویح اور تہجد اور وہو المقصود۔ (۱۰) اگر تراویح و تہجد ایک ہی چیز ہے تو بن محمدین نے تصریح کی ہے کہ تراویح کی تعداد صحیح حدیث سے ثابت نہیں اس کے کیا معنی؛ مصابیح میں سیوطی نے ایسا ہی لکھا ہے۔ زکشی اور سبکی نے بھی ایسا ہی فرمایا بلکہ ابن تیمیہ نے بھی یہی لکھا ہے۔ دیکھو مرقاة شرح مشکوٰۃ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تہجد الگ ہے اور تراویح الگ۔ تہجد کی تعداد تو احادیث صحیحہ سے ثابت ہے لیکن تراویح کی تعداد ان کے نزدیک ثابت نہ ہوئی۔ اس لیے انہوں نے انکار لکھ دیا۔

ہم ناظرین کے مزید اطمینان کے لیے موجودہ مدعیان عمل بالحدیث کے پیشوا مولوی نذیر حسین وہبوی کی عملی شہادت پیش کرتے ہیں جس سے ہمارے دعویٰ کی تائید ہوتی ہے۔  
آبجیات بعد المات کے ص ۱۳۸ میں لکھا ہے۔

لیالی رمضان المبارک میں دو ختم قرآن مجید کا بحالت قیام ہر سال سنتے ایک تو نماز

عشاء کے بعد تراویح میں جس کے امام تھے۔ حافظ احمد عالم دوسرا ختم سنتے نماز تہجد میں جس کے امام ہوتے حافظ عبدالسلام انتہی اہل حدیث ۴۴ فروری ۱۳۳۵ھ میں بھی ایسا ہی ہے۔  
**مولوی ثناء اللہ کا فتویٰ** کیا نماز تہجد کی تعریف میں یہ داخل ہے کہ بعد نیند اٹھ کر پڑھے اور تراویح میں یہ نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اول وقت جماعت تراویح سے بہتر ہے اس سے امکانی طور پر دو نمازوں کا ثبوت ہوتا ہے یعنی اول شب کی تراویح ہوگی۔ آخری وقت کی تہجد اہل حدیث ۲۰ اپریل ۱۳۵۷ھ ص ۱۱۔

اس تحقیق سے کما حقہ ثابت ہو گیا کہ نماز تراویح اور ہے اور نماز تہجد اور ہے۔

**سوال:** کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح پڑھ کر تہجد بھی پڑھی ہے۔

**جواب:** جن راتوں میں آپ نے تراویح پڑھیں وہ عشرہ اخیرہ رمضان تھا جیسے کہ ابو ذر کی حدیث میں آیا ہے جس کو ابو داؤد نے روایت کیا ہے اور قیام اللیل کے ص ۸۹ میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔ عشرہ اخیرہ میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی جیسا کہ مسلم شریف ص ۳۶۲ ج ۱ میں حدیث ہے۔

عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت کان رسول اللہ صلی علیہ وسلم إذا دخل العشر الحیی اللیل۔

کہ جب عشرہ آتا تو آپ ساری رات جاگتے اور اپنے اہل کو بھی جگاتے اور یہ بھی مفصل ذکر ہو چکا ہے کہ تہجد وہ نماز ہے جو بعد نیند اٹھ کر پڑھے۔

قیام اللیل ص ۱ میں علقمہ اور اسود سے منقول ہے کہ ان دونوں نے فرمایا۔  
 إِنَّمَا التَّهَجُّدُ بَعْدَ نَوْمَةٍ تَهَجُّدٌ بَعْدَ نَيْدٍ كَمَا هُوَ  
 اسی طرح عمر بن غزیرہ انصاری نے فرمایا۔

يَحْسِبُ أَحَدُكُمْ أَنَّهُ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلَّى حَتَّى يُصْبِحَ أَنَّهُ تَدُّ  
 تَهَجُّدًا إِنَّمَا التَّهَجُّدُ الصَّلَاةُ بَعْدَ رُقْدَةٍ تَوَّ الصَّلَاةُ بَعْدَ رُقْدَةٍ تَوَّ الصَّلَاةُ  
 بَعْدَ رُقْدَةٍ فَتِلْكَ كَانَتْ صَلَاةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔



کیا گمان کرتا ہے۔ ایک تمہارا یہ کہ جب رات کو اٹھ کر نماز پڑھے۔ یہاں تک کہ صبح  
 کروے کہ اُس نے تہجد ادا کی نہیں تہجد نیند کے بعد نماز ہے۔ پھر نیند کے بعد نماز ہے۔ یہی  
 نماز رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی (یعنی بخاری ص ۶۲۶ جلد ۳۔ و قیام اللیل ص ۱،  
 علامہ شامی نے رد المحتار ص ۵۰۵ میں بحوالہ معجم طبرانی یہی حدیث بروایت حجاج بن عمر  
 رضی اللہ عنہ نقل کی ہے۔

ابن حجر نے تلخیص میں بحوالہ ابن خثیمہ یہی حدیث لکھی اور کہا۔  
 اسنادہ حسن کہ اس کی سند اچھی ہے۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ عشرہ اخیر میں آپ ساری ساری رات جاگتے تھے اور یہ بھی  
 ثابت ہو گیا کہ تہجد وہ نماز ہے جو بعد نیند کے پڑھے تو پھر آپ تہجد کیسے پڑھتے تہجد تو سونے  
 کے بعد ہوتی ہے۔

**سوال:** سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز تراویح کتنی رکعت ثابت ہے؟

**جواب:** اس سوال کا جواب سمجھنے سے پہلے یاد رکھنا چاہیے کہ احادیث رسول کریم صلی  
 اللہ علیہ وسلم کا ذخیرہ جو امام اعظم رحمۃ اللہ ودیگر ائمہ کے وقت تھا وہ آج مفقود ہے۔ ایک  
 امام بخاری علیہ الرحمۃ کو یہی دیکھو کہ چھ لاکھ حدیث ان کو یاد تھی۔ دیکھو مقدمہ فتح الباری ص ۵ و  
 ص ۵۶ جن سے انہوں نے صحیح بخاری کو انتخاب کیا وہ خود فرماتے ہیں کہ میں نے کئی صحیح  
 حدیثیں چھوڑ دیں تاکہ کتاب طویل نہ ہو جائے۔ (مقدمہ ص ۱) لیکن آج ہمارے سامنے ہزار  
 حدیث سے زیادہ موجود نہیں کتب حدیث کئی ایسی ہیں جن کے نام کتابوں میں ملتے ہیں مگر وہ  
 کتابیں نہیں ملتیں اور جو ملتی ہیں وہ بھی کئی ایسی ہیں جو ابھی تک طبع نہیں ہوئیں کسی کسی کتب خانہ  
 میں قلمی موجود ہیں اور جو موجود ہیں وہ بھی ہر ایک عالم کے زیر نظر نہیں۔ بسا اوقات حدیث  
 کتابوں میں موجود ہوتی ہے اور وہ کتاب بھی ایک عالم کے پاس ہوتی ہے۔ مگر اس حدیث کا  
 اسے علم نہیں ہوتا تو اس حالت میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے کسی مسئلہ کو بے دلیل سمجھنا کیسے صحیح  
 ہو سکتا ہے؟ جو ذخیرہ احادیث کا امام اعظم رحمۃ اللہ کے زمانہ میں موجود تھا۔ یا کم از کم جو امام بخاری  
 کے وقت میں تھا۔ اگر آج ہمارے سامنے ہو پھر اس میں امام صاحب کے مسئلہ کی دلیل نہ ملے۔

تو ہو سکتا ہے کہ ہم اُسے دلیل کہیں لیکن آج جب کہ تمام ذخیرہ احادیث ہمارے سامنے نہیں تو ہم کیسے دلیل کہہ سکتے ہیں پھر بھی امام صاحب کے دلائل موجودہ کتب حدیث میں ملتے ہیں سنئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی امر کے ثابت ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وہ امر حدیث مرفوع سے ثابت ہو۔

حدیث مرفوع دو قسم ہے مرفوع حقیقتاً اور مرفوع حکماً۔  
مرفوع حقیقتاً تو ظاہر ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول فعل تقریر کو کہتے ہیں۔  
مرفوع حکماً وہ صحابی کا قول فعل ہے جس میں رائے و اجتہاد کا دخل نہ ہو۔  
شرح تجلید ۶ میں ہے۔

مثال المرفوع من القول حکماً لا تصرفاً ما يقول الصحابي الذي له

ياخذ عن الاسر ائلیات مالا مجال للاجتها وفيه الخ۔

یعنی جو صحابی اسرا کی روایات نہ لیتا ہو اس کا ایسا قول جس میں اجتہاد کا دخل نہیں حکماً مرفوع ہوتا ہے۔

ومثال المرفوع من الفعل حکماً ان يفعل الصحابي مالا مجال للاجتها و

فيه فينزل على ان ذلك عندا عن النبي صلى الله عليه وسلم۔

یعنی صحابی کوئی ایسا کام کرے جس میں اجتہاد کا دخل نہ ہو تو وہ فعل حکماً مرفوع ہوگا یہ ایسا سمجھا جائے گا کہ اس صحابی کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کام کا علم ہو چکا ہے۔  
اب سوال کا جواب سنئے۔ حدیث مرفوع کی دونوں قسموں سے پندرہ رکعت تراویح کا پڑھنا ثابت ہے اور اس کا خلاف یعنی اٹھ رکعت صحیح ثابت نہیں۔

وہ حدیث ہے جس کو ابن شیبہ نے اپنے مصنف میں مرفوع حقیقتاً روایت کیا ہے۔

۱۷۱۱۔ الحدیث ۳۰ جون ۱۹۲۳ء میں لکھا ہے۔ سنت شریعت کا وہ کام ہے جس کا ثبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پایا جائے خواہ وہ حقیقتاً ہو یا حکماً۔ ۱۷۱۱ منہ۔

حدثنا يزيد بن هارون قال اخبرنا ابراهيم بن عثمان عن الحكم عن  
مقسم عن ابن عباس ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان  
يُصَلِّي فِي رَمَضَانَ عَشْرِينَ رَكْعَةً وَالْوُتْرَ -

ابن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان شریف میں بیس رکعت  
تراویح اور وتر پڑھا کرتے تھے۔

اس حدیث کو عبد بن حمید نے اپنے مسند میں اور طبرانی نے معجم میں اور بیہقی نے سنن  
میں روایت کیا ہے۔ یہ حدیث بیس رکعت تراویح کے مسنون ہونے پر ظاہر ہے۔

البتہ اس پر اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس میں  
**اعتراض** ابراہیم بن عثمان ہیں جن کو محدثین نے ضعیف کہا ہے اور یہ حدیث  
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے معارض بھی ہے۔ اس کا جواب کئی وجہ سے ہے۔  
**پہلا جواب:** محدثین کا اصول ہے کہ جرح مبہم معتبر نہیں۔

واجب مسلم بسويد بن سعيد وجماعة اشتموا الطعن فيهم وهكذا  
فعل ابوداؤد البجستاني وذلك دال على انهم ذهبوا الى ان الجرح لا  
يثبت اذا سوسببه -

یعنی مسلم نے سويد بن سعيد اور ایک ایسی جماعت کے ساتھ حجت پکڑی ہے جن  
میں طعن مشہور ہے۔ اسی طرح ابوداؤد سجستانی نے کیا۔ ثابت ہوا کہ جرح مبہم ثابت نہیں۔  
اس سے معلوم ہوا کہ یہ محدثین اس طرف گئے ہیں کہ جرح جب تک مفسر نہ ہو ثابت  
نہیں ہوتی۔ نووی نے تقریب میں اسی کو صحیح کہا شرح صحیح مسلم میں فرمایا۔

لا يقبل الجرح الا مفسرا مبين السبب - انتهى -

یعنی جرح وہی قبول کی جائے گی جو مفسر ہو جس کا سبب بیان کیا گیا ہو۔  
اب ہم دیکھتے ہیں کہ ابراہیم بن عثمان کے حق میں محدثین نے کوئی جرح مفسر بھی کی  
ہے یا نہیں جہاں تک محدثین کے اقوال میری نظر سے گزرے ہیں کسی میں جرح مفسر نہیں  
البتہ میزان میں شعبہ نے مبین السبب جرح کی ہے کہ ابوشیبہ نے حکم سے اس نے ابن ابی

یعنی اسے روایت کی ہے کہ جنگ صفین میں تتر بدری حاضر ہوئے تھے شعبہ فرماتے ہیں کہ ابو شیبہ نے جھوٹ کہا۔ میں حکم کے ساتھ اس بات کا تذکرہ کیا۔ صفین میں تو اہل بدر میں سے بجز خزیمہ کوئی حاضر نہ تھا۔ معلوم ہوا کہ شعبہ نے اس لیے ابو شیبہ پر جرح کی کہ اس نے ستر بدریوں کی صفین میں حاضر ہونے کی روایت کی لیکن یہ جرح کوئی جرح نہیں۔ خود شعبہ صرف ایک خزیمہ کے سوا کسی بدری کا حاضر ہونا نہیں مانتے۔ حالانکہ یہ بھی غلط ہے جس کا جواب علامہ ذہبی نے میزان میں دیا ہے۔

قلت سبحان الله اما شهدا ها على اما شهدا ها عمار۔

ذہبی فرماتے ہیں۔ سبحان اللہ! کیا علی حاضر نہ تھے کیا عمار حاضر نہ تھے۔

یعنی خزیمہ کے سوا علی بھی تھے۔ عمار بھی تھے۔ پھر شعبہ کا کہنا کہ بجز خزیمہ کوئی نہ تھا اسی طرح غلط ہے۔ جس طرح ابو شیبہ کا ستر کہنا پھر کیا وجہ ہے کہ شعبہ تو باوجود اس غلطی کے امیر المؤمنین فی الحدیث رہے اور شیبہ مجروح ہو۔

اسی واسطے شیخ عبدالعزیز دہلوی نے اپنے فتاویٰ میں فرمایا ہے۔

”کہ ابو شیبہ آل قدر ضعف نذرو کہ روایت اور امطروح مطلق ساختہ شود انتہی“

یعنی ابو شیبہ اتنا ضعیف نہیں کہ اس کی روایت بالکل ترک کی جائے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری پارہ ۱۷ کے ص ۶۸ میں ابو شیبہ کو حافظ کہتے ہیں چنانچہ

فرمایا۔

ابراہیم بن عثمان العیسیٰ بالموحداہ الحافظ۔

جس سے معلوم ہوا کہ اس کا حفظ مسلم ہے۔

تہذیب التہذیب میں فرماتے ہیں۔

قال ابن عدی له احادیث صالحہ۔

ابن عدی فرماتے ہیں کہ اس کی حدیثیں اچھی ہیں یعنی احتجاج کی صلاحیت رکھتی ہیں۔

یہ ابن عدی وہی ہیں جنہوں نے اس کو لہین کہا۔ پھر بھی فرماتے ہیں کہ اس کی حدیثیں

اچھی ہیں اور یہ بھی فرماتے ہیں۔

هو خير من ابراهيم بن ابي حية

کہ ابراہیم بن ابی حییہ سے ابو شیبہ بہتر ہے۔

یزید بن ہارون کہتے ہیں۔

ما قضي على الناس رجل يعني في زمانه اعدل من قضاء منه۔ کہ

ابو شیبہ اپنے زمانے کے سب قاضیوں سے زیادہ عادل تھے۔

خلاصہ کے حاشیہ میں یزید بن ہارون کا قول مذکور ہے کہ۔

ابراهيم بن عثمان كان عادلا في القضاء

ابراہیم بن عثمان قضاء میں عادل تھے۔

یہ یزید بن ہارون وہی ہیں جنہوں نے بیس رکعت تراویح کی حدیث ابراہیم بن عثمان

سے روایت کی۔

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ نے جو اس کی نسبت فرمایا ہے

وہ بہت صحیح ہے۔ ابن حجر رحمۃ اللہ نے ان کو حافظ مانا، یزید بن ہارون نے عادل فی القضاء

ابن عدی نے ابراہیم بن ابی حییہ سے اس کو اچھا جانا۔ اس کی حدیثوں کو صالح فرمایا۔ جارجین

کا جرح مفسر نہ کرنا مبہم رکھنا یہ سب ایسی باتیں ہیں جن سے یہ حدیث قابل حجت ہو جاتی

ہے۔ فافهم ولا تكن من المتعصبين۔

**دوسرا جواب** شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ شرح سفر السعادت میں

فرماتے ہیں۔

حکم بہ صحت وضعف احادیث در زمان متاخر بر خلاف زمان سابق است چه

میتواند کہ حدیثے در زمان ایساں صحیح باشد بسبب اجتماع شرائط صحت و قبول و رواة

کہ واسطہ بودند میان ایساں و حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پس ازاں از جهت رواة دیگر

کہ بعد ازاں آمدند وضعف پیدا شد پس از حکم متاخرین محدثین بضعف حدیثے لازم نیاید بضعف دے

در زمان امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ مثلاً و این نکتہ ظاہر است انتہی۔

احادیث کے صحت وضعف کا حکم زمانہ متاخر میں پہلے زمانہ کے خلاف ہے۔ کہوں کہ

ہو سکتا ہے کہ ایک حدیث پہلے زمانہ میں بسبب پائے جانے شراط صحت کے صحیح ہو۔ پھر بعض رواۃ کے سبب ہو کہ اس زمانہ کے بعد میں ہوں۔ کوئی ضعف پیدا ہو جائے تو محدثین متاخرین کے کسی حدیث کو ضعیف کہنے سے لازم نہیں آتا کہ وہ حدیث مثلاً امام ابوحنیفہ کے زمانہ میں بھی ضعیف ہو اور یہ نکتہ ظاہر ہے۔

امام شعرانی رحمہ اللہ میزان ص ۱۱۱ میں امام اعظم کے دلائل کو ضعیف کہنے کے جواب میں فرماتے ہیں۔

يجب علينا حمل ذلك جزماً على الرواة النازلين عن الامام في السند

بعد موته رضى الله عنه انتقاً۔

پھر حنفی سطور کے بعد فرماتے ہیں۔

وان قيل بضعف شي من ادلة مذهبه فذلك الضعف انما هو

بالنظر للرواة النازلين عن سنده بعد موته وذلك لا يقدر فيما

اخذ به الامام عند كل من استحب النظر في الرواة وهو صاعد الى

النبي صلى الله عليه وسلم۔

یعنی امام صاحب کے دلائل کا ضعف امام صاحب سے نچلے راویوں کے سبب سے ہے اور وہ کوئی قاطع نہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس حدیث میں جو راوی ضعیف ہے، وہ کس زمانہ کا ہے، تقریب

میں اس کو طبقہ سابع سے لکھا ہے۔ جو اکابر تبع تابعین کا زمانہ ہے، اس کی وفات ۱۶۹ھ

میں ہوئی۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۰ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ البشیر

۱۹ سال امام صاحب کی وفات کے بعد ہوا۔ معلوم ہوا کہ نہ تو صحابہ کے زمانہ میں تھا نہ وہ تابعی

تھا ان دونوں زمانوں کے بعد اس راوی کے سبب یہ حدیث ضعیف قرار دی گئی تو اب اس

متاخر راوی کے سبب متاخرین کے اس حدیث کو ضعیف کہنے سے لازم نہیں آتا کہ زمانہ

صحابہ و تابعین میں بھی یہ حدیث ضعیف ہو تو صحابہ و تابعین بلکہ تبع تابعین کا عمل ظاہر کرتا ہے

کہ ان کے نزدیک یہ حدیث صحیح تھی اور ان کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیس رکعت

تراویح پڑھنے کا علم حاصل ہو چکا تھا اسی واسطے انہوں نے بیس رکعت پر اتفاق کیا ورنہ صحابہ و تابعین کی شان سے بعید ہے کہ وہ اپنی طرف سے اک نماز کی تعداد مقرر کر لیتے۔  
**تیسرا جواب:** محدثین نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے لیکن موضوع کسی نے نہیں کہا۔ یہ حدیث جھوٹی نہیں، بناوٹی نہیں ضعیف ہے اور ممکن ہے کہ راوی ضعیف نے سچ کہا ہو۔ دیکھو شرح سفر سعادت ص ۵۲ و مرقاة جلد ۱ صفحہ ۵۲۶، فان الکذب قد یصدق کہ بڑا جھوٹا بھی کبھی سچ بولتا ہے۔ اس لیے ہر ضعیف حدیث احتمال رکھتی ہے کہ صحیح ہو اور ہر صحیح جائز ہے کہ غلط ہو۔ کیونکہ ثقہ بھی کبھی غلطی کرتا ہے۔ کبھی سند کے رُاقہ متکلم نہیم ہوتے ہیں۔ لیکن متن درست ہوتا ہے۔ اس صورت میں متن قابل عمل رہتا ہے۔  
 مقدمہ ابن صلاح میں ہے۔

قد یقال هذا صحیح الاسناد ولا یصح الحدیث۔

یعنی سند صحیح ہوتی ہے اور متن حدیث صحیح نہیں ہوتا۔ وکذا عکسہ۔ اسی طرح اس کا عکس یعنی سند ضعیف ہوتی ہے اور متن صحیح ہوتا ہے۔  
 شرح الفیہ عراقی میں ہے۔

قولہم هذا حدیث ضعیف فمرادہم انه لم تطہر فیہ شروط الصحة لا انه کذاب فی نفس الامر لجاوز صدق الکاذب واصابة من هو کثیر الخطاء انتی فتح المنیث۔

یعنی محدثین جب کسی حدیث کو ضعیف کہیں تو ان کی مراد یہ ہے کہ اس میں صحت کے شروط پائے نہیں جاتے نہ یہ کہ وہ نفس امر میں جھوٹی ہے کیونکہ جائز ہے کہ کاذب نے سچ بولا ہو۔ اور کثیر الخطاء نے خطا نہ کی ہو۔  
 یہی وجہ ہے کہ حدیث ضعیف بہ سبب کثرت طرق حسن ہو جاتی ہے اور امت کے قبول کر لینے سے قبول ہو جاتی ہے۔ پس یہ حدیث صحابہ و تابعین و ائمہ مجتہدین کے عمل کرنے مقبول ہو گئی۔

**چوتھا جواب:** یہ حدیث اگرچہ بلحاظ سند ضعیف ہے لیکن امت کا عمل اس کو

تقویت دیتا ہے۔

امام سیوطی شرح نظم الدرر میں فرماتے ہیں۔

المقبول ما تلقاه العلماء بالمقبول وان لم يكن له اسناد صحيح -  
کہ حدیث مقبول وہ ہے جس کو علماء نے مقبول کر لیا ہو اگرچہ اس کی سند صحیح نہ ہو۔  
حافظ سخاوی شرح الفیہ میں فرماتے ہیں۔

اذ اتلقت الامة الضعيف بالمقبول يعمل به على الصحيح -

جس ضعیف حدیث کو امت نے مقبول کر لیا ہو۔ (یعنی عملاً) تو صحیح مذہب میں اس پر  
عمل کیا جاوے گا چونکہ اس حدیث کو علماء امت نے مقبول فرمایا صحابہ نے اس پر عمل کیا انہ  
اربعہ نے اسی کو اپنا معمول بہ بٹھرایا لہذا الاحوال یہ حدیث مقبول ہوگی۔  
علامہ بن مرعی البشیر حینتی مالکی شرح اربعین نوویہ میں لکھتے ہیں۔

محل كونه لا يعمل بالضعيف في الاحكام ما لم يكن تلقته الناس  
بالمقبول فان كان كذلك تعين وصار حجة يعمل به في الاحكام وغيرها

(التحفة المصنوية ص ۲۲۴)

یعنی ضعیف حدیث پر احکام میں عمل نہ کیا جانا اس صورت میں ہے کہ اسے لوگوں  
نے مقبول نہ کیا ہو۔  
اور اس پر عمل کیا جاتا ہے۔

امام سیوطی تعقیبات میں نماز تیسیم کے ذکر میں بہتقی سے نقل کرتے ہیں۔  
تداولها الصلحون بعضهم عن بعض وفي ذلك تقوية للحديث  
المرفوع۔

اس حدیث (تیسیم) کو صالحین نے دست بردست لیا اور اس میں حدیث مرفوع  
کی تقویت ہے یعنی صلحا کے عمل حدیث کو تقویت ہوگئی۔  
علی قاری رحمہ اللہ مرقاۃ باب ما علی الماموم میں بحوالہ نووی لکھتے ہیں۔  
فكان الترمذی یربیہا تقویۃ الحدیث بعمل اهل العلم۔



کہ ترمذی اہل علم کے عمل کرنے سے حدیث کی تقویت کا ارادہ کرتے تھے۔  
علامہ سیوطی تعقیبات میں فرماتے ہیں۔

وقد صرح - غیر واحد بان من دلیل صحة الحدیث قول اهل العلم  
به وان لم یکن له اسناد یتمد علی مثله -

یعنی بہت حدیثیں نے تصریح کی ہے کہ حدیث کی صحت کی دلیل اہل علم کا اس  
پر عمل ہے اگرچہ اس کی سند قابل اعتماد نہ ہو۔

مولوی ثناء اللہ اہل حدیث ۱۹ اپریل ۱۳۲۸ء کے صفحہ ۱۱ میں لکھتے ہیں۔  
بعض ضعیف ایسے ہیں جو امت کی تلقی بالقبول سے رفع ہو گئے ہیں۔ انتہی  
میں کہتا ہوں۔ نجاست کے ساتھ پانی کا رنگ و بومرہ بدلنے سے پانی کا  
ناپاک ہونا حدیث ضعیف سے ثابت ہے مگر امت نے اس پر عمل کیا اور اسے  
قبول کر لیا۔ تو حدیث اگرچہ ضعیف تھی۔ اہل علم کے عمل کرنے سے اس کو تقویت  
ہو گئی۔

اسی طرح سونے کے نصاب کی حدیث ضعیف ہے مگر علماء نے اسے قبول  
کیا اور اسی پر عمل کیا۔

اسی طرح بعض حدیثیں ایسی ہیں جو سنداً صحیح ہیں۔ مگر ان پر عمل نہیں۔ مثلاً  
بلاغد جمع بین الصلوٰتین کہ اس کی حدیث صحیح ہے۔ مگر علماء متروک ہے۔ دیکھو ترمذی  
کتاب العطل تقاضی ثناء اللہ پانی پتی تفسیر مظہری میں زیر آیت - قل یا اهل الكتاب  
تعالوا - لکھتے ہیں۔ فترکهم العمل بحدیث دلیل علی کونہ منسوخا و موؤلا۔  
یعنی ائمہ اربعہ اور اکابر علماء کا کسی حدیث پر عمل نہ کرنا اس بات پر دلیل ہے کہ وہ  
حدیث منسوخ ہوگی یا موؤل۔

پانچواں جواب :- علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے روال المختار جلد ۴ ص ۱۷۱  
میں لکھا ہے۔

ان المجتہد اذا استدال بحدیث کان تصحیحاً لہ کما فی التعمیر وغیرہ۔

کہ مجتہدین حدیث سے استدلال اس حدیث کی تصحیح ہے یعنی اگر وہ حدیث قابل حجت نہ ہوتی تو مجتہد اس سے استدلال نہ کرتا۔ جب اس نے اس حدیث سے کوئی مسئلہ اخذ کیا تو معلوم ہوا کہ وہ حدیث اس کے نزدیک صحیح قابل حجت ہے۔

امام شقرانی میزان ص ۶ میں فرماتے ہیں۔

و کفانا بالصحة الحدیث استدلال مجتہد بہ۔

کہ حدیث کی صحت کے لیے مجتہد کا استدلال کافی ہے۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بیس رکعت تراویح کو سنت مانا۔ کتب فقہ جو کہ نقل مذہب میں معتبر مانی گئی ہیں۔ ان میں تبصریح موجود ہے۔ چنانچہ ہم آگے ائمہ اربعہ کے مذاہب میں جو الہیات نقل کریں گے۔ انشاء اللہ تو انہوں نے اس حدیث ابن عباس سے اس عدد کو سنت مانا۔ امام صاحب کا بیس رکعت تراویح سنت کہنا یا تو اسی حدیث ابن عباس سے ماخوذ ہے یا کسی اور صحیح حدیث سے جو کہ ہمیں نہیں ملی۔ پہلی صورت میں حدیث ابن عباس بہ سبب استدلال مجتہد صحیح ہوئی۔ دوسری صورت میں تراویح کا بیس رکعت مستون ہونا ثابت ہو گیا۔ تو یہ حدیث موید ہو گئی۔ ۱۲ منظر ظاہر ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ کا مذہب بیس رکعت کی سنیت کا ہے۔ اور حدیث مرفوع حقیقی ایک ہی حدیث ملتی ہے جو ابن عباس سے مروی ہے۔ تو لامحالہ ماننا پڑے گا کہ بیس رکعت کی سنیت اسی حدیث سے ماخوذ ہے۔ تو اب مطابق اس اصول کے جو ثنابی نے لکھا ہے کہ مجتہد کا استدلال اس حدیث کی تصحیح ہوتا ہے۔ یہ حدیث بھی امام اعظم رحمۃ اللہ کے نزدیک صحیح ہوئی۔ وہو المقصود۔

یہ کہنا کہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ کی حدیث کے معارض ہے صحیح نہیں۔ اس لیے کہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا دربارہ تہجد ہے جس کا مفصل ذکر آگے آئے گا اور حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ

**دفع معارض**

دوبارہ تراویح ہے۔ فلا تعارض بینہما۔

## مرفوع حکما | بہقی سنن کبریٰ جلد ۲ ص ۲۹۶ میں فرماتے ہیں۔

اخبرنا ابو عبد اللہ الحسین بن محمد بن حسین بن نجویہ الدینوری  
بالدائمنا احمد بن محمد بن اسحاق السنی ابنا عبد اللہ بن محمد بن  
عبد العزیز البغوی ثنا علی بن الجعد ابنا ابن ابی ذئب عن یزید بن خصیفہ  
عن السائب بن یزید قال كانوا یقومون علی عهد عمر بن الخطاب رضی  
اللہ عنہ فی شہر رمضان بعشرین رکعة قال وكانوا یقرؤن بالمئین وكانوا  
یتوکلون علی عصیتهم فی عهد عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ من شدۃ القیام۔  
سائب صحابی کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگ رمضان  
شریف میں بیس رکعت (تراویح) پڑھتے تھے۔ اور وہ سویتیں جن میں سوا سے زیادہ  
آیتیں ہیں پڑھتے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں شدت قیام کے سبب  
لاٹھیوں پر ٹیک لگاتے تھے۔

ظاہر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں عام طور پر صحابہ موجود تھے اور  
تابعی بھی تھے تو اس حدیث میں حضرت سائب رضی اللہ عنہ صحابہ و تابعین کا عمل بیان  
کرتے ہیں کہ وہ بیس رکعت (تراویح) پڑھتے تھے اور یہ صحیح بیان ہو چکا ہے کہ صحابہ  
کا وہ فعل جس میں رائے واجتہاد کا دخل نہ ہو حکما مرفوع ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ نماز  
کی تعداد میں رائے کا کوئی دخل نہیں تو صحابہ کا بیس رکعت پڑھنا حکما مرفوع ہو گا۔  
صحابہ کی یہ شان نہیں کہ وہ اپنی طرف سے نماز کی رکعتیں مقرر کر لیں۔ ان کو رسول  
کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ضرور علم ہو گا۔ اسی واسطے صحابہ کے ایسے فعل  
کو حکما مرفوع کہتے ہیں۔

مراقی الفلاح میں ابو یوسف سے روایت ہے۔

قال سالت ابا حنیفۃ عن التراويح وما فعلہ عمر رضی اللہ عنہ

فقال التراويح سنة مؤكدة ولو اتخذناه عمر من تلقا نفسه  
ولم يكن فيه مبتدعاً ولا مريباً الا عن اصل لاديه وعهد من  
رسول الله صلى الله عليه وسلم فانظروا انه قد ثبت عندهم  
صلوة النبي صلى الله عليه وسلم عشرين ركعة كما جاء في حديث  
ابن عباس فاختره عمر رضي الله عنه (فتح المنان)

ابو یوسف کہتے ہیں۔ میں نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کو تراویح کے متعلق پوچھا اور  
جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا تو آپ نے فرمایا کہ تراویح سنت موکرہ ہے  
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے

اپنے جی سے نہیں گھڑا اور نہ وہ اس میں مبتدع ہیں۔ بجز اس کے کہ رسول کریم صلی اللہ  
علیہ وسلم سے ان کے پاس اسکا ثبوت ہو۔ انہوں نے اس کا امر نہیں کیا۔ پس ظاہر  
ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پس رکعت تراویح ان کے نزدیک ثابت ہوئی جیسے  
کہ حدیث ابن عباس میں آیا ہے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے اختیار فرمایا۔

اس حدیث کو نووی نے خلاصہ میں

ابن عراقی نے شرح تقریب میں۔

اور سیوطی نے مصابیح میں صحیح کہا اور سند کے سب راوی ثقیل ہیں۔

ابو عبد اللہ بن فنجویہ دینوری اپنے زمانہ کے اکابر محدثین سے تھے۔ ذہبی نے

مشاہیر محدثین کے سلسلہ میں جن کا ذکر کیا (تذکرہ الحفاظ ص ۲۲۲ ج ۳) علامہ سمعانی نے

النساب میں برہان دینوری کے شاگردوں میں جن کا نام لیا ہے۔ غرض ابن فنجویہ ایک

مشہور محدث ہیں۔

ابن صلاح مقدمہ میں فرماتے ہیں۔

ومن جرى مجدهم في نباهة الذكر واستقامة الاسر فلا يسئل

عن حاله۔

یعنی جو شخص علماء میں مشہور اور معروف ہو اس کے حال سے پوچھا نہیں جاتا۔

یعنی یہ ضرورت نہیں کہ اس کی ثقاہت ثابت کریں۔

علامہ ذہبی میزان ص ۲۲۷ ج ۲ میں مالک بن حسیر کے ترجمہ میں لکھتے ہیں۔

فی رواة الصحیحین مداد کثیر ما علمنا ان احدا من علی توثیقہم

والجمہور علی ان من کان من المشائخ قد روی عنہ جماعة ولم

یات بما ینکو علیہ ان حدیثہ صحیح۔

کہ صحیحین کے رواۃ میں بہت سے ایسے لوگ ہیں جن کی توثیق پر کسی نے

فیض نہیں کی جمہور کا مذہب یہ ہے کہ مشائخ میں سے جس سے ایک جماعت

روایت کرے اور وہ سن کر حدیث نہ لائے تو اس کی حدیث صحیح ہوتی ہے۔

شیخ عبدالحی لکھنوی الرفع والتکمیل ص ۲۱ میں بحوالہ تدریب الراوی للسیوطی

لکھتے ہیں۔

اذا لم یکن فی الراوی جرح ولا تعدیل وکان کل من شیخہ والراوی

عنه وثقہ ولرویات بحدیث منکر فهو عندہ راوی۔ عند

ابن حیان ثقہ۔

یعنی جب راوی کی نسبت جرح تعدیل معلوم نہ ہو اور اس کا شیخ اور شاگرد ثقہ

ہوں اور حدیث منکر نہ ہو۔ ایسا شخص ابن حیان کے نزدیک ثقہ ہوتا ہے۔

اس حدیث میں ابن فنجویہ کے شیخ ابن السنی مشہور محدث ہیں اور شاگرد بہت ہی ہیں۔

تو لا محالہ جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ ہوئے۔ نووی ابن العرانی سیوطی کا اس حدیث

کو صحیح کہنا نہایت صحیح ہے۔

دوسرے راوی احمد بن محمد بن اسحاق ابن السنی مولف کتاب عمل الیوم واللیلۃ و

راوی سنن نسائی ہیں۔

ذہبی نے طبقات الحفاظ جلد ۳ ص ۱۲۲ میں ان کے متعلق لکھا ہے۔

کان دینا خیرا صدوقا اختصر السنن و سماہ المبتدی۔

کہ بڑے سچے متدین تھے۔ سنن کا انہوں نے اختصار کیا۔ اور مجتبیٰ انام رکھا۔

تیسرے راوی عبداللہ بن محمد لغوی ہیں۔  
 علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ ص ۲۴۵ میں بحوالہ خطیب لکھا ہے۔  
 كان ثقة ثبتا فها عارفا قال السلمي سالت الدارقطني عن البغوي  
 فقال ثقة امام جبل امام اقل المشايخ خطاء۔ انتهى  
 کہ ثقہ ثبت تھے۔ دارقطنی نے بھی ان کو ثقہ کہا۔  
 چوتھے راوی علی بن عبد میں جو کہ امام بخاری کے شیوخ سے ہیں۔ تقریب میں  
 ان کو ثبت ثقہ دہی بالتشبیح لکھا ہے۔  
 پانچویں ابن ابی ذئب ہیں۔ جن کو تقریب میں ثقہ فقیہ فاضل لکھا ہے۔  
 چھٹے یزید بن خصیفہ ہیں۔ جن کو تقریب میں ثقہ لکھا ہے۔  
 ساتویں سائب بن یزید ہیں جو صحابی ہیں۔

## دوسری حدیث

بیہقی نے معرفۃ السنن میں روایت کیا۔  
 اخبرنا ابو طاہر الفقیہ قال اخبرنا ابو عثمان البصری قال ثنا  
 ابو احمد محمد بن عبد الوہاب قال اخبرنا خالد بن مخلد قال  
 ثنا محمد بن جعفر قال ثنا یزید بن خصیفہ عن السائب بن یزید  
 قال کنا نقوم فی زمان عمر بن الخطاب یعشرین رکعة و الوتر۔  
 سائب صحابی فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیس رکعت  
 تراویح اور وتر پڑھتے تھے۔

اس حدیث میں حضرت سائب بن یزید اپنا عمل بیس رکعت بیان کرتے ہیں  
 اس کی سند کو علامہ سبکی نے شرح منہاج میں اور علی قاری نے شرح مؤطا میں صحیح  
 فرمایا ہے۔ (آثار السنن ص ۱۵۵)

اس حدیث کو مالک نے بھی یزید بن خصیفہ کی طریق سے روایت کیا ہے دیکھو۔

فتح الباری ج ۸ ص ۳۱۶ اور فتح الباری کی حدیث صحیح یا حسن ہوتی ہے۔ کما  
صرح فی مقدمہ۔

اس حدیث کے پہلے راوی ابوطاہر فقہ ہریس جو کہ بیہقی کے شیخ ہیں ان سے  
بیہقی۔ حاکم۔ ابوالقاسم۔ قشیری۔ عبد الجبار بن برزہ محمد بن محمد سامانی۔ علی بن احمد واحدی  
اور ابوصالح مؤذن نے روایت کی ہے۔ (طبقات جلد ۳ ص ۸۲)

امام سبکی نے اسی صفحہ میں ان کے حق میں "امام المحدثین والفقہا بنیسا پور فی زمانہ"  
لکھا ہے کہ نیشاپور میں اپنے زمانہ کے محدثین و فقہاء کے امام تھے۔  
طبقات ص ۸۲ جلد ۳ میں ان کی نسبت عبدالغافر نے فرمایا۔

اعلم اصحاب الحدیث بخداسان و فقیہم بالاتفاق بلا مدافعة۔

کہ خراسان کے اہل حدیث کا بالاتفاق امام اور فقیہ تھا۔

دارقطنی ص ۳۶۱ ج ۲ میں فرماتے ہیں۔

وارتفاع رسمہ الجہالة عنہ ان یردی عنہ رجلا نفضاعدا۔

کہ جس سے دو آدمی یا زیادہ روایت کریں۔ اس سے جہالت اٹھ جاتی ہے اور

وہ معروف ہو جاتا ہے۔

فتح المغیث میں امام سخاوی فرماتے ہیں۔

قال الدارقطنی من روى عنہ ثقتان فقد ارتفعت جہالته و

ثبتت عدالتہ الرنع والتکمیل ص ۱۶۔

یعنی جس شخص سے دو ثقہ روایت کریں۔ اس کی جہالت رفع ہو جاتی ہے اور

عدالت ثابت ہو جاتی ہے۔

معلوم ہوا کہ ابوطاہر فقہ ہریس سے بڑے بڑے محدثین نے روایت کی ہے اگر آج

کوئی اس کو بھول کہہ دے۔ تو اس کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے۔

دوسرے راوی ابوعثمان بصری ہیں جن کا نام عمر بن عبداللہ ہے۔ ان سے ابوطاہر

فقہ اور ابو محمد حسن بن علی بن مؤمل نے روایت کی (آثار السنن ص ۵۲)

ہم چھ لکھ آئے ہیں کہ جس سے دو راویوں نے روایت کی۔ وہ مجہول نہیں ہے۔ اس کی جہالت اٹھ جاتی ہے اور عدالت ثابت ہو جاتی ہے فلا نعیلہا ثانیاً۔ تیسرے راوی ابو احمد محمد بن عبد الوہاب ہیں جن کو تقریب میں ثقہ عارف لکھا ہے۔

چوتھے راوی خالد بن خالد ہیں جو بخاری مسلم کے راوی ہیں۔ تقریب میں انکو صدق لکھا ہے۔

پانچویں محمد بن جعفر ہیں جو ثقہ ہیں۔

چھٹے یزید بن خصیفہ ثقہ ہیں۔

ساتویں سائب صحابی ہیں۔ علامہ سبکی و علی قاری کا اس حدیث کو صحیح کہنا نہایت صحیح ہے۔ *فلا نعیلہا اولیٰ والاخرۃ*۔

## تفسیری حدیث

عن یزید بن رومان وانیہ قال کان الناس یقومون فی زمانِ عمر بن الخطاب فی رمضان ثلاثِ وعِشرین رکعةً رواہ مالک۔  
 یزید بن رومان فرماتے ہیں کہ لوگ (صحابہ و تابعین) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں رمضان شریف میں تیس رکعت (تراویح) پڑھتے تھے۔ اس کو امام مالک نے مؤطا میں اور بیہقی نے سنن کبریٰ میں روایت کیا۔

**سوال:** یہ حدیث منقطع ہے یزید بن رومان نے حضرت عمر کا زمانہ نہیں پایا۔  
**جواب:** میں کہتا ہوں یہ حدیث امام مالک کے مؤطا کی ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۰۶ میں فرماتے ہیں۔

قال الشافعی اصح الكتب بعد کتاب اللہ مؤطا مالک واتفق اهل الحدیث علی ان جمیع ما فیہ صحیح علی رای مالک و من وافقہ ولما علی رای غیرہ فلیس فیہ مرسل ولا منقطع الا قد اتصل



السند به من طرق اخرى فلا جرم انها صحیحة من هذا الوجه

انتہی -

امام شافعی فرماتے ہیں کہ سب سے زیادہ صحیح کتاب قرآن شریف کے بعد امام مالک کا موطا ہے۔ اہل حدیث کا اتفاق ہے کہ موطا میں مبتنی حدیثیں ہیں امام مالک اور ان کے موافقین کے نزدیک سب صحیح ہیں۔ ان کے علاوہ دوسرے محدثین کے نزدیک موطا میں جو حدیث مرسل یا منقطع ہے۔ وہ دوسری طریق سے اس کی سند متصل بھی ہے۔ اس وجہ سے وہ بھی صحیح ہوئی۔

زرقانی جلد اول ص ۹ میں علامہ سیوطی سے منقول ہے۔

مانیہ من المراسیل مع كونها حجة عندہ بلا شرط وعند من وافقه من الائمة هي حجة عندنا ايضا لان المرسل حجة عندنا اذا اعتضد وما من مرسل في الموطا الا وله عاضد او عواصدا فالصواب اطلاق ان الموطا صحيح لا يستثنى منه شي.

یعنی موطا میں جو حدیث مرسل ہے۔ امام مالک اور ان کے موافقین ائمہ کے نزدیک تو بلا شرط حجت ہے اور ہمارے (یعنی شافعیہ) کے نزدیک بھی حجت ہے کیونکہ مرسل ہمارے نزدیک حجت ہے جب کہ اس کے لیے کوئی عاضد ہو۔ یعنی دوسری سند سے اس کی تائید ہو اور موطا میں کوئی مرسل ایسی نہیں جس کا ایک یا زیادہ عاضد نہ ہوں۔ تو صواب یہ ہے کہ موطا سب صحیح ہے۔ اس سے کوئی حدیث مستثنیٰ نہیں۔

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ پہلی اور دوسری حدیث جو سند متصل سے ہے۔ اس کی تائید کرتی ہیں۔ اسی طرح چوتھی پانچویں چھٹی۔ ساتویں حدیثیں سب اسی کی موید ہیں تو اصول حدیث کے لحاظ سے حدیث قابل حجت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض غیر مقلدین کے سوا اور کسی محدث نے اس کو ساقط الاحتجاج نہیں لکھا۔

علاوہ اس کے حافظ ابن حجر فتح الباری میں اس حدیث کو لائے ہیں دیکھو  
جز ۸ ص ۳۱۶ اور مخالفین مانتے ہیں کہ حافظ ابن حجر نے التزام کیا ہے کہ فتح الباری  
میں جو حدیث لاؤں گا۔ صحیح یا حسن ہوگی۔ (دیکھو رسالہ غازی پوری) تو یہ حدیث چونکہ  
فتح الباری میں ہے۔ اس لیے بھی صحیح یا حسن ہوئی۔

جواب دیگر: یہ زید بن رومان ثقہ ہے۔ اور وہ جانتے تھے کہ جھوٹ گناہ ہے۔  
پھر بھی یقیناً حضرت عمر کے زمانہ کا حال بیان کرتے ہیں اگر ان کو کچھ شبہ ہوتا تو اپنے  
شیخ کا نام لیتے معلوم ہوا کہ ان کو اس میں کوئی شبہ نہ تھا پس آج کسی کو شبہ کرنے کا کیا  
حق ہے؟

## چوتھی حدیث

عن یحییٰ بن سعید ان عمر ابن الخطاب امر رجلاً فیصلیٰ بہم  
عشرین رکعة رواہ ابو بکر بن ابی شیبہ فی مصنفہ عن دکیع  
عن مالک بن انس عن یحییٰ بن سعید۔

یحییٰ بن سعید فرماتے ہیں کہ حضرت عمر نے ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس  
تراویح پڑھائے اس کو ابن ابی شیبہ نے مصنف میں روایت کیا۔  
اس حدیث کے سب راوی ثقہ ہیں اور بیس رکعت تراویح پڑھانے کا حضرت  
عمر رضی اللہ عنہ کا امر بھی موجود ہے۔ لیکن اس حدیث کے تسلیم کرنے میں عذر پیش  
کیا جاتا ہے۔ کہ یحییٰ بن سعید انصاری نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا  
اس لیے یہ حدیث منقطع ہے۔ میں کہتا ہوں۔ یحییٰ بن سعید انصاری اجماعی ثقہ ہیں۔  
حدیث وفقہ کے امام ہیں۔ یہ جانتے ہیں کہ جھوٹ بنانا کسی کے ذمہ جھوٹ رگانا کبیرہ  
گناہ ہے۔ خود معاذ اللہ جھوٹے نہ تھے کہ جھوٹ کہہ گئے۔ یہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر  
رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو بیس رکعت پڑھانے کا حکم دیا۔ اب تم خود انصاف  
کرو۔ کہ ایسا متقی زاہد عابد کیا جھوٹ کہتا ہے۔ ضرور ہے کہ ان کو حضرت عمر کے زمانہ

کامال اپنے فیوض سے معلوم ہوا ہوگا۔ ورنہ وہ کبھی ایسا نہ کہتے۔ اگر ان کو کچھ شبہ ہوتا۔  
تو جس سے انہوں نے سنا تھا۔ اس کا نام لیتے اور آپ بری الذمہ ہو جاتے ہمارے  
ہاں بھی لوگوں کی عادت ہے۔ کہ جس بات پر ان کو یقین ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ  
فلاں شخص نے یہ کام کیا پس اگر کبھی بن سعید کو حضرت عمر کے امر کا کچھ بھی شبہ ہوتا  
تو شیخ کا نام لیتے۔ انہوں نے نہایت وثوق سے حضرت عمر کا امر بیان کیا۔ اور شیخ کا  
نام لینا ضروری نہ سمجھا اسی بنا پر امام مالک اور امام اعظم رحمہما اللہ کے نزدیک حدیث  
مرسل و منقطع حجت ہے۔ اور اسی بنا پر امام مالک نے اس حدیث کو اپنا معمول بنایا  
اور ۳۶ رکعت اپنا مذہب قرار دیا۔ جن میں سے بیس تراویح اور سولہ عوض طواف ہیں

## حدیث مرسل و منقطع کا حکم

امام نووی مقدمہ شرح صحیح مسلم میں فرماتے ہیں۔

ومذہب مالک و ابی حنیفہ و احمد و اکثر الفقہاء انہ  
یحتج بہ و مذہب الشافعی انہ اذا انضم الی المرسل ما یعضد  
اجتہج بہ و ذالک بان یروی ایضا مسندا و مرسلا من جہۃ  
اخری و یرسل بہ بعض الصحابة و اکثر العلماء۔

یعنی امام مالک و ابو حنیفہ و احمد کبر فقہاء کے نزدیک حدیث مرسل منقطع حجت ہے  
امام شافعی کے نزدیک اس وقت حجت ہے جبکہ اس کی تائید میں کوئی دوسری روایت  
مرسل یا مسند ہو یا بعض صحابہ یا اکثر علماء کا اس پر عمل ہو۔  
امام ابن الہمام فتح القدر میں فرماتے ہیں۔

ضعف بالانقطاع و هو عندنا کالارسال بعد اعادة الرواة  
و تقنتهم لا یضر۔

کہ انقطاع ہمارے نزدیک مثل ارسال کے ہے جبکہ راوی ثقہ اور عادل ہوں  
تو ضرر نہیں۔

پس یہ حدیث امام مالک و امام اعظم و امام احمد کے نزدیک حجت ہے اور امام شافعی کے نزدیک بھی حجت ہے۔ اس لیے کہ پہلی اور دوسری تلمیسی حدیث اس کی تائید میں ہیں اور صحابہ کا بلکہ اکثر فقہاء و علماء کا اس پر عمل ہے۔

علاوہ اس کے پہلی اور دوسری اور آٹھویں حدیث میں سائب بن یزید صحابی حضرت عمر کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح کا پڑھنا بیان کرتے ہیں اور سائب بن یزید سے یحییٰ بن سعید کو سماع حاصل ہے۔

چنانچہ کمال فی اسماء الرجال میں یحییٰ بن سعید کے ترجمہ میں تصریح ہے۔

سمع النس بن مالك والسائب بن يزيد وخلق سواهما۔

کہ یحییٰ نے النس بن مالک اور سائب بن یزید وغیرہما سے سنا۔

تذیب التذیب میں سائب بن یزید کے ترجمہ میں یحییٰ بن سعید کو سائب کے شاگردوں میں شمار کیا ہے۔

تمنیق النظام فی مسند الامام کے صفحہ ۹ اور تعلیق المجد کے صفحہ ۶ میں تذکرۃ الحفاظ صفحہ ۱۲۹ کے حوالہ سے لکھا ہے۔

حدث عن النس والسائب بن يزيد۔

کہ یحییٰ بن سعید نے حضرت النس اور سائب سے حدیث بیان کی پھر آگے لکھا ہے۔

قال القاری سمع النس بن مالك وسائب بن يزيد۔

کہا علی قاری نے کہ یحییٰ نے النس بن مالک اور سائب بن یزید سے سنا۔ تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ یحییٰ بن سعید نے حضرت عمر کا بیس رکعت تراویح کا حکم دینا سائب بن یزید سے سنا ہوگا۔ کیونکہ حضرت عمر کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح کا حکم ہونا سائب بن یزید کی روایت سے ثابت ہے۔ چونکہ حضرت سائب صحابی ہیں اس لیے یحییٰ بن سعید نے ان کے ذکر کی ضرورت نہ سمجھی تو یہ انقطاع اس لیے بھی مضر نہیں ہے۔

## پانچویں حدیث

قیام اللیل مروزی ص ۱۹ میں محمد بن کعب قرظی سے روایت ہے۔  
 كَانَ النَّاسُ يُصَلُّونَ فِي نِعْمَانَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِي رَمَضَانَ عَشْرَ يَوْمٍ  
 رُكْعَةً يُطِيلُونَ فِيهَا الْقِرَاءَةَ دِيُوتَرُونَ بِثَلَاثٍ۔

صحابہ و تابعین حضرت عمر کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے۔ اس  
 میں قرأت لمبی کرتے تھے اور تین رکعت وتر پڑھتے تھے۔  
 مخالفین کہتے ہیں کہ یہ حدیث منقطع ہے۔ میں کہتا ہوں کہ حدیث منقطع اکثر علماء  
 کے نزدیک حجت ہے، خصوصاً جب کہ دوسری حدیثوں سے مؤید ہو۔

## چھٹی حدیث

حافظ ابن حجر نے لمخمس میں بروایت ابن ابی شیبہ و سہمی لکھا ہے اور سیوطی نے  
 بھی مصابیح میں نقل کیا ہے۔

عَنْ عُمَرَ أَنَّهُ جَمَعَ النَّاسَ عَلَى أَبِي بِنِ كَعْبٍ فَكَانَ يُصَلِّي بِهَرْمِ فِي شَهْرِ  
 رَمَضَانَ عَشْرًا بَيْنَ رُكْعَةٍ۔

حضرت عمر نے لوگوں کو ابی بن کعب کے پیچھے نماز پڑھنے پر جمع کیا تو وہ لوگوں  
 کو بیس رکعت تراویح رمضان شریف میں پڑھاتے تھے۔

ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ ابی بن کعب سے بیس رکعت ہی صحیح ہیں۔  
 (یعنی ص ۳۵۶ جلد ۵)

ابن تیمیہ نے حضرت ابی بن کعب کا بیس رکعت پڑھنا لکھا ہے (دیکھیے مرقاة)

## ساتویں حدیث

ابن ابی شیبہ مصنف میں عبدالعزیز بن رفیع سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں

نے فرمایا۔

كَانَ أَبِي بَنْ كَعْبٍ يُصَلِّي بِالنَّاسِ فِي رَمَضَانَ بِالْمَدِينَةِ عِشْرِينَ رُكْعَةً  
وَيُؤْتِرُ ثَلَاثًا - (آثار السنن ص ۵۵)

کہ ابی بن کعب رمضان شریف میں لوگوں کو بیس رکعت تراویح مدینہ شریف میں پڑھاتے تھے اور تین رکعت وتر۔

مخالفین اس حدیث کو بھی منقطع کہتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ منقطع حجت ہے حدیث منقطع کے حجت ہونے کے دلائل پہلے بیان کیے جا چکے ہیں۔

## اکھویں حدیث

شیخ الاسلام عینی شرح صحیح بخاری ص ۳۵۶ جلد ۵ میں ابن عبدالبر سے نقل کرتے ہیں۔

رَوَى الْحَارِثُ بْنُ أَبِي ذَبَابٍ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدٍ قَالَ كَانَ الْقِيَامُ  
عَلَى عَهْدِ عُمَرَ ثَلَاثًا وَعِشْرِينَ رُكْعَةً -

سائب بن یزید صحابی کہتے ہیں کہ حضرت عمر کے زمانہ میں قیام (تراویح) بیس رکعت تھا۔

## نانویں حدیث

شیخ الاسلام عینی شرح صحیح بخاری ص ۳۵۶ ج ۵ میں فرماتے ہیں۔

رَوَى عَبْدِ الرَّزَّاقِ فِي الْمَصْنُفِ عَنْ دَاوُدَ بْنِ قَيْسٍ وَغَيْرِهِ عَنْ مُحَمَّدِ  
بْنِ يَوْسُفَ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدٍ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى  
عَنْهُ جَمَعَ النَّاسَ فِي رَمَضَانَ عَلَى أَبِي بَنْ كَعْبٍ وَعَلَى تَمِيمِ الدَّارِمِيِّ  
عَلَى إِحْدَى وَعِشْرِينَ رُكْعَةً -

عبدالرزاق نے اپنے مصنف میں روایت کیا کہ سائب بن یزید فرماتے ہیں۔

کہ حضرت عمر نے لوگوں کو رمضان شریف میں ابی کعب و تمیم دارمی پر اکیس رکعت تراویح پر جمع کیا۔ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ ایک رکعت وتر پر معمول ہے۔ (تفصیل کے لیے ہماری کتاب نماز مدلل دیکھو۔)

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیس رکعت پر لوگوں کو جمع کیا۔ ابن عبدالبر نے اس روایت کو صحیح اور اس کے خلاف گیارہ رکعت والی کو امام مالک کا وہم قرار دیا۔

## دسویں حدیث

آثار السنن ص ۵ ج ۲ میں کنز العمال کے حوالہ سے لکھا ہے۔

عن ابی بن کعب ان عمر بن الخطاب امر ان یصلی باللیل فی رمضان فقال ان الناس یصومون النهار ولا یحسبوا ان ینقروا فلوقدرتہ علیہم باللیل فقال یا امیر المؤمنین هذا شیء لم یکن فقال قد علمت و لکنہ حسن فصلی بہم عشرین رکعة۔

کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب کو حکم دیا کہ رمضان شریف میں لوگوں کو رات کی نماز پڑھائے کہ لوگ دن کو روزہ رکھتے ہیں اور قراءت نہیں جانتے اگر تو ان پر رات کو پڑھے (تو اچھا ہے) ابی بن کعب نے عرض کی اے امیر المؤمنین یہ شے پہلے نہ تھی حضرت عمر نے فرمایا میں جانتا ہوں لیکن کام اچھا ہے تو ابی بن کعب نے ان کو بیس رکعت پڑھائیں صاحب کنز العمال نے اس حدیث پر سکوت کیا ہے۔

ان دس حدیثوں سے ثابت ہوا کہ صحابہ تابعین حضرت عمر کے زمانہ میں بیس رکعت پڑھتے تھے۔ بلکہ چوتھی حدیث میں تو صریح ہے کہ حضرت عمر نے بیس رکعت پڑھنے کا حکم دیا۔ عقل سلیم کبھی اس بات کے ماننے کو تیار نہیں۔ کہ حضرت عمر کے زمانہ

میں جو صحابی و تابعی تھے۔ وہ حضرت عمر کے حکم بغیر ہی بیس رکعت پڑھتے ہوں اور حضرت عمر کو اس کا علم نہ ہو۔ مخالفین کہتے ہیں کہ بیشک علم تھا مگر چونکہ بطور نفل بیس رکعت پڑھتے تھے اس لئے تو کبھی کم بھی پڑھتے، بیس رکعت معین کیوں کرتے بیس رکعت کا معین کرنا اس امر پر دلالت کرتا ہے۔ کہ ان کو سرور عالم صلی اللہ وسلم سے بیس رکعت کا ثبوت حاصل تھا۔ علاوہ اس کے حضرت عمر کا بیس رکعت پڑھتے ہوئے معلوم کرنا اور جائز رکھنا ان کی تقریر سے ثابت ہوا تو بیس رکعت پر حضرت کی موافقت تشریحی ثابت ہوئی اور موافقت تشریحی خلفا کی موجب سنیت ہے۔ بلکہ ضرور حضرت عمر کے حکم سے پڑھتے تھے۔ جیسے کہ یحییٰ بن سعید کی روایت میں تصریح ہے کہ حضرت عمر نے بیس رکعت پڑھانے کا حکم فرمایا ورنہ لازم آتا ہے کہ حضرت عمر تو حکم دین آٹھ رکعت کا اور صحابہ و تابعین خلیفہ وقت کے حکم کا خلاف کریں اور بیس پڑھیں حاشا جنابہم عن ذالک تو دو حال سے خالی یا تو حضرت عمر کا آٹھ رکعت کا حکم دینا ہی صحیح نہیں۔ امام مالک کا وہم ہے۔ کہا قالہ ابن عبد البر۔ یا صحابہ و تابعین کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیس رکعت پڑھنے کا ثبوت حاصل تھا جس کی وجہ انہوں نے امیر المؤمنین کے حکم کی پرواہ نہ کی اور بیس رکعت پڑھیں۔

اس آیت کے منہج مذکور میں کہتا ہوں کہ بیس رکعت بطور نفل پڑھتے تھے

## گیارہویں حدیث

ابن تیمیہ منہاج السنۃ جلد ۴ ص ۲۲۴ میں لکھتے ہیں۔

عن ابی عبد الرحمن السلمی ان علیاً دعا القرۃ ارقی رمضان  
فامر رجلاً منهم یصلی بالناس عشرين رکعة علی یوم یومہم۔

کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رمضان شریف میں قاریوں کو بلایا اور ان میں سے ایک کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعت پڑھائے اور خود حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کو دتر پڑھاتے تھے۔ اس کو بہیقی نے روایت کیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی حضرت



علی کے حکم سے بیس رکعت پڑھتے تھے۔ مخالفین کہتے ہیں کہ اس حدیث میں حماد بن سعید ہے جو ضعیف ہے۔ میں کہتا ہوں، اس حدیث کی دوسری سند بھی ہے وہ یہ ہے۔

## بارھویں حدیث

عن ابی الحسن ان علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ امر رجلاً ان یصلی بالناس خمساً ترویجاتٍ عشرین رکعةً - بیہقی  
ابن الحسن کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو حکم کیا کہ لوگوں کو پانچ ترویجی بیس رکعت پڑھائے۔  
اس حدیث کی ایک اور سند بھی ہے جو یہ ہے۔

## تیراویں حدیث

عن عمرو بن قیس عن ابی الحسن ان علیاً امر رجلاً یصلی بہم فی رمضان عشرین رکعةً - (اخرجه ابن ابی شیبہ فی مصنفہ جوہر النقی)  
حضرت علی نے ایک آدمی کو حکم کیا کہ رمضان شریف میں لوگوں کو بیس رکعت پڑھائے۔  
یہ تینوں روایتیں ایک دوسری کو قوت دیتی ہیں۔ علامہ عینی نے بھی شرح صحیح بخاری جلد ۲ کے ص ۵۹۸ میں بحوالہ معنی اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔ کبیری ص ۳۸۸ شرح منیر میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔

## چودھویں حدیث

علامہ عینی شرح صحیح بخاری میں قیام اللیل مروزی کے حوالہ سے نقل کرتے

ہیں۔

اخبرنا یحییٰ بن یحییٰ اخبرنا حقیص بن غیاث عن الاعمش عن یزید بن  
بن وہب قال کان عبد اللہ بن مسعود یصلیٰ لنا فی شہر رمضان  
فیصوم وعلیہ لیل قال الاعمش کان یصلیٰ عشرين رکعة و  
یوتر بثلاث۔ زید بن وہب کہتے ہیں۔

کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ماہ رمضان میں ہمیں نماز پڑھا کر نکلتے تو ابھی رات  
باقی ہوتی۔ اعمش کہتے ہیں کہ وہ بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے۔  
اس حدیث سے حضرت عبداللہ بن مسعود کا بیس رکعت تراویح پڑھنا ثابت  
ہوتا ہے اور عبداللہ بن مسعود وہ شخص تھے جن کی نسبت رسول کریم صلی اللہ علیہ  
وسلم نے فرمایا۔

تسکو البعہد ابن ام عبد (ترمذی)

کہ عبداللہ بن مسعود کے احکام پر عمل کرو اور فرمایا۔

ما حدّ ثکد ابن مسعود فصدا قوہ (ترمذی)

جو حدیث عبداللہ بن مسعود بیان کریں۔ اُسے سچ مانو۔ حذیفہ صحابی کہتے ہیں۔  
ان اشبه الناس ولا سمتا و هذا یا برسول الله صلی اللہ علیہ  
وسلم لا بن امر عبد من حین یخرج من بیتہ الی ان یرجع  
الیہ لانتاری ما یصنع فی اہلہ اذا خلا (بخاری)

کہ سب سے زیادہ مشابہ چال چلن و عادات و اطوار میں رسول کریم کے ساتھ  
عبداللہ بن مسعود ہیں۔ ابو موسیٰ اشعری کہتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر  
میں ابن مسعود اور اس کی والدہ کی کثرت آمد و رفت سے ہم ان کو اہل بیت سے  
سمجھتے تھے۔

پس ایسا شخص جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طلق و سیرت و اخلاق میں  
سب سے زیادہ آپ کے ساتھ مشابہ تھا جس کو صحابہ حضور کے گھر آنے کے

سبب آپ کے گھر کا ہی ایک شخص سمجھتے تھے جس کی بابت علامہ عینی نے شرح بخاری جلد ۳ ص ۱۲۴ میں لکھا ہے۔

ولم یفارقہ الی ان مات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

کہ عبداللہ بن مسعود حضور علیہ السلام کی وفات شریف تک حضور سے جدا نہیں ہوئے۔ اس سے بھی بیس رکعت تراویح ثابت ہیں۔ اگر حضور علیہ السلام سے بیس رکعت پڑھنا ثابت نہ ہوتا تو یہ کبھی بیس رکعت نہ پڑھتے۔ کیونکہ وہ اتباع سنت میں ہم سب سے زیادہ تھے۔

ہاں کہا جاتا ہے کہ اعمش نے عبداللہ بن مسعود کو نہیں پایا۔ اس لیے یہ روایت منقطع ہے۔ یہیں کتنا ہوں۔ اعمش تابعی ہیں اور تابعی کی منقطع ہمارے نزدیک بلکہ امام مالک کے نزدیک بھی حجت ہے۔ کما مر۔

## پندرہویں حدیث

عطا تابعی کہتے ہیں۔

أَذْرَكَ النَّاسَ وَهُمْ يَصَلُّونَ ثَلَاثًا وَعِشْرِينَ رُكْعَةً بِالْوُتْرِ رَوَاهُ

ابن ابی شیبہ۔

کہ میں نے صحابہ کو بیس رکعت تراویح معہ وتر پڑھتے پایا۔ اس کو ابن ابی شیبہ نے روایت کیا۔

علامہ نبوی نے اس کی سند کو حسن فرمایا اور سند یہ ہے۔

حدثنا ابن نمير عن عبد الملك عن عطاء الخ۔

اس حدیث کو مروزی نے بھی قیام اللیل ص ۹۱ میں ذکر کیا ہے۔

معلوم ہو کہ صحابہ کرام کا بیس رکعت پر عمل تھا۔ ترمذی جلد اول ص ۹۹ میں ہے

وأكثر أهل العلم على ما روى عن علي وعمر وغيرهما من أصحاب

النبي صلی اللہ علیہ وسلم عِشْرِينَ رُكْعَةً وَهُوَ قَوْلُ سَفِيَّانِ

الثوری دابن المبارک والشافعی ووالشافعی هكذا درکت ببلدنا  
مكة يصلون عشرين ركعة -

کہ اکثر اہل علم میں رکعت کے قائل ہیں۔ جیسے کہ حضرت علی و عمر و دیگر صحابہ  
سے روایت کیا گیا ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں۔ میں نے مکہ میں لوگوں کو بیس  
رکعت پڑھتے پایا ہے۔

قال ابن عبد البر وهو قول جمهور العلماء - وبه قال  
الكوفيون والشافعي واكثر الفقهاء وهو الصحيح عن ابى  
بن كعب من غير خلاف من الصحابة -

ابن عبد البر کہتے ہیں کہ یہی قول ہے جمہور علماء کا اسی کے قائل ہیں کوئی  
اور شافعی اور اکثر فقہاء اور یہی صحیح ہے۔ ابی بن کعب سے بغیر خلاف کے صحابہ  
سے (یعنی شرح بخاری جلد ۵ صفحہ ۲۵۱)۔

## سولہویں حدیث

بہت سی اپنے سنن میں روایت کرتے ہیں۔

اخبرنا ابو ذکریا بن ابی اسحاق ثنا ابو عبد اللہ محمد بن  
عبد الوہاب ثنا جعفر بن عون ثنا ابو الخضیب قال کان  
يَوْمَنَا سُوَيْدُ بْنُ غَفَلَةَ فِي رَمَضَانَ نِيصَلِّيْ خَمْسَ تَرَوِيحَاتٍ  
عِشْرِينَ رَكْعَةً -

ابو الخضیب کہتے ہیں کہ سوید بن غفلہ تابعی رمضان شریف میں ہماری  
امامت کراتے تھے ہمیں بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے۔

سوید بن غفلہ جلیل القدر تابعی ہیں بلکہ ابن قانع نے ان کو صحابہ میں ذکر  
کیا ہے۔ (تہذیب) مدینہ شریف میں۔ اس روز آئے جس روز حضور صلی اللہ  
علیہ وسلم کو دفن کیا گیا تھا۔ (تقریب) ۱۱ شہر یا ۱۲ شہر ہجری میں آپ فوت

ہوئے۔ ایک سو تیس سال کی عمر پائی۔ خلفاءِ اربعہ کا زمانہ پایا اور ان سے روایت کی۔  
(تہذیب)

ایسے جلیل القدر تابعی ہیں جس رکعت پڑھاتے ہیں، کیا عقل سلیم باور کر سکتی ہے۔  
کہ ان کے پاس بیس رکعت کا کوئی ثبوت نہ تھا۔ ہرگز نہیں۔ اس حدیث کی سند  
حسن ہے۔ (آثار السنن تہذیب التہذیب ص ۲۶۸ جلد ۴ اور تذکرہ الحفاظ جلد اول  
ص ۱۶ میں سوید کو ابی بن کعب کے شاگردوں سے لکھا ہے جس سے معلوم ہوا کہ  
ان کا بیس رکعت پڑھنا ابی بن کعب سے ماخوذ ہے۔

## سترھویں حدیث

ابی بن شیبہ مصنف ہیں فرماتے ہیں۔  
وکیع عن نافع بن عمر قال کان ابن ابی ملیکہ یصلیٰ بنا فی رمضان  
عِشْرِينَ رَكْعَةً۔ (آثار السنن)

نافع بن عمر کہتے ہیں کہ ابن ابی ملیکہ تابعی رمضان شریف میں بیس رکعت  
پڑھاتے تھے اس کی سند صحیح ہے۔

یہ ابن ابی ملیکہ وہ جلیل القدر تابعی ہیں جنہوں نے تیس صحابہ کو دیکھا۔ تہذیب  
میں تو ۸ صحابہ کا دیکھنا لکھا ہے۔ اگر صحابہ کرام میں بیس رکعت تراویح کا عام رواج  
نہ ہوتا۔ تو یہ تابعی کیوں بیس رکعت پڑھتے معلوم ہوا۔ کہ صحابہ کے زمانہ میں عمومًا بیس  
رکعت پڑھی جاتی تھیں۔ اسی طرح تابعیوں کے زمانہ میں بھی بیس رکعت پڑھی گئیں۔  
اور یہ بات مسلم ہے کہ یہ لوگ ہم سے زیادہ متبع سنت تھے۔ اگر سنت سے بیس  
رکعت کا ثبوت نہ ہوتا تو یہ لوگ ہرگز بیس نہ پڑھتے۔

## اٹھارھویں حدیث

عن سعید بن عبیدان عن علی بن ربیعۃ کان یصلیٰ بہم فی رمضان

خَمْسَ تَرَوِيحَاتٍ وَوُتْرٍ ثَلَاثٍ اَخْرَجَهُ ابْنُ اَبِي شَيْبَةَ۔  
 سعید بن عبید کہتے ہیں کہ علی بن ربیعہ تابعی رمضان شریف میں ہمیں پانچ ترویجے  
 بیس رکعت اور تین وتر پڑھاتے تھے۔ اس کو ابن ابی شیبہ نے فضل بن وکین سے  
 اس نے سعید بن عبید سے روایت کیا ہے۔ اس کی سند صحیح ہے۔

## انیسویں حدیث

عن عبد الله بن قيس عن شيتربن شكل انه كان يصلي  
 في رمضان عشرين ركعة والوتر اخرج ابو بكر بن ابي شيبه۔  
 عبد اللہ بن قیس کہتے ہیں کہ شیتربن شکل تابعی رمضان شریف میں بیس رکعت  
 تراویح اور وتر پڑھاتے تھے۔ اس کو ابو بکر بن ابی شیبہ نے روایت کیا۔

## بیسویں حدیث

عن ابى البخترى انه كان يصلي خمس ترويحيات في رمضان ووتر  
 ثلاث اخرج ابن ابي شيبه۔  
 ابو البختری تابعی رمضان شریف میں پانچ ترویجے (بیس رکعت) پڑھاتے  
 اور تین رکعت وتر اس کو ابن ابی شیبہ نے روایت کیا۔  
 اس کی سند میں کوئی تردید نہیں۔ علامہ نیموی کو ایک راوی خلف میں تردید  
 ہے۔ میں کہتا ہوں یہ خلف بن حوشب کوئی ہیں جو ثقہ ہیں۔ خلاصہ میں شعبہ انکا شاگرد  
 لکھا ہے۔

علامہ عینی شرح صحیح بخاری جلد پنجم ص ۳۵ میں فرماتے ہیں۔  
 واما القائلون به من التابعين شيتربن شكل وابن ابي  
 مليكة والحارث الهمراني وعطاء بن ابي رباح وابو البخترى و  
 سعید بن ابی الحسن البصری و عبد الرحمن بن ابی بکر و

عمران العبدی -

یعنی تابعیوں میں سے تیسرے شکل و ابن ابی ملیکہ و عمارت ہمدانی و عطاء بن ابی رباح و ابوالنختری و سعید بن ابی الحسن البصری و عبد الرحمن بن ابی بکر و عمران عبدی میں رکعت تراویح کے قائل ہیں۔

مذکورہ بالا دلائل اور سلف صالحین کے معمولات سے صاف ظاہر ہے کہ صحابہ کرام اور تابعین عظام میں بیس رکعت تراویح کا عرف و تعامل تھا۔ عام طور پر سب لوگ بیس رکعت پڑھتے تھے۔ آٹھ رکعت کا کوئی تعامل نہ تھا۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ جو کہ بیان مذاہب میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ انہوں نے بھی آٹھ رکعت تراویح کسی کا مذہب نقل نہیں کیا۔ چنانچہ ہم پندرہویں حدیث میں ترمذی کا قول نقل کر چکے ہیں معلوم ہوا کہ محدثین کے زمانہ میں بھی آٹھ رکعت تراویح کسی کا مذہب نہ تھا۔ ورنہ امام ترمذی اسے ضرور نقل کرتے۔

## ائمہ اربعہ کا مذہب

امام اعظم و امام شافعی مالک و امام احمد رحمہم اللہ ان چاروں اماموں میں سے کسی ایک کا مذہب آٹھ رکعت نہیں ہے۔ یہ لوگ زہد میں تقویٰ میں عمل میں اتباع سنت میں آج کل کے نئے مجتہدوں سے یقیناً زیادہ تھے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ان میں سے کسی نے اپنا مذہب آٹھ رکعت تراویح تجویز نہیں کیا۔ کیا وہ حدیثیں جو آج ان نئے مجتہدوں کو ملتی ہیں۔ ان کو نہیں ملی تھیں۔ مسلمانو! کچھ تو انصاف کرو۔ کیوں سلف صالحین کے طریق کو چھوڑتے ہو اور اپنا ایک نیا مذہب ایجاد کرتے ہو؟ دیکھو امام شافعی رحمۃ اللہ میزان ص ۱۵۳ میں فرماتے ہیں۔

من ذلک قول ابی حنیفۃ و الشافعی و احمد ان صلوة التراويح

فی شہر رمضان عشرون رکعةً و انہا فی الجماعۃ افضل مع قول

مالک فی احدی روایات عنہ انہا ستۃ و ثلاثون رکعةً۔

کہ امام ابوحنیفہ و احمد و شافعی تراویح میں رکعت فرماتے ہیں اور جماعت کے ساتھ افضل کہتے ہیں۔ امام مالک ایک روایت میں چھتیس رکعت کہتے ہیں۔ رحمۃ اللہ فی اختلاف الائمہ میں ہے۔

ومن السنن صلوة التراویح فی شہر رمضان عند ابی حنیفہ  
والشافعی و احمد و ہی عشر و ن رکعة۔

اس کے آگے فرماتے ہیں کہ امام مالک سے روایت کی گئی ہے کہ تراویح چھتیس رکعت ہے اور امام ابوحنیفہ و احمد و شافعی کے نزدیک بیس رکعت قیام اللیل ص ۹۲ میں ہے۔

رایت الناس یقومون بالمدينة تسعا و ثلاثین رکعة قال واجب  
الی عشر و ن قال و کذا لک یقومون بہ کہ۔

امام شافعی فرماتے ہیں یہیں نے لوگوں کو مدینہ شریف میں ۳۹ رکعت پڑھتے دیکھا ہے اور مجھے بیس رکعت محبوب ہیں۔ اسی طرح یعنی بیس رکعت مکہ میں پڑھتے ہیں۔

الروض المربع۔ جو فقہ حنبلی کی ایک معتبر کتاب ہے۔ اس کے مصنف نے خطبہ میں لکھا ہے کہ میں امام احمد کے معتبر قول لکھوں گا۔ اس میں لکھا ہے۔

التراویح سنة مؤکدة عشر و ن رکعة لما روی ابوبکر عبد العزیز  
فی الشافی عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی

فی شہر رمضان عشرین رکعة۔

کہ تراویح میں رکعت سنت مؤکدہ ہے۔ اس واسطے کہ شافعی میں ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم رمضان شریف میں بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے۔

معلوم ہوا کہ امام احمد کے نزدیک بیس رکعت تراویح ہیں۔  
یعنی شرح بخاری ص ۵۹۸ ج ۳ میں فرماتے ہیں۔



الثانی ان عددہا عشرون رکعة وبہ قال الشافعی و احمد و تعلقہ

القاضی عن جمہور العلماء۔

کہ امام شافعی و احمد کے نزدیک اور جمہور علماء کے نزدیک اس کی تعداد بیس رکعت ہے۔

امام مالک کے نزدیک چھتیس رکعت ہے۔ اس میں آپ نے اہل مدینہ کے عمل سے حجت پکڑی ہے۔ علامہ عینی اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ اہل مکہ بجز ترویجہ خامسہ کے ہر چار رکعت کے بعد طواف کعبہ کیا کرتے تھے۔ تو اہل مدینہ نے ان کی مساوات کے لیے ہر چار رکعت کے بعد بجائے طواف چار رکعت زیادہ کیے۔ یہ سولہ رکعتیں طواف کے عوض زیادہ کیے۔ اس لیے چھتیس پڑھتے تھے۔ اصل تراویح امام مالک کے نزدیک بیس رکعت ہیں۔ امام سیوطی نے بھی امام مالک سے چھتیس رکعت نقل کی ہیں اور فرمایا کہ اہل مدینہ نے بجائے طواف چار رکعت مقرر کیے (المصباح) معلوم ہوا کہ جس طرح آٹھ رکعت تراویح صحابہ و تابعین کے معمول کے خلاف ہے۔ اسی طرح چاروں اماموں کے بھی خلاف ہے۔ کسی امام کا مذہب آٹھ رکعت نہیں۔

**سوال :-** علامہ عینی نے شرح صحیح بخاری اور سیوطی نے مصباح میں جو ابن جوزی لکھا ہے۔ کہ امام مالک نے اپنے لیے گیارہ رکعت پسندیں۔

**جواب :-** علامہ عینی و ابن جوزی نے امام مالک کا زمانہ نہیں پایا۔ اور انہوں نے اس قول کی کوئی سند نہیں لکھی۔ تو ایسا قول جس کی سند نہ ہو۔ مقبر نہیں ہوتا بالخصوص وہ قول جو ان کے مذہب کی کتابوں کے روایات کے خلاف ہو۔ ہدایتہ المجتہدہ ۱۴۹ ج ۱ میں ہے۔

واختلفوا فی المختار من عدد الرکعات التي یقوم بہا الناس فی رمضان

فاختار مالک فی احد قولیه و ابو حنیفۃ و الشافعی و احمد و داؤد

القیام بعشیرین رکعة سوی الوتر و ذکر ابن القاسم عن مالک انه کان

یستحسن ستا وثلاثین رکعة والوتر ثلاثا۔

یعنی تراویح میں مختار عدد میں اختلاف ہے۔ ایک قول میں امام مالک ابو حنیفہ، شافعی، احمد، داؤد، ظاہری نے علاوہ وتر کے بیس رکعت پسند کیں۔ ابن تیمیہ نے امام مالک سے روایت کی کہ وہ چھتیس رکعت کو مستحسن جانتے تھے۔

معلوم ہوا کہ پاروں اماموں کا مذہب بیس رکعت تھا۔ اگر کچھ اختلاف تھا تو بیس سے زائد نہیں تھا۔ آٹھ رکعت کسی کا مذہب نہ تھا۔ نہ صحابہ کا نہ تابعین کا نہ ائمہ مجتہدین کا۔

## حضرت پیر سید عبدالقادر حیلانی رحمہ اللہ کا مذہب

غنیہ ص ۵۶۴ میں تراویح کے باب میں فرماتے ہیں۔

صلوة التراويح سنة النبي صلى الله عليه وسلم۔

کہ نماز تراویح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ پھر ص ۵۶۶ میں فرماتے ہیں۔ دہی عشر و ن رکعة۔ وہ بیس رکعت ہیں۔ یہ وہ پیر صاحب ہیں جن کی کتاب سے سند لے کر آج کل کے بے ادب و پائی اپنی کم قہمی کے سبب بڑی جرأت کے ساتھ حنیفہ کو مرجیہ کہتے ہیں اور پیر صاحب کو امام اور مجتہد مانتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں کہ انہوں نے حنیفہ کو مرجیہ کہا۔ بلکہ بعض گستاخ تو پیر صاحب کے ذمہ بہتان لگاتے ہیں کہ انہوں نے معاذ اللہ امام اعظم رحمۃ اللہ کو مرجیہ کہا۔ آج دیکھئے اسی پیر پر کیا فتویٰ لگاتے ہیں جس نے فرمایا کہ تراویح سنت ہیں۔ اور وہ بیس رکعت ہیں۔ کیا پیر صاحب کو آٹھ رکعت والی حدیث نہیں ملی کیا وہ اتباع سنت ہیں۔ تم سے کم تھے۔ یا حدیث کا مطلب سمجھنے میں تم سے کم علم تھے۔ یا وہ اہل حدیث نہ تھے بتاؤ ان پر کیا فتوے لگاؤ گے؟

امام نووی شارح مسلم اپنی کتاب الاذکار ص ۸۳ میں فرماتے ہیں۔

اعلم ان صلوة التراویح سنة با اتفاق العلماء وهي عشرون  
ركعة -

کہ نماز تراویح باتفاق علماء سنت ہے اور وہ بیس رکعت ہے۔  
دیکھو امام نووی کس پایہ کے محدث تھے۔ صحیح مسلم کے شارح تھے۔ حضرت  
عائشہ کی حدیثوں کو جانتے ہیں۔ پھر بھی بیس رکعت تراویح کی سنیت کے قائل ہوئے  
کیا ان کو اتباع سنت کا خیال نہ تھا۔ کیا وہ تم سے کم علم تھے؟

## امام غزالی رحمہ اللہ

احیاء العلوم جلد اول ص ۱۳۹ میں فرماتے ہیں۔

الثانية التراویح وهي عشرون ركعة وکیفیتها مشہورۃ وهي  
سنة موكدة -

کہ تراویح بیس رکعت سنت موكدة ہیں۔

پس اگر آٹھ رکعت تراویح کا کوئی ثبوت ہوتا تو حضرت غزالی رحمہ اللہ اس کا  
ذکر کرتے۔ بلکہ اس پر عمل ہوتے۔

## جمہور اہل اسلام کا اجماع

شیخ عبدالحق محدث دہلوی ماثبت بالسنة میں فرماتے ہیں۔

والذی اتفقوا الامر علیہ واشتہر من الصحابة والتابعین و

من بعدہم اجمعین هو العشرون من الصمد الاول الی الان۔

کہ صدر اول صحابہ کرام سے لے کر آج تک جس پر اتفاق ہو گیا۔ وہ بیس رکعت

ہی ہیں۔

تسطلنی شرح بخاری میں کہتے ہیں۔

وجمع البیہقی بینہا بانہم کانوا یقومون باحدی عشرة ثم

قاموا بعشرین وادتر وابتلاث وقد اعدوا ما وقع فی زمن  
عمر کا لاجماع -

بہت سی کہتے ہیں کہ پہلے گیارہ رکعت پڑھتے تھے۔ پھر بیس رکعت اور تین وتر  
پڑھنے لگے۔ اور جو حضرت عمر کے زمانہ میں واقع ہوا۔ انہوں نے اسے اجماع شمار کیا۔  
علامہ عینی نے بھی شرح بخاری میں - و هذا کا لاجماع لکھا ہے -  
کشف الغمہ میں ہے - واستقر الامر علی ذالک فی الامصار - کہ بیس رکعت  
پر سب شہروں میں عمل مستقر ہو گیا -

یہ بھی ممکن ہے کہ پہلے حضرت عمر نے گیارہ کا حکم دیا ہو۔ پھر امر منکشف ہو جانے  
پر بیس رکعت کی تکمیل کر دی ہو۔ یعنی حدیث بست رکعت کے مل جانے پر بیس کا حکم  
دے دیا ہو۔ علامہ شامی لکھتے ہیں -

هو قول الجمهور وعلیه عمل الناس شوقا وخرابا -

کہ بیس رکعت جمہور کا قول ہے اور اسی پر مشرق مغرب میں لوگوں کا عمل

ہے -

## بیس رکعت کی حکمت

بحر الرائق میں بحوالہ امام حلبی لکھا ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ فرض  
کے لیے سنن مکملات ہیں۔ یعنی فرضوں میں اگر کچھ نقص ہو تو سنتوں سے پورا کیا  
جائے گا۔ چونکہ فرض جمع وتر بیس رکعت ہیں۔ دو رکعت فجر۔ چار ظہر۔ چار عصر تین  
مغرب۔ چار عشاء تین وتر۔ اس لیے تراویح جو کہ سنت ہیں۔ وہ بھی بیس رکعت  
مقرر ہوئیں تاکہ مکمل اور مکمل میں مساوات ہو۔ اسی طرح درمختار میں لکھا ہے الحمد للہ  
کہ ہم بیس رکعت کے دلائل سے فارغ ہوئے۔ ان دلائل پر جو اعتراضات منجانب  
مخالفین کیے گئے ہیں۔ ان کے جوابات نہایت شرح و بسط سے دیے جا چکے ہیں  
اب ہم آٹھ رکعت والوں کے دلائل کا جواب لکھتے ہیں۔ بعون اللہ تعالیٰ و توفیقہ۔

## مخالفین کے دلائل اور ان کا جواب

آٹھ رکعت تراویح کے ثبوت میں سب سے بڑی دلیل جو پیش کی جاتی ہے، وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے جس میں انہوں نے ابوسلمہ کے جواب میں فرمایا۔

مَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَزِيدُ فِي مَعْنَانَ وَلَا فِي غَيْرِهِ عَلَى إِحْدَى عَشْرَ رَكْعَةٍ يُصَلِّي أَرْبَعًا فَلَا تَسْأَلُ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطَهْوَلِهِنَّ ثُمَّ يُصَلِّي أَرْبَعًا فَلَا تَسْأَلُ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطَهْوَلِهِنَّ ثُمَّ يُصَلِّي ثَلَاثًا قَالَتْ عَائِشَةُ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ اتْنَامُ قَبْلُ أَنْ تَوْتِرَ فَقَالَ يَا عَائِشَةُ إِنَّ عَيْنِي تَنَاهَانِ وَلَا يَنَامُ قَلْبِي۔

ابوسلمہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ حضور علیہ السلام کی رات کی نماز، رمضان شریف میں کیسی تھی؟ آپ نے جواب میں فرمایا کہ آپ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں کرتے تھے چار رکعت پڑھتے ان کی حسن و خوبی نہ پوچھو، یعنی بہت عمدگی اور طوالت سے پڑھتے، پھر چار رکعت پڑھتے ان کی عمدگی اور طول بھی قابل سوال نہیں۔ پھر تین رکعت پڑھتے ہیں نے عرض کی یا رسول اللہ کیا آپ وتروں سے پہلے سو جاتے ہیں۔ فرمایا میری آنکھیں سو جاتی ہیں اور دل نہیں سوتا۔

اس حدیث سے ثابت کیا جاتا ہے کہ حضور علیہ السلام کی نماز تراویح آٹھ رکعت تھی۔ آپ آٹھ سے زیادہ نہیں کرتے تھے۔ رمضان ہو یا غیر رمضان۔ اگرچہ ہم نیچے مفصل ذکر کر چکے ہیں کہ تہجد اور تراویح دو الگ الگ نمازیں ہیں۔ اور اس حدیث میں نماز تہجد کا بیان ہے۔ جو کہ غیر رمضان میں بھی پڑھی جاتی ہے۔ مگر آج ہم ذرا اس حدیث کو تفصیل کے ساتھ بیان کرنا چاہتے ہیں اور بفضلہ تعالیٰ ثابت کریں گے کہ اس حدیث سے نماز تراویح کے آٹھ رکعت ہونے پر

استدلال صحیح نہیں۔

یہ حدیث ہی مضطرب ہے۔ اس میں ابوسلمہ کے جواب میں حضرت پہلا جواب عائشہ فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں کرتے تھے اور کیفیت میں بیان کیا کہ چار پھر چار اور تین رکعت پڑھتے اور وتروں سے پہلے سو جاتے۔ یہی حدیث صحیح مسلم ص ۲۵۵ میں بروایت یحییٰ عن ابی سلمہ آئی ہے۔

قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ صَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ كَانَ يُصَلِّي ثَلَاثَ عَشْرَةَ رُكْعَةً يُصَلِّي ثَمَانِ رُكْعَاتٍ ثُمَّ يوترُ بِرُكْعَتَيْنِ رُكْعَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ فَإِذَا ارَادَ أَنْ يَرْكَعَ قَامَ فَرَكَعَ ثُمَّ يَصَلِّي رُكْعَتَيْنِ بَيْنَ النَّدَاءِ وَالْأَذْوَاتِ مِنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ -

اس حدیث میں ابوسلمہ کے جواب میں حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضور تیرہ رکعت پڑھتے تھے پہلے آٹھ رکعت پھر وتر پھر دو رکعت بعد وتر بیٹھ کر پھر دو رکعت سنت فجر۔

اس جواب میں اور پہلے جواب میں فرق ہے۔ اس میں گیارہ رکعت اس میں تیرہ اس میں پہلے چار پھر چار۔ اس میں پہلے آٹھ رکعت پھر وتر۔ پھر دو رکعت۔ اگر دو تین رکعت ہوں تو باقی نماز دس رکعت ہوگی۔ اگر ایک وتر ہو تو بارہ رکعت باقی نماز ہوگی اگر اس حدیث میں تراویح کا بیان ہے تو تراویح دس رکعت یا بارہ رکعت ماننی پڑے گی۔

پھر یہی حدیث صحیح مسلم ص ۲۵۵ میں بروایت یحییٰ آئی ہے کہ ابوسلمہ نے حضرت عائشہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا سوال کیا تو حضرت عائشہ نے جواب میں نو رکعت بعد وتر فرمایا۔ اگر پہلی حدیث کے مطابق وتر تین رکعت تھے تو باقی نماز چھ رکعت ہوتی۔

پھر یہی حدیث صحیح مسلم ص ۲۵۵ میں بروایت عبد اللہ بن ابی لبید عن ابی سلمہ

آئی ہے۔

أَتَيْتُ عَالِشَةَ نَقَلَتْ أُمِّي أَنَّهَا أَخْبَرْتَنِي عَنْ صَلَاةِ رَسُولِ  
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ كَانَتْ صَلَوَاتُهُ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ  
وغيره ثلاث عشرة ركعة بالليل منها ركعتا الفجر۔

اس روایت میں ابو سلمہ کے جواب میں حضرت عائشہ نے تیرہ رکعت کی نماز بچ

سنت فجر فرمائی۔

ان چاروں حدیثوں کو مسلم اپنی صحیح میں ایک ہی باب میں لایا ہے ان چاروں  
میں ابو سلمہ سائل ہے اور حضرت عائشہ جواب دیتی ہیں۔ کسی میں گیارہ رکعت کسی  
میں تیرہ کسی میں نو۔ تو اس حدیث سے یہ بھی متعین نہیں ہو سکتا کہ آنحضرت صلی اللہ  
علیہ وسلم نے گیارہ رکعت پڑھیں یا تیرہ یا نو۔ اور تہجد کی آٹھ رکعت ہے یا چھ رکعت  
یا دس یا بارہ اسی واسطے بعض محدثین نے اس حدیث کو مضطرب فرمایا اور حدیث  
مضطرب قابل حجت نہیں ہوتی۔

سیف بناری بحث حدیث عقیقہ میں اہل حدیث ۹ جون ۱۹۲۲ء میں لکھتے

ہیں۔

”بسا اوقات سند کے تمام راوی ثقہ ہوتے ہیں۔ لیکن متن حدیث  
میں اضطراب ہوتا ہے۔ اس صورت میں وہ بھی رتبہ مقبول سے  
گر جاتی ہے۔“ انتہی۔

یہ حدیث خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیثوں کے خلاف  
دوسرے جواب ہے۔ بخاری ص ۱۵۶ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت

ہے۔

كَانَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي بِاللَّيْلِ ثَلَاثَ  
عَشْرَةَ رُكْعَةً ثُمَّ يُصَلِّي إِذَا سَمِعَ النَّدَاءَ بِالصُّبْحِ رُكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ۔  
کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کی نماز تیرہ رکعت پڑھتے تھے پھر صبح کی

اذان سنتے تو دو رکعت سنت ہلکی پڑھتے۔

اس حدیث میں علاوہ سنت فجر کے تیرہ رکعت سے جو گیارہ رکعت سے یقیناً زائد ہے۔ اور اس حدیث میں حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آپ گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں کرتے تھے۔ پھر آپ ہی تیز فرماتے ہیں جو زائد ہیں۔ اسی طرح بخاری ص ۱۵۳ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

كَانَ صَلَاةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رُكْعَةً يَعْنِي بِاللَّيْلِ -

کہ حضور علیہ السلام کی رات کی نماز تیرہ رکعت تھی۔ بخاری ص ۱۵۳ میں حضرت عائشہ سے حضور علیہ السلام کی رات کی نماز سات نو گیارہ رکعت آئی ہے۔

مسند احمد جلد ۲ ص ۳ میں حضرت عائشہ سے آپ کی نماز و رکعات جمع و تراویح ہے۔ عروہ حضرت عائشہ سے رات کی نماز و رکعت اور ایک وتر روایت کرتے ہیں۔ (مسند احمد ص ۲۵ جلد ۲) آٹھ رکعت اور پانچ وتر کل تیرہ رکعت بھی حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ (مسند احمد ص ۲۵ ج ۲) آٹھ رکعت ایک قعدہ سے اور نو پر سلام پھر دو رکعت بیٹھ کر بھی آیا ہے۔ (مسند ص ۵۲-۹۶-۱۲۳۶) گیارہ رکعت ہر دو رکعت پر سلام پھر ایک وتر (مسند جلد ۲ ص ۸۳) آٹھ رکعت ہر دو رکعت پر سلام پھر پانچ وتر ایک سلام سے (مسند ص ۱۶۳ ج ۲) اسی واسطے بعض محدثین نے حضرت عائشہ کی حدیث کو مضطرب فرمایا۔ تو ایسی مضطرب حدیث سے آٹھ رکعت تراویح کا ثبوت نہیں ہو سکتا علامہ ابن حجر عسقلانی و علامہ زرقانی نے اس حدیث کا مضطرب ہونا بعض محدثین سے نقل کیا ہے۔ اگرچہ ابن حجر نے اس کا جواب دیا ہے۔ مگر ہمیں یہ دکھانا منظور ہے۔ کہ اس حدیث کو مضطرب کہنے میں ہم متفق و نہیں ہیں۔ بلکہ متقدمین میں سے بعض علماء مضطرب فرمایا ہے۔ یہی یہ بات کہ ابن حجر نے اضطراب کا جواب دیا ہے ہمیں تو اس جواب میں بھی کلام سے وہ فرماتے ہیں کہ راوی ایک ہو اور ایک ہی وقت سے سوال ہو تو اضطراب ہو سکتا ہے۔ یہاں اوقات متعددہ اور احوال مختلفہ پر



محمول ہے۔ میں کتاہوں حدیث عائشہ میں ایک ہی راوی ابوسلمہ ہے جو سوال کرتا ہے۔ اسی کے جواب میں اختلاف ہے تو اضطراب ثابت ہو گیا۔ اس حدیث کا یہ حال دیکھ کر ابن تیمیہ وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ تراویح کی تعداد کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ اگر حدیث عائشہ دربارہ تراویح ہوتی یا اس میں اضطراب نہ ہوتا تو ابن تیمیہ وغیرہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تراویح کی تعداد کے عدم ثبوت پر حزم نہ فرماتے۔

**تیسرا جواب** | اس حدیث کے تمام طرق دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ابوسلمہ نے حضور علیہ السلام کی رمضان شریف کی تہجد کا سوال کیا اور اسی کا حضرت عائشہ نے جواب دیا۔ البتہ راویوں میں سے کسی نے لفظ اللیل کو بہ سبب اختصار چھوڑ دیا اور کسی نے لفظ رمضان کو چنانچہ بخاری رحمہ اللہ کی روایت میں سوال کے یہ لفظ ہیں۔

کیف كانت صلوة رسول الله صلى الله عليه وسلم في رمضان  
اس حدیث میں راوی نے اللیل ذکر نہیں کیا۔ لیکن امام بخاری نے باب میں اللیل کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔

باب قيام النبي صلى الله عليه وسلم بالليل في رمضان وغيره -  
اہل علم سے مخفی نہیں کہ امام بخاری ترجمہ میں ایسے الفاظ نقل کرتے ہیں جو احادیث میں دوسری سند سے آتے ہیں۔ دیکھو یہی حدیث مسند احمد ص ۲۷۹ جلد ۶ میں بروایت یحییٰ بن ابی سلمہ آئی ہے۔

قال سألت عائشة عن صلوة رسول الله صلى الله عليه وسلم بالليل فقالت كان يصلي ثلاث عشرة ركعة الحديث -

اس حدیث میں سوال میں لیل کا لفظ موجود ہے۔ ابوسلمہ کہتے ہیں میں نے حضرت عائشہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز کے متعلق پوچھا تو انہوں نے تیرہ رکعت فرمایا۔ معلوم ہوا کہ ابوسلمہ کا سوال نماز تہجد سے تھا۔ اس

حدیث میں رمضان کا ذکر نہیں اور لیل کا ذکر ہے۔ پہلی حدیث میں رمضان کا ذکر ہے لیل کا ذکر نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ یہ راویوں کا اقتصار ہے۔ اصل میں سوال صلوة اللیل فی رمضان ہے اور وہ تہجد ہے۔ پس یہ حدیث تراویح کے ثبوت میں پیش نہیں ہو سکتی۔“

حدیث میں رمضان اور غیر رمضان کی تصریح ہے اور ظاہر ہے کہ چوتھا جواب غیر رمضان میں تراویح نہیں۔ تہجد ہے۔ تو معلوم ہوا کہ یہ حدیث تہجد کے بارہ میں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ سوال اَتَمَّامٌ قَبْلَ اَنْ تُوْتِرَ کہ آپ پانچواں جواب دتروں سے پہلے سو جاتے ہیں؛ اور آپ کا یہ جواب کہ میری آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتا۔ اس بات پر دلیل ہے کہ یہ سوال و جواب اس نماز کے بارہ میں ہیں۔ جو سو کر اٹھنے کے بعد پڑھی جاتی ہے اور وہ تہجد ہے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے فتاویٰ عنزیری میں بھی یہی لکھا ہے۔

”ظاہر است کہ نوم قبل از وتر در نماز تہجد متصور می شود نہ در غیر آن۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جس میں ماکان یزید فی رمضان آیا ہے۔ چھٹا جواب اس کے راوی امام مالک ہیں۔ اگر یہ حدیث تراویح کے بارہ میں ہوتی تو امام مالک رضی اللہ عنہ اپنا مذہب اٹھ رکعت تراویح قرار دیتے اور ہم چھ لکھ آئے ہیں۔ کہ امام مالک کا مذہب اٹھ رکعت نہیں قیام اللیل ص ۱۹۱ اور مدونہ مالک میں ہے۔

قال مالك بعث الى الامير واراوان ينقص من قيام رمضان الذي كان يقومه الناس بالمدينة وهو ست وثلاثون ركعة قال مالك فنهيته ان ينقص من ذلك شيئا وقلت له هذا ما ادرکت الناس عليه وهذا الامر القديم الذي لم يزل الناس عليه۔

امام مالک کہتے ہیں کہ حاکم شہر نے میری طرف آدمی بھیجا کہ مدینہ میں جو لوگ چھتیس رکعت تراویح پڑھتے ہیں یہ کم کر دی جائیں۔ امام مالک فرماتے ہیں۔ میں نے منع کیا کہ اس سے کم ہرگز نہ کی جائیں اور کہا کہ اسی پر ہم نے لوگوں کو پایا ہے۔ اور یہی امر قدیم ہے جس پر ہمیشہ لوگ قائم ہیں۔

ہم پیچھے لکھ آئے ہیں کہ اصل تراویح امام مالک کے نزدیک بھی بیس رکعت ہے اور سولہ رکعت عوض طواف زائد ہے۔ لیکن امام مالک جو حدیث عائشہ کے راوی ہیں۔ باوجود اس کے کہ ان کو یہ حدیث ملی۔ پھر بھی تراویح کی تعداد چھتیس سے کم نہ ہونے دی۔ اگر یہ حدیث دربارہ تراویح ہوتی تو آپ آٹھ رکعت تراویح اپنا مذہب ٹھہراتے اور ضرور حاکم شہر کے حکم کی تعمیل کر کے چھتیس رکعت سے کم کر کے آٹھ رکعت مقرر کرتے تاکہ سنت نبوی کا احیاء ہو جاتا اور کم وقت بھی خوش ہو جاتا معلوم ہوا کہ یہ حدیث امام مالک کے نزدیک بھی تہجد کے بارہ میں ہے۔

اس حدیث کو ابوسلمہ سے چار شخص روایت کرتے ہیں۔ سعید ساتواں جواب مقبری، یحییٰ بن ابی کثیر، محمد، عبدالقدیر بن ابی سعید۔ لیکن بجز سعید کے ابوسلمہ کے سوال میں رمضان کا لفظ کوئی بھی روایت نہیں کرتا مولوی ابراہیم سیالکوٹی رسالہ نظام الکلام میں لکھتے ہیں۔ اصطلاح محدثین میں شذوذ یہ ہے کہ کوئی ثقہ راوی کسی روایت میں ایک جماعت حفاظ کا خلاف کرے۔ حالانکہ استاد سب کا ایک ہی ہو خواہ وہ خلاف سند میں ہو۔ خواہ متن میں خواہ کسی لفظ کے زیادہ کرنے میں انتہی۔ (دیکھو المحدثین ۹ نومبر ۱۹۲۳ء) مولوی ابراہیم کے اس قول کے مطابق لفظ رمضان اس حدیث میں شاذ ہے جس کو بجز سعید دوسرا روایت نہیں کرتا۔ تاہم سب روایات کے ملاحظہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام کی تہجد کا سوال تھا کہ رمضان میں کچھ زیادہ تو نہ تھی جس کا جواب ام المومنین نے یہ دیا کہ آپ کی تہجد رمضان اور غیر رمضان میں برابر تھی۔

آٹھواں جواب ابوسلمہ نے حضرت ابوہریرہ سے سنا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

نے قیام رمضان کا ثواب فرمایا ہے تو خیال گزرا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان شریف کی تہجد میں بھی کچھ اضافہ کرتے ہوں گے۔ اس لیے حضرت عائشہ سے دریافت کیا کہ رمضان شریف میں حضور کی تہجد کی نماز کیسی تھی؟ انہوں نے جواب دیا۔ ماکان یزید..... الی آخرہ۔

یہ حدیث امام احمد نے مسند میں بھی روایت کی۔ پھر بھی آپ کا مذہب تو اس جواب [اٹھ رکعت تراویح نہیں۔ اگر یہ حدیث تراویح کے بارہ میں ہوتی تو امام احمد کیوں فرماتے؟

روی فی هذا الوان لولقبض فیہ بشیئی (ترمذی)

یعنی اس بارہ میں مختلف روایات آئی ہیں۔ کوئی فیصلہ نہیں کیا گیا۔

ہم سچے لکھ آئے ہیں کہ امام احمد کا مذہب بھی بس رکعت ہے تو معلوم ہوا کہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا امام احمد کے نزدیک بھی تراویح کے بارہ میں نہیں۔ بعض روایات میں اعداد رکعات میں فجر کی دو سنتوں کو بھی شمار کیا دسواں جواب گیا ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم کی وہ حدیث جو عبد اللہ بن ابی لبید نے ابو سلمہ سے اس نے حضرت عائشہ سے روایت کی ہے۔ اس میں فجر کی سنتوں کا ذکر ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث تہجد کے بارہ میں ہے۔ کیونکہ تہجد کے بعد جلدی صبح ہو جاتی ہے اور صبح کے بعد دو رکعت سنت فجر بھی شمار کی گئی۔ ورنہ تراویح جو کہ اول شب میں قبل از نوم پڑھی جاتی تھیں ان کے ساتھ سنت فجر کا شمار کوئی معنی نہیں رکھتا۔

گیارہواں جواب حافظ ابن حجر فتح الباری ص ۶ ج ۴ میں فرماتے ہیں۔

وسیاتی بعد خمسة ابواب من ما وایة ابی سلمة عنہا ان ذالک کان اکثر ما یصلیہ فی اللیل ولفظہ ما کان یزیدانی رمضان ولا فی غیرہ علی احدى عشر رکعة۔

یعنی حدیث عائشہ میں حضور علیہ السلام کی رات کی نماز تہجد کا اکثری عمل بیان

ہوا ہے۔ ابن حجر کی اس تصریح سے بھی معلوم ہوا کہ یہ حدیث تہجد کے بارہ میں ہے۔ تو اس کو تراویح کی تعداد کے لیے پیش کرنا صحیح نہیں۔ اور یہ عذر کہ تراویح و تہجد ایک ہی ہے۔ اس کا جواب ہم مفصل لکھ آئے ہیں۔ فلا نعیداہ۔

اس حدیث ابو سلمہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو سوال **بارہواں جواب** ہے اس کے الفاظ ہیں۔ کیف كانت صلوة رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم۔ فی رمضان۔ کہ حضور علیہ وسلم کی رمضان میں نماز کیسی تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ سوال نماز پنجگانہ کے متعلق نہیں تھا۔ ضرور کوئی اور نماز تھی جس کی بابت ابو سلمہ کو حضرت عائشہ سے دریافت کرنے کی ضرورت ہوئی۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ نماز تراویح جو کہ حضور علیہ السلام نے تین روز مسجد میں پڑھی اس میں بکثرت صحابہ موجود تھے۔ اگر ابو سلمہ اس نماز کی کیفیت پوچھتے تو کسی صحابی سے پوچھتے۔ جس نے ان دنوں میں حضور کے ساتھ نماز ادا کی ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کرنا بجز اس کے اور کوئی وجہ نہیں رکھتا کہ وہ نماز تہجد سے پوچھنا چاہتے تھے اور حضرت عائشہ بہ نسبت رجال صحابہ کے نماز تہجد کی زیادہ واقف تھیں۔ اس لیے ابو سلمہ کو ان سے تہجد کی کیفیت دریافت کرنے کی ضرورت ہوئی تو یہ حدیث نماز تراویح کے عدد کے لیے دلیل نہیں ہو سکتی۔ فللہ الحد۔

**سوال :-** اس حدیث کو امام محمد نے مؤطا میں باب قیام شہر رمضان میں ذکر کیا ہے اور عبدالحی نے حاشیہ میں اس کے معنی تراویح کیے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث تراویح کے بارہ میں ہے۔

**جواب :-** قیام رمضان جیسے نماز تراویح سے حاصل ہوتا ہے۔ نماز تہجد سے بھی حاصل ہوتا ہے۔ رمضان شریف کی تہجد پر بھی قیام رمضان بولا جاسکتا ہے۔ عبدالحی حاشیہ مؤطا ص ۱۲۹ میں زیر حدیث کان یرغب الناس فی قیام رمضان لکھتے ہیں۔

ای صلوة التراویح قالہ النووی وقال غیرہ بل مطلق الصلوة

الحاصل بہا قیام اللیل۔

علامہ زرقانی اتنا اور زیادہ کرتے ہیں۔

کا التہجد سرا و اغرب الکرمانی فی قوله الفقوان المراد  
بقیام رمضان صلوة التراويح۔

یعنی نووی کہتا ہے۔ کہ مراد قیام رمضان سے نماز تراویح ہے اور نووی کے سوا  
دوسرے کہتے ہیں کہ مطلق نماز مراد ہے جس سے قیام اللیل حاصل ہو (خواہ وہ نماز  
تراویح ہو یا تہجد)۔

پس چونکہ رمضان شریف کی تہجد پر بھی قیام رمضان بولا جاتا ہے۔ اس لیے امام  
محمد نے قیام رمضان کے باب میں تہجد کی حدیث کو ذکر کر دیا۔ واللہ اعلم  
نوٹ ۱۔ آٹھ رکعت تراویح پر زور دینے والوں کی مایہ ناز حدیث یہی تھی۔ جس کے  
مفصل جواب سے بفضلہ تعالیٰ ہم فارغ ہو چکے ہیں۔ اب ان کی دوسری دلیل سنئے۔  
حضرت جابر رضی اللہ عنہ حسن کو محمد بن نصر نے قیام اللیل میں روایت  
دوسری دلیل کیا۔ علامہ ذہبی نے بھی میزان میں نقل کیا ہے۔

قَالَ صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَمَضَانَ لَيْلَةً ثَمَانِ  
رَكَعَاتٍ وَالْوَتْرَ فَلَمَّا كَانَ مِنَ الْقَابِلَةِ اجْتَمَعْنَا فِي الْمَسْجِدِ وَرَجُونَا  
أَنْ يُخْرَجَ إِلَيْنَا فَلَمْ نَزَلْ فِيهِ حَتَّى أَصْبَحْنَا قَالَ إِنِّي كَرِهْتُ وَخَشِيتُ  
أَنْ يُكْتَبَ عَلَيْكُمُ الْوَتْرُ

جابر کہتے ہیں۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان شریف میں ایک رات  
آٹھ رکعت نماز اور وتر پڑھے۔ پھر جب اگلی رات آئی تو ہم مسجد میں جمع ہوئے ہم  
اسی امید میں رہے کہ حضور شریف لائیں گے۔ یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ مگر آپ نہ  
آئے فرمایا کہ میں ڈر گیا کہ تم پر وتر فرض نہ کر دیا جائے۔

یہ حدیث غیر مقلدین کی انتہائی دلیل ہے۔ کہتے ہیں کہ اس میں انہی راتوں کا  
ذکر ہے جن میں حضور علیہ السلام نے تراویح پڑھائی اور اس میں آٹھ رکعت کی تصریح

ہے۔ معلوم ہوا کہ تراویح آٹھ رکعت ہی سنت ہیں۔

میں کہتا ہوں یہ حدیث تراویح کے بارہ میں نہیں ہے بلکہ وتروں کے بارہ میں ہے۔ کیونکہ حدیث میں خاص تصریح ہے خشیت ان یکتب علیک الوتر۔ کہ میں تم پر وتروں کے فرض ہونے سے ڈر گیا۔ معلوم ہوا کہ یہ کوئی دوسرا واقعہ ہے جس میں حضور نے وتروں کی جماعت کرانی پھر دوسری رات کو بہ سبب خوف افتراض وتر نہ نکلے نماز تراویح تو آپ نے تین رات جماعت کرانی پھر چوتھی رات کو نہ نکلے اور اس حدیث میں ایک رات جماعت کرنا۔ پھر دوسری رات نہ نکلنا۔ مروی ہے معلوم ہوا کہ یہ کوئی اور واقعہ ہے۔ اس لیے تراویح کے ثبوت میں اس حدیث کو پیش کرنا صحیح نہیں۔“

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ اگر یہ قصہ ایک ہو تو احتمال ہے کہ جابر تبصری رات آیا ہو۔ اس وقت صحیح ہو سکتا ہے کہ پہلے قصہ ایک ثابت ہو جائے اور وہ ثابت نہیں بلکہ اس کے اس لکھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کو قصہ کے ایک ہونے کا یقین نہیں۔ اس لیے تسکیر بیان کرتے ہیں جب یہ قصہ ایک ثابت نہیں تو یہ حدیث دربارہ تراویح نہ ہوئی۔ تو اس سے تراویح کی تعداد کے لیے استدلال نہیں۔

(۲) علاوہ اس کے یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ طبرانی معجم ضعیف میں اس حدیث کے اخیر میں فرماتے ہیں۔ لایردی عن جابر بن عبد اللہ الا بهذا الاسناد۔ کہ جابر بن عبد اللہ سے یہ حدیث اسی سند کے ساتھ روایت کی گئی ہے۔ اس کی اور کوئی سند نہیں۔ اب طبرانی کی سند سنو۔

حدثنا عثمان بن عبد اللہ الطلحی الکوئی ثنا جعفر بن حمید  
ثنا یعقوب بن عبد اللہ القمی عن عیسیٰ بن جاریة عن جابر بن  
عبد اللہ قال صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی شہر رمضان الخ  
میزان الاعتدال میں ذہبی نے بھی یہی سند لکھی ہے۔ قیام اللیل میں بھی یہی

سند ہے۔

اس حدیث میں عیسیٰ بن جاریہ ہے جس پر حدیث کا مدار ہے۔  
ابن معین کہتا ہے۔ عندنا ہناکیر۔ کہ اس کے پاس منکر حدیثیں ہیں۔  
نسائی اس کو منکر الحدیث اور متروک کہتا ہے۔  
ابوداؤد بھی منکر الحدیث کہتے ہیں۔  
ساجی اور عقیلی نے اس کو ضعیف میں لکھا ہے۔  
ابن عدی فرماتے ہیں۔ احادیثہ غیر محفوظہ۔ کہ اس کی حدیثیں محفوظ  
نہیں۔ (میزان و تہذیب التہذیب)  
تقریب میں ذیلین لکھا ہے۔  
دوسرا راوی یعقوب قمی ہے جس کو میزان میں بحوالہ دارقطنی لیس بالقوی لکھا  
ہے کہ یہ قوی نہیں۔

تقریب میں صدوق بہم لکھا ہے۔  
قیام اللیل کی روایت میں محمد بن حمید رازی بھی ہیں جس کو تقریب میں ضعیف لکھا  
ہے۔

یعقوب بن شیبہ اس کو کثیر المناکیر۔  
اور بخاری ذیلہ نظر فرماتے ہیں۔  
ابوزرعہ اس کو کاذب کہتا ہے (میزان)  
اور بیہقی اپنے سنن میں کہتے ہیں کہ قوی نہیں۔  
امام بخاری جس کو ذیلہ نظر فرمائیں وہ متہم و اہی متروک الحدیث ہوتا ہے۔  
(الرفع والتکمیل ص ۲۸)  
اب ناظرین خود انصاف فرمادیں کہ جس حدیث کے راویوں کا یہ حال ہو وہ  
بھی قابل حجت ہو سکتی ہے۔ بہ گز نہیں۔  
(۳۱) تعداد رکعت کے ذکر میں عیسیٰ بن جاریہ منفرد ہیں۔ یعنی ان راتوں کی نماز میں کسی



ثقة کی روایت میں تعدا و منقول نہیں۔ صرف عیسیٰ بن جاریہ روایت کرتے ہیں۔ اور وہ ثقہ نہیں اس لیے ان کی یہ زیادت مقبول نہیں اور ہم مولوی ابراہیم سیالکوٹی کے رسالہ نظام الکلام سے ثابت کر آئے ہیں۔ کہ ثقہ بھی کوئی لفظ اپنے استادوں سے زیادہ کرے تو وہ روایت شاذ ہوتی ہے۔ چہ جائیکہ کہ ایک ضعیف راوی کوئی لفظ زیادہ کرے۔ اس کی وہ زیادہ بالاتفاق مقبول نہیں ہوتی۔

محدثین تصریح کرتے ہیں کہ کسی حدیث میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے تراویح کی تعدا ثابت نہیں۔ چنانچہ سیوطی رحمۃ اللہ مصباح میں فرماتے ہیں۔  
انما صلی لیالی لورینا کعدا رہا۔

کہ حضور نے جو نماز چند راتیں پڑھی۔ اس کا عدد مذکور نہیں۔ پھر آگے فرماتے ہیں۔

لو ثبت عدد ہا بالنص لم تجز الزیادة علیہ لاهل المدینة۔

اگر اس کی تعدا و نص سے ثابت ہوتی تو اہل مدینہ کو اس پر زیادہ کرنا جائز نہ ہوتا۔ اسی طرح ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں۔ ابن تیمیہ نے بھی ایسا ہی لکھا ہے اگر حدیث جابر صحیح ہوتی یا دوبارہ تراویح ہوتی تو محدثین ایسا کیوں لکھتے معلوم ہوا کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

سوال :- ذہبی نے میزان میں اس حدیث کی سند کو وسط فرمایا ہے یعنی درمیان ہے پھر آپ ضعیف کیوں کہتے ہیں؟

جواب :- ہم اس حدیث کا حال محدثین سے نقل کر چکے ہیں۔ پھر آپ ہی انصاف کریں کہ جس حدیث میں عیسیٰ بن جاریہ سا شخص منکر الحدیث اور متروک ہو اس کی سند وسط کیسے ہو سکتی ہے۔ ہم ذہبی کی رائے کے مقلد نہیں ہیں کہ ایسے مجروح راویوں کی سند کو وسط مان لیں۔ علاوہ اس کے ذہبی اس کی سند کو نہ صحیح کہتا ہے نہ حسن بلکہ وسط کہتا ہے اور وسط کا قابل حجت ہونا ثابت کرنا چاہیے۔

سوال :- حافظ ابن حجر نے فتح الباری کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ میں جو حدیث

فتح الباری میں لایا ہوں وہ صحیح یا حسن ہوگی۔ تو حدیث جابر فتح الباری میں موجود ہے۔ اس لیے یہ حدیث صحیح یا حسن ضرور ہوگی۔

**جواب ۱۔** ہماری تحقیق میں یہ حدیث ضعیف ہے، حافظ ابن حجر نے جو تعریف صحیح یا حسن کی شرح میں کی ہے۔ وہ تعریف اس حدیث پر صادق نہیں آتی۔ اس لیے یہ حدیث نہ صحیح ہے نہ حسن بلکہ ضعیف ہے، اگر حافظ ابن حجر کا یہ قول صحیح ہے۔ تو پھر حدیث یزید بن رومان جس کو امام مالک نے روایت کیا ہے۔ وہ بھی فتح الباری میں موجود ہے۔ اس کو کیوں منقطع کہا جاتا ہے۔ کیوں نہیں حسن یا صحیح مانا جاتا اسی طرح حدیث یزید بن خنیفہ عن السائب اور حدیث محمد بن یوسف عن السائب دربارہ میں رکعت تراویح فتح الباری میں موجود ہے۔ پھر کیوں ان کو حسن یا صحیح نہیں مانا جاتا۔ فہما ہو جو ابکو عن قول ابن حجر فہو جوابنا۔

**تیسری دلیل** | مؤطا امام مالک میں سائب بن یزید سے روایت ہے کہ حضرت عمر نے ابی بن کعب و تمیم داری کو گیارہ رکعت پڑھنے کا حکم فرمایا۔ میں کہتا ہوں کہ یہ روایت شاذ ہے اور مضطرب و جہ اضطراب یہ ہے کہ سائب سے تین شخص روایت کرتے ہیں، محمد بن یوسف و یزید بن خنیفہ و حارث بن ابی ذباب۔ محمد بن یوسف سے پانچ شخص روایت کرتے ہیں۔ امام مالک و عبد العزیز بن محمد، محمد بن اسحاق، یحییٰ بن سعید و داؤد بن قیس محمد بن یوسف سے بیس رکعت روایت کرتا ہے۔ دیکھو حدیث ۱۹ امام مالک اور یحییٰ اور عبد العزیز گیارہ رکعت محمد بن اسحاق تیرہ رکعت۔ لیکن امر حضرت عمر بجز مالک اور کوئی شاگرد محمد بن یوسف کا روایت نہیں کرتا اور یزید بن خنیفہ سے تین شخص روایت کرتے ہیں۔ ابن ابی ذئب و محمد بن جعفر دیکھو حدیث ۱ و ۲ و امام مالک دیکھو حدیث ۳ کا ضمن اور یہ تینوں بالاتفاق یزید بن خنیفہ سے بیس رکعت روایت کرتے ہیں اگر اس اضطراب کے رفع کے لیے ترجیح دی جائے تو یزید بن خنیفہ کی روایت کو دی جائے گی۔ کیونکہ اس کے تینوں شاگرد بیس رکعت پر متفق ہیں اور محمد بن یوسف کے شاگرد مختلف ہیں۔ ان میں بھی ایک

نے بیس رکعت روایت کی ہے اور اس کی تائید ان دو اثروں سے بھی ہوتی ہے۔ جس کو یزید بن رومان اور یحییٰ بن سعید نے روایت کیا ہے۔ ابن عبد البر نے بھی محمد بن یوسف کی اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ دوسری وجہ ترجیح یہ ہے کہ حازمی نے نسخ منسوخ میں لکھا ہے کہ جس روایت سے صحابہ پر کوئی الزام آتا ہو اس کو مرجوع اور جس سے الزام نہ آتا ہو۔ اس کو راجح قرار دیا جائے گا تو گیارہ رکعت کی حدیث کو ترجیح دینے سے بیس پڑھنے والے صحابہ پر مخالفت امیر کا الزام لازم آتا ہے اس لیے بیس رکعت والی کو ترجیح ہوگی۔ جس میں کوئی الزام نہیں اگر ترجیح نہ دی جائے تو سہمی کے قول موافق جمع کی جائے گی۔ ورنہ حدیث کو مضطرب ماننا پڑے گا اور شاذ کی وجہ یہ ہے کہ گیارہ رکعت کے امر فرمانے میں امام مالک منقر وہیں ان کے سوا کسی نے حضرت عمر کے گیارہ رکعت امر فرمانے کو روایت نہیں کیا۔ یہ امام مالک کا وہم ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اس حدیث کو سائب بن یزید سے تین شخص روایت کرتے ہیں۔ محمد بن یوسف یزید بن خنیفہ اور حارث بن ابی ذباب یزید بن خنیفہ اور حارث بیس رکعت روایت کرتے ہیں۔ دیکھو حدیث ۸۱۲۱ محمد بن یوسف بھی ایک روایت میں بیس رکعت روایت کرتے ہیں۔ دیکھو حدیث ۹۰۹۰ غرض کہ سائب بن یزید سے اس کے تینوں شاگرد محمد بن یوسف و یزید بن خنیفہ و حارث بیس رکعت تراویح بالاتفاق روایت کرتے ہیں۔ صرف ایک روایت میں محمد بن یوسف گیارہ کا امر روایت کرتے ہیں۔ جو سائب کے دوسرے شاگردوں کے خلاف بلکہ خود محمد بن یوسف کی اپنی روایت کے بھی خلاف ہے اس لیے اس روایت میں وہم کا یقین غالب ہے۔ اسی بنا پر ابن عبد البر نے اس روایت میں گیارہ رکعت کو وہم فرمایا۔ جیسے کہ علامہ زرقانی نے شرح موطا میں نقل کیا ہے۔

قال ابن عبد البر روی غیر مالک فی هذا الحدیث احد وعشرون

وهو الصحيح ولا اعلم احدا قال فیہ احدی عشرة الاماکن و

یحتمل ان یکون ذالک اولاً ثم خفف عنهم طول القيام و تقلم

الی احدى وعشرين الا ان الاغلب عندی ان قولہ احدى  
عشرة وهم - انتہی -

ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں (یعنی حدیث امر عمر میں) مالک کے سوا دوسروں نے اکیس رکعت روایت کی ہیں اور یہی صحیح ہے میں نہیں جانتا کہ کسی نے اس حدیث میں بجز مالک کے گیارہ رکعت کہا ہو۔ احتمال ہے کہ پہلے یہ پوچھ کر طول قیام سے تخفیف کرنے کے اکیس رکعت کر دی ہوں۔ مگر میرے نزدیک اغلب یہ ہے کہ گیارہ رکعت کا قول وہم ہے۔

میں کہتا ہوں۔ ابن عبد البر نے نہایت صحیح فرمایا۔ حضرت عمر کے گیارہ رکعت امر کرنے میں امام مالک کا کوئی متابع نہیں۔ سیوطی نے جو سعید بن منصور کی روایت میں عبد العزیز بن محمد کو متابع لکھا ہے اور آثار السنن میں یحییٰ بن سعید قطان کو یہ دونوں حضرت عمر کا امر بیان نہیں کرتے جس سے معلوم ہوا کہ امر بیان کرنے میں امام مالک منفرود ہیں۔ اگر کسی میں ہمت ہے۔ تو حضرت عمر کے امر کا کوئی متابع قوی دکھائے۔ ددو نہ خرط القناد۔ اب مولوی ابراہیم سیالکوٹی کا فیصلہ سنو جو انہوں نے رسالہ نظام الکلام میں لکھا ہے کہ تقریباً کسی روایت میں اپنے ہم استادوں کا خلاف کرے۔ خواہ کسی لفظ کے زیادہ کرنے میں یا کم کرنے میں وہ روایت شاذ ہوتی ہے اور حدیث صحیح کے لیے ضروری ہے کہ وہ شاذ سے متبراً ہو۔ (المحیط) ۹ نومبر ۱۹۲۳ء معلوم ہوا کہ امر حضرت عمر کا بجز امام مالک کسی نے روایت نہیں کیا۔ لہذا یہ روایت شاذ ہوئی جو ضعیف ہوتی ہے۔

سوال - کیا امام مالک سے وہم ہو سکتا ہے؟

جواب - ہاں آخر بشر میں اور مقتضائے بشریت سے کون خالی ہے۔

مولانا عبدالحی الرفیع والتکمیل ص ۱۹ میں فرماتے ہیں۔

قال الذہبی فی میزانہ فی ترجمة هشام بن عروة لا عبادة

بما قالہ ابو الحسن القطان من انه وسهیل بن ابی صالح اختلطا

وتغير العو الرجل تغير قليلا ولو يبق حفظه كهوني حال  
الشباب نسي بعض محفوظه اودهم فكان ماذا هو معصوم  
من النسيان. ومثل هذا يقع لهالك ولشعبه ولو كيع والكبار  
الثقات -

ڈہی میزان میں ہشام بن عمرو کے ترجمہ میں فرماتے ہیں۔ ہاں اسے تھوڑا  
تغیر ہو گیا تھا اور اس کا حفظ ایسا نہ رہا جیسا کہ زمانہ جوانی میں تھا تو بعض محفوظات  
کو بھول گیا یا اسے وہم ہو گیا تو اس میں کیا ہے۔ کہ وہ نسیان سے معصوم ہے۔  
ایسا تو مالک اور شعبہ اور وکیع اور بڑے اکابر ثقات میں بھی پایا جاتا ہے۔

مولوی ابراہیم سیالکوٹی نظام الکلام میں لکھتے ہیں کہ وہم بعض وقت بڑے لوگوں  
کو بھی لگ جاتا ہے۔ دیکھو نظام الکلام مندرجہ اہل حدیث ۳۰ نومبر ۱۹۲۳ء الحاصل  
یہ حدیث تفریق کی بنا پر ثنا ذہبی سے یا بقول ابن عبد البر وہم ہے بہر صورت  
قابل حجت نہیں۔ اس حدیث میں ابن اسحاق تیرہ رکعت روایت کرتا ہے۔  
لیکن ابن اسحاق حالت الفراء میں حجت نہیں۔ علاوہ اس کے تیرہ رکعت میں  
اگر ایک رکعت وتر مانا جائے جیسا کہ غیر مقلدین کا مذہب ہے تو نماز تراویح بارہ  
رکعت سنت ماننا بڑے گار ورنہ دس رکعت تو صرف آٹھ رکعت سنت کہنے والوں  
کا دعویٰ غلط ہو جائے گا۔

علاوہ اس کے اس حدیث میں یہ ذکر نہیں کہ ابی بن کعب کتنی رکعتیں پڑھتے  
تھے یہ ذکر تو ہے کہ حضرت عمر نے گیارہ رکعت کا حکم دیا۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ ابی بن  
کعب اس حکم کی تعمیل کس طرح کرتے تھے ہم حدیث ۴، ۵ میں مفصل لکھ آئے  
ہیں کہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بس رکعت پڑھتے تھے۔ اگر حضرت عمر نے انہیں  
گیارہ رکعت کا حکم دیا تو وہ بس کیوں پڑھتے رہے۔ انہوں نے امیر المؤمنین کے  
حکم خلاف کیوں کیا اور امیر المؤمنین کیوں خاموش رہے۔

سوال :- اس لیے خاموش رہے کہ بس رکعت پڑھنا منع نہیں تھا؟

**جواب :-** تمہارے نزدیک حضور علیہ السلام سے بیس رکعت ثابت نہیں اور جو امر حضور سے ثابت نہ ہو وہ آپ کے نزدیک بدعت و ناجائز ہوتا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ تراویح میں رکعت بدعت و ناجائز نہ ہو پھر بدعت پر حضرت عمر کیوں خاموش رہے خصوصاً جب کہ بیس رکعت پڑھنا حضور کی سنت اور حضرت عمر کے امر کے خلاف ہو۔ اس کی وجہ سوائے اس کے نہیں یا تو حضرت عمر کا گیارہ رکعت کا امر فرمانا صحیح نہیں راوی کا وہم ہے یا شاید ہے۔ یا حضور علیہ السلام سے بیس رکعت پڑھنے کا انہیں علم حاصل تھا جس کی وجہ سے انہوں نے خلیفہ کے حکم کی پرواہ نہیں کی۔ اگر ابی بن کعب کا گیارہ رکعت پڑھنا ثابت بھی ہو جائے تو بھی آخر الامر میں بیس رکعت ہی ہے جس پر اجماع متفق ہو گیا۔ جیسے کہ بیہقی و سیوطی نے لکھا ہے۔

**جواب دیگر :-** اس حدیث کو امام شافعی نے بھی امام مالک سے روایت کیا پس اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو امام شافعی اپنا مذہب بیس رکعت کیوں قرار دیتے۔ وہ بھی حضرت عمر کے حکم کے مطابق گیارہ رکعت ہی مذہب رکھتے معلوم ہوا کہ امام شافعی کے نزدیک بھی یہ حدیث قابل حجت نہ تھی۔

**جواب دیگر :-** اس حدیث کو امام مالک نے روایت کیا۔ پھر بھی اپنا مذہب آٹھ رکعت نہیں رکھا معلوم ہوا کہ ان کو بیس رکعت والی روایت جو انہوں نے یحییٰ بن سعید سے روایت کی ہے۔ اس پر اعتماد ہوتا تو آٹھ رکعت نقل کرتے ہیں اس کا جواب ہم لکھ آئے ہیں کہ غلط اور بے سند ہے۔ قابل غور امر یہ ہے کہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا۔ ماکان یزیدانی رہضان الخ۔ امام مالک ہی روایت کرتے ہیں۔ پھر حضرت عمر کا گیارہ رکعت کا امر بھی امام مالک ہی روایت کرتے ہیں۔ اپنا عمل بیس رکعت والی روایت پر رکھتے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ امام مالک کے نزدیک تراویح کے متعلق یہی روایت بیس رکعت والی صحیح ہے۔ علاوہ اس کے حضرت عمر کا حکم ایک صحابی کا قول ہے اور مخالفین مانتے ہیں

کہ صحابہ کا قول فعل حجت نہیں تو ان کے اپنے مانے ہوئے اصول کے مطابق بھی یہ حدیث حجت نہ ہوئی کیونکہ صحابی کا قول ہے۔

اگر اپنے اس اصول کو چھوڑ کر صحابی کے قول فعل کو حجت مان لیں تو بیس رکعت کا حکم بھی حضرت عمر سے ثابت ہے۔ کہا ہوا۔ اور بیس رکعت تراویح پڑھنا دوسرے صحابہ سے ثابت ہے اس لیے ان کو بھی حجت مان لینا چاہیے۔ فانہم نانہ من مزلۃ الاقدام

عن جابر جالبی بن کعب الخ حضرت جابر روایت ہے کہ ابی بن کعب مکرر دو عام صلوات اللہ علیہ وسلم کے پاس رمضان میں آئے اور عرض کی کہ یا رسول اللہ رات کو ایک بات ہو گئی کہ میرے گھرانے کی عورتوں نے کہا کہ ہم قرآن نہیں پڑھتیں تم ہمیں نماز پڑھاؤ۔ ہم تمہارے پیچھے نماز پڑھیں گی۔ تو میں نے آٹھ رکعت اور تیرہ پڑھائے۔ آنحضرت نے سن کر سکوت فرمایا۔ (قیام اللیل ص ۹)

میں کہتا ہوں اس حدیث کی سند وہی ہے جس میں محمد بن حمید رازی اور یعقوب تمی اور عیسیٰ بن جابر ہیں۔ دیکھو عون المعبود وحاشیہ البوداؤد اور ان تینوں کا حال ہم پیچھے لکھ آئے ہیں۔ کہ محمد بن حمید اور عیسیٰ بن جابر یہ ضعیف ہیں اور دارقطنی نے یعقوب تمی کو بھی کہا ہے کہ قوی نہیں۔ پس یہ حدیث بھی ضعیف ہوئی۔ واللہ الحمد۔

**سوال :-** ابن ہمام جو کہ حنفی مذہب میں بڑے پایہ کے عالم ہیں وہ آٹھ رکعت تراویح کو سنت اور بیس رکعت کو مستحب کہتے ہیں۔ اس کی وجہ کیا ہے؟  
**جواب :-** ابن ہمام کا یہ قول جمہور علماء حنفیہ کے خلاف ہے۔ بلکہ ان کے اپنے قول کے بھی خلاف ہے۔ بلکہ احادیث و آثار کے بھی خلاف ہے۔ اس لیے قابلِ عمل نہیں۔

**سوال :-** ثابت بالسنۃ میں شیخ عبدالحق نے بعض سلف سے نقل کیا ہے۔ کہ وہ عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ میں گیارہ رکعت پڑھتے تھے۔

جواب: شیخ عبدالحق رحمہ اللہ نے اس کی کوئی سند نہیں لکھی تاکہ صحت یا ضعف معلوم ہو۔ بلکہ اس کو بصیغہ تمراض لکھا ہے۔ جو ضعف پر دال ہے علاوہ اس کے اس بعض کا نام بھی نہیں لکھا کہ وہ کون تھے۔ اس لیے قابل حجت نہیں ہاں اس کے آگے جو شیخ عبدالحق صاحب نے لکھا ہے۔ وہ بھی پڑھو۔ آپ فرماتے ہیں۔

والذی استقر علیہ الامر واشتہر من الصحابة والتابعین

ومن بعدہم هو العشاون۔

کہ وہ تعداد جو کہ ٹھہر گئی اور صحابہ و تابعین اور ان کے بعد کے لوگوں میں مشہور چلا آتا ہے۔ وہ بیس رکعت ہیں۔

الحاصل نماز تراویح بیس رکعت سنت ہے صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ سے تابعین تبع تابعین و آئمہ اربعہ رضی اللہ عنہم سے بیس رکعت ہی ثابت ہیں آٹھ رکعت تراویح کسی کا مذہب نہیں۔ اہل اسلام کو اسی پر عمل کرنا لازم ہے تاکہ اختلاف سے بچ جائیں اور یہ نماز سب کے نزدیک درست ہو جائے ورنہ در صورت آٹھ رکعت پڑھنے کے جمہور صحابہ و تابعین و تبع تابعین وغیرہم کے نزدیک تارک سنت ہوگا۔

ولیکن هذا اخر ما ادرنا فی هذا الباب والحمد لله رب العالمین



# کتاب الترویج

پر

مولوی محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی<sup>ط</sup>  
کے

اعتراضات کے جوابات

## تعارف

فقیر ابو یوسف محمد شریف برادران اسلام کی خدمت میں عرض پر داز ہے۔  
کہ فقیر نے بیس تراویح کے ثبوت میں ایک کتاب لکھی ہے جو کتاب التراویح کے  
نام سے شائع ہو چکی ہے۔ الحمد للہ ذاک کہ اہل علم کے حلقہ میں اس کتاب کو بہت  
مقبولیت ہوئی۔ اپنے تو اپنے ہیں، بیگانوں نے بھی تسلیم کیا کہ اس موضوع پر یہ کتاب  
لاجواب ہے۔

سیالکوٹ کے وہابیوں نے مولوی محمد ابراہیم صاحب کو کتاب التراویح  
کا جواب لکھنے پر اکسایا۔ مولوی صاحب کو معلوم تھا کہ اس کتاب کا جواب لکھنا بہت  
مشکل ہے۔ اس لیے وہ ٹالتے رہے جب تقاضا شدت اختیار کر گیا تو انہوں  
نے بڑی جاافتحانی سے جواب لکھا جس کا نام 'انارة المصابیح لاوار صلوة التراویح'  
رکھا۔ اس رسالہ میں بظاہر تو انہوں نے میری کتاب کا جواب لکھا۔ لیکن حقیقت  
میں ثابت کر دیا کہ کتاب التراویح، ایک ایسی کتاب ہے جس کا جواب غیر مقلدین  
کے پاس نہیں۔

اپنی کتاب میں انہوں نے مجھ پر ذاتی اعتراضات اور نازیبا کلمات سے بھی  
گریز نہیں کیا۔ جن کا تذکرہ میں مناسب نہیں سمجھتا۔ البتہ ان کے اعتراضات  
اور تنقیدات کو نقل کر کے جوابات تحریر کروں گا۔ تاکہ عامۃ الاحناف کو فائدہ پہنچے  
اور اس فقیر کے حق میں دعائے خیر کریں کہ ایمان پر خاتمہ اور سرکار ابد قرار علی اللہ علیہ  
وسلم کی شفاعت نصیب ہو۔ آمین

فقیر ابو یوسف محمد شریف غفرلہ

## محل اعتراض

میں نے کتاب التراویح میں بحوالہ سنن کبریٰ سہقی سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کی حدیث لکھی کہ وہ فرماتے ہیں :-

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگ رمضان شریف میں بیس رکعت (تراویح) پڑھتے تھے۔

مولوی محمد ابراہیم صاحب نے انارۃ المصباح میں اس کا کوئی جواب نہیں دیا اور نہ ہی اس کا ضعف ثابت کر سکے۔

البتہ ہم نے کتاب التراویح میں معرفۃ السنن سہقی کے حوالہ سے ایک اور حدیث لکھی جس کی سند یہ ہے۔

اخبرنا ابو طاهر الفقیہ قال اخبرنا ابو عثمان البصری قال  
 لنا ابو احمد محمد بن عبد الوہاب قال اخبرنا خالد بن خالد  
 قال ثنا محمد بن جعفر الخ

## اعتراض

اس پر مولوی ابراہیم صاحب فرماتے ہیں :-  
 "اس میں ابو عثمان بصری راوی قابل اعتبار نہیں"

اب ملاحظہ فرمائیے ان کی تصریحات :-

(۱) حافظ ابن حجر نے تقریب میں کہا :-

المعتزلی المشہور کان داعیۃ الی البدعة اٹھہ جماعۃ

(۲) امام بخاری الضعفاء الصغیر میں فرماتے ہیں :-

عمرو بن عبید البصری ابو عثمان ترکہ یحیی القطان

(۳) امام نسائی کتاب الضعفاء والمتروکین میں فرماتے ہیں :-

عمرو بن عبید بن باب بصری متروک الحدیث ابو عثمان

(۴) حافظ صفی الدین خلاصہ میں فرماتے ہیں :-

عمرو بن عبید التیمی مولا هو ابو عثمان البصری رأس

المعتزلہ ترکہ عمرو بن علی و کذابہ یونس بن عبید۔

خلاصہ یہ کہ ایسے شخص کی روایت معتبر نہیں۔ (انارۃ المصباح ص ۲)

## جواب

میں کہتا ہوں بے شک ابو عثمان بصری عمرو بن عبید ایسا ہی ہے جیسا کہ آپ نے لکھا ہے۔ لیکن ہم نے جو حدیث لکھی ہے جسے آپ ضعیف بنانے میں کوشاں ہیں اس میں عمرو بن عبید نہیں ہے۔ آپ کی حدیث دانی کا یہ نمونہ ہے کہ آپ معلوم نہ کر پائے کہ اس حدیث میں جو راوی ابو عثمان ہے وہ عمرو بن عبید ہے یا کوئی اور، جناب والا! اگر آپ کو حدیث میں عبور ہوتا تو آپ معلوم کر لیتے کہ یہ عمرو بن عبید نہیں۔ افسوس کہ آپ کا سارا زور رائگاں گیا۔ آپ تو لکھتے ہیں کہ فن حدیث میں حقیقہ کا قدم پیچھے ہے۔ اب آپ ہی بتائیے کہ فن حدیث میں کوتاہ نظر کون ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ہندوستان میں علم حدیث حقیقہ کرام ہی لائے ہیں سب سے پہلے شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے حدیث کی اشاعت فرمائی۔ پھر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی و شاہ عبدالعزیز و شاہ اسحاق علیہم الرحمۃ سے اس کا بیج ہوا۔ مولانا احمد علی سہارنپوری نے کتب احادیث پر حواشی لکھ کر اپنے مطبع میں چھپوائیں۔ علامہ زبلی و صاحب مجمع البحار و ابن ہمام سب کے سب کون تھے؟ حقیقی تھے جن کے خوشہ چین آجکل کے اہل حدیث ہیں۔ تعجب ہے کہ یہ لوگ حقیقہ کے شاگرد ہو کر حقیقہ پر ہی طعن کرتے ہیں۔

مولوی ابراہیم صاحب! آپ مولوی غلام حسین ساہووالیہ کے شاگرد ہیں اور

وہ مولانا غلام مرتضیٰ کے شاگرد تھے، جو کہ حنفی تھے۔ آپ کے دوسرے استاد حافظ عبد المنان وزیر آبادی تھے، وہ شاگرد تھے مولوی نذیر حسین دہلوی کے اور وہ شاگرد تھے مولانا اسحاق دہلوی کے جو کہ حنفی تھے، اسی طرح آپ کے مولوی ثناء اللہ صاحب شاگرد ہیں مولانا احمد حسن کانپوری کے جو کہ حنفی تھے، مولوی ثناء اللہ صاحب کے دوسرے استاد محمود الحسن دیوبندی ہیں اور وہ بھی حنفی تھے۔ تو آپ کو سوچنا چاہیے کہ :-

نمک خوردن و نمک دان شکستن کا خردمندان نیست

## ابو عثمان بصری، عمرو بن عبد نہیں

ابو عثمان بصری جو کہ ابو احمد محمد بن عبد الوہاب سے روایت کرتا ہے، وہ عمرو بن عبد نہیں، جیسا کہ مولوی ابراہیم صاحب نے سمجھا ہے۔

(۱) بلکہ وہ عمرو بن عبد اللہ بصری ہے۔ میں نے کتاب الترادف میں تصریح بھی کر دی ہے۔ پھر کبھی مولوی ابراہیم صاحب نہ سمجھ سکے۔

(۲) علامہ ظہیر احسن شوق نیموی آثار السنن ج ۲ کے ص ۵۴ میں فرماتے ہیں۔

اما ابو عثمان البصری فهو عمرو بن عبد الله البصری راوی  
عنه ابو طاهر الفقیہ و ابو محمد الحسن بن علی بن موہل  
وغیرہما۔

یعنی عثمان بصری کا نام عمرو بن عبد اللہ بصری ہے جس سے ابو طاهر فقیہ اور حسن بن علی وغیرہ روایت کرتے ہیں۔

علامہ نیموی کی تصریح بھی مولوی ابراہیم صاحب کو نظر نہ آئی۔

(۳) خود ہی سنی کبریٰ جلد ۲ ص ۴۸۸ میں تصریح کرتے ہیں۔

ابنا ابو محمد الحسن بن علی بن الموصل ثنا ابو عثمان عمرو  
بن عبد الله البصری ثنا ابو احمد محمد بن عبد الوہاب

دیکھئے کہ حسن بن علی کا استاد اور ابو احمد محمد بن عبد الوہاب کا شاگرد ابو عثمان عمرو بن عبد اللہ بصری ہے۔ نہ کہ عمرو بن عبید۔

معلوم ہوا کہ مولوی ابراہیم صاحب نے دیدہ والستہ ایک مجروح راوی کا نام لکھ دیا۔ اگر مولوی ابراہیم صاحب کو علم حدیث کا دعویٰ ہے تو محمد بن عبد الوہاب کے تلامذہ میں سے عمرو بن عبید کا نام دکھائیے ورنہ اپنا یہ اعتراض واپس لیجئے کہ حنیفہ کا علم حدیث میں قدم چھپے ہے۔

۴۔ اس سے زیادہ توضیح سنن کبریٰ بیہقی جلد ۲ صفحہ ۲۲۰ میں ہے۔

ابنا ابو ظاہر الفقیہ انبا ابو عثمان عمرو بن عبد اللہ البصری

ثنا ابو احمد محمد بن عبد الوہاب انبا خالد بن مخلد حدیثی

محمد بن جعفر بن کثیر الخ

یہ وہی سند ہے جو ہم نے کتاب التراویح میں لکھی ہے۔ جس کے راوی کو ضعیف بنانے کے لیے مولوی ابراہیم کو راوی کا نام بدلنا پڑا۔ دیکھئے اس سند میں تصریح ہے کہ ابو عثمان کا نام عمرو بن عبد اللہ ہے نہ کہ عمرو بن عبید۔

۵۔ حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب جلد ۹ میں محمد عبد الوہاب کے ترجمہ میں ابو عثمان کا نام عمرو بن عبد اللہ لکھا ہے اور محمد بن عبد الوہاب سے روایت کرنے والوں میں اس کا نام بھی لکھا ہے۔

(۶) مولوی ابراہیم صاحب یہ بھی معلوم نہ کر سکے کہ عمرو بن عبید تو ساتویں طبقہ سے ہے اور اس کا استاد محمد بن عبد الوہاب گیارہویں طبقہ سے ہے؛ ساتویں طبقہ کا آدمی، گیارہویں طبقہ والے سے جو بہت متاخر ہے کس طرح اخذ حدیث کر سکتا ہے؛ بالخصوص جب کہ شاگرد کی موت سے ۳۴ سال گزر جانے کے بعد استاد کی پیدائش ہو۔ چنانچہ عمرو بن عبید کی موت ۱۲۳ھ میں ہوئی اور محمد بن عبد الوہاب کی پیدائش ۱۲۴ھ میں ہوئی۔ آپ خود ہی سوچئے کہ ۱۲۴ھ میں مرنے والا شخص ۱۲۳ھ میں پیدا ہونے والے شخص سے کس طرح اخذ حدیث کر سکتا ہے؛

## اب آپ خود فیصلہ کیجئے

کہ مولوی ابراہیم صاحب یا تو علم حدیث میں ناقص ہیں یا انہوں نے دیانت اور تقویٰ کو بالائے طاق رکھتے ہوئے راوی کے نام کو بدل دیا۔

## محلّ اعتراض

کتاب التراويح میں میں نے لکھا ہے کہ :-  
”حضرت عمر کے گیارہ رکعت (تراویح) کے امر کرنے میں امام مالک کا کوئی متابع نہیں۔ اگر کسی میں ہمت ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے امر کا کوئی متابع قوی دکھائے“

## اعتراض

اس پر مولوی ابراہیم صاحب انارۃ المصباح کے ص ۲۲ میں لکھتے ہیں  
”امام سیوطی اپنے رسالہ المصباح میں جہاں پر سعید بن منصور کی سنن سے عبد العزیز بن محمد کی متابعت کا ذکر کیا ہے، وہاں پر مثل کا لفظ لکھا ہے۔  
..... اور متابعات میں محدثین کا قاعدہ ہے کہ اگر متن وہی ہو تو صرف سلسلہ اسناد ذکر کرتے ہیں۔“

..... یہ امر معلوم و مسلم کل ہے کہ امام مالک اصل راوی نے گیارہ رکعات کا تقریر حضرت عمر کے امر سے ذکر کیا ہے۔ پس بموجب اصطلاح محدثین عبد العزیز بن محمد کی متابعت کا متن بھی لفظاً و معنیاً امام مالک کے متن کے موافق ہے۔“

## جواب

میں کہتا ہوں۔ مولوی ابراہیم صاحب نے محدثین کا قاعدہ بیان کرنے میں

مغالطہ سے کام لیا ہے۔ بیان کو سمجھ ہی نہیں آئی۔ ایک محدث ایک حدیث کو باسناد بیان کرتا ہے۔ پھر دوسری سند بیان کر کے 'مثلاً' یا 'نحوہ' کہہ دیتا ہے تو اس سے اس محدث کی مراد وہی متن حدیث ہوتا ہے جو اس نے پہلے باسناد بیان کیا یہ مطلب نہیں جیسا کہ مولوی ابراہیم صاحب نے سمجھا کہ ایک محدث نے ایک حدیث باسناد بیان کی، دوسرے محدث نے دوسری حدیث باسناد بیان کی پھر ایک تیسرا شخص کسی مماثلت کی وجہ سے اس حدیث کو دوسری حدیث کی مثل کہتا ہے تو وہ دونوں حدیثیں لفظاً و معنیاً موافق سمجھی جائیں گی۔ ہرگز نہیں۔

ما نحن فیہ ہیں اگر امام مالک ہی عبدالعزیز کی متابعت کا ذکر کرتے اور صرف سند لکھ کر 'مثلاً' کہہ دیتے یا سعید بن منصور حضرت عمر کا امر روایت کر کے پھر دوسری سند میں عبدالعزیز کی متابعت کا ذکر کرتے اور 'مثلاً' کہہ دیتے تو ہو سکتا تھا کہ بموجب اس قاعدہ کے دونوں کو لفظاً و معنیاً موافق کہتے۔ لیکن یہاں تو سیوطی ہی مصابیح میں سعید بن منصور کی پوری حدیث نقل کرتا ہے جس میں حضرت عمر کے امر کا ذکر نہیں لیکن وہ مثل مالک صرف گیارہ رکعت میں کہتا ہے نہ کہ امر میں۔

تعجب ہے کہ مصابیح مولوی ابراہیم صاحب کے پاس موجود ہے اور سعید بن منصور کی پوری روایت ان کی نظر سے گزری ہوگی۔ اس کے باوجود انہوں نے محدثین کے قاعدہ کی غلط فہمی سے اس متابعت کو، حضرت عمر کے امر کی متابعت ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی۔

دیکھئے سیوطی فرماتے ہیں:

وقال سعید بن منصور فی سنتہ حدثنا عبد العزیز بن محمد

حدثنی محمد یوسف سمعت السائب بن یزید یقول کنا نقول

فی زمان عمر بن الخطاب باحدی عشرۃ رکعة (الحدیث)

حدیث کے الفاظ موجود ہیں۔ اب اس کے خلاف خواہ مخواہ امر ثابت کرنا تعصب مذہبی نہیں تو اور کیا ہے؟ میں پھر کہتا ہوں کہ آپ اپنے اعوان والصار کو



بھی بلائیں اور حضرت عمر کے گیارہ رکعت کے امر کرنے میں، کوئی امام مالک کا متابع قوی دکھائیں۔

فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التي وقودها الناس  
والجاراة۔

## محل اعتراض

ہم نے کتاب التراویح میں موطا امام مالک سے تیسری حدیث یہ لکھی ہے کہ۔  
”یزید بن رومان فرماتے ہیں کہ لوگ (صحابہ و تابعین) حضرت عمر رضی اللہ  
عندہ کے زمانہ میں، رمضان شریف میں، ۲۳ رکعات پڑھتے تھے۔“  
اس کے انقطاع کا جواب ہم نے شاہ ولی اللہ کی حجتہ اللہ البالغہ سے دیا۔

## اعتراض

اس پر مولوی ابراہیم صاحب انارۃ المصابیح کے ص ۲۸ میں لکھتے ہیں؛  
”اگر یہ روایت امام مالک کے نزدیک ہوتی تو آپ کا عمل اس کے  
خلاف نہ ہوتا اور حنفی علمائے اصول بالتصریح فرماتے ہیں کہ اگر راوی  
کا عمل اپنی روایت کے خلاف ہو تو اس روایت پر عمل نہیں کیا  
جائے گا۔“

اس امر کا بیان کہ امام مالک کا اپنا مختار مذہب گیارہ رکعت کا  
ہے، امام سیوطی کی کتاب کے اقتباسات میں، ہمارے اسی رسالہ  
کے ص ۲۴ پر گزر چکا ہے کہ آپ نے فرمایا: جس پر حضرت عمر نے لوگوں  
کو جمع فرمایا تھا مجھے وہ نہایت پسند ہے اور وہ گیارہ رکعت ہیں۔  
اور وہی رسول اللہ علیہ السلام کی نماز ہے اور امام مالک کا یہ مذہب  
حنفی مذہب کے متصیب حامی علامہ عینی کو بھی تسلیم کرنا پڑا ہے۔ دیکھو

یعنی علی البخاری جلد پنجم ص ۳۵۷

## جواب

میں کہتا ہوں کہ کتاب التراویح میں یہی لکھا ہے کہ حضرت عمر کی گیارہ رکعت امر والی حدیث، امام مالک نے روایت کی پھر بھی انہوں نے اپنا مذہب آٹھ رکعت نہیں رکھا، حدیث عائشہ ماکان یزید فی رمضان امام مالک نے روایت کی پھر بھی اپنا عمل نہیں رکھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام مالک کے نزدیک بیس رکعت والی روایت صحیح ہے۔ گیارہ رکعت والی پر عمل نہیں کیا جائے گا کیوں کہ راوی کا عمل اپنی روایت کے خلاف ہے۔

ہم نے کتاب التراویح میں اس قول کا جواب دے دیا ہے جو مولوی ابراہیم نے بحوالہ جوزمی و عینی امام مالک کا مختار مذہب لکھا ہے مگر اسٹوس کہ لوگوں کو مغالطہ میں ڈالنے کے لیے پھر وہی قول لکھ دیا اور ہمارے جواب کا کوئی جواب نہ دے سکے۔ حاصل یہ کہ علامہ عینی اور جوزمی نے امام مالک کا زمانہ نہیں پایا اور انہوں نے اس قول کی کوئی سند نہیں لکھی تو ایسا بے سند قول کس طرح معتبر ہو؟ بالخصوص جو قول کتب مالکیہ کی صراحت کے خلاف ہو۔

تعجب ہے کہ خود مولوی ابراہیم صاحب یزیدین رومان کی روایت پر ہی اعتراض کرتے ہیں کہ یہ قول یزیدین رومان کا ہے جس کی کوئی سند نہیں اور سند کے بغیر کوئی روایت قابل غور نہیں ہو سکتی (امارة المصباح ص ۲۸) تو جوزمی یا عینی کا قول بلا سند کیوں مان لیا؟ -

## ہم سے سنئے

کہ امام مالک کتنی رکعت تراویح پسند کرتے تھے۔  
(۱) ایک حوالہ توبہ دایۃ المجتہد سے ہم کتاب التراویح میں نقل کر چکے ہیں کہ ایک

قول میں امام مالک، ابو حنیفہ، شافعی، احمد اور داؤد ظاہری نے وتر کے علاوہ  
بیس رکعات پسند کیں۔ دوسرا قول ابن قاسم امام مالک سے روایت کرتے ہیں  
کہ آپ ۳۶ رکعات کو پسند کرتے تھے۔

(۲) دوسرا حوالہ میزان شعرانی و رحمۃ اللہ سے کتاب التراويح میں لکھا گیا ہے مگر  
مولوی ابراہیم صاحب نے ان کا کوئی جواب نہیں دیا۔

(۳) امام سیوطی مصابیح میں لکھتے ہیں :-

وعن مالك التراويح ست وثلاثون ركعة غير الوتر لقبول نافع  
ادراك الناس وهو يقومون رمضان بتسع وثلاثين ركعة

يوترون عندها بثلاث -

امام مالک سے روایت ہے کہ تراویح کی ۳۶ رکعت بجز وتر میں اس لیے نافع  
کہتے ہیں کہ میں نے لوگوں کو رمضان شریف میں ۳۹ رکعات پڑھتے پایا جن میں  
سے تین وتر تھے۔

امام سیوطی اس کی وجہ لکھتے ہیں کہ اہل مکہ دو ترویحوں کے درمیان طواف  
کرتے تھے۔ اہل مدینہ نے طواف کی جگہ چار رکعت نماز شروع کی یعنی ہر ترویجہ کے  
بعد چار رکعت۔ نو چار ترویحوں میں سولہ رکعت ہوئیں اور بیس رکعت تراویح کی ہوتی  
تھیں۔ اس طرح کل ۳۹ رکعت ہوئیں۔

کاش مولوی ابراہیم صاحب مصابیح کی اس روایت پر نظر کرتے تو امام مالک کی  
گیارہ رکعت والی روایت پر حزم نہ کرتے!  
(۴) مدونۃ الکبریٰ جلد اول ص ۱۹۳ میں امام مالک فرماتے ہیں -

بعث الامير الى وارا ان ينقص من قيام رمضان الذي كان  
يقومہ الناس بالمدينة (قال) ابن القاسم وهو تسعة وثلاثون  
ركعة بالوتر ست وثلاثون ركعة والوتر ثلاث قال مالك  
فنيهته ان ينقص من ذلك شيئاً وقلت له، هذا ما ادركت

الناس علیہ وهذا الامر القدايو الذی لو نزل الناس علیہ۔  
 میری طرف امیر نے کسی کو بھیجا اور ارادہ کیا کہ مدینے کے لوگ جو قیام وصال  
 کرتے ہیں۔ اس میں سے کچھ کم کیا جائے۔ ابن قاسم کہتے ہیں کہ وہ ۳۹ رکعت  
 بعد وتر تھا۔ ۳۶ رکعت تراویح اور ۳ رکعت وتر۔ امام مالک نے فرمایا کہ میں نے  
 منع کیا کہ اس مقدار سے کم نہ کیا جائے اور میں نے کہا کہ اسی مقدار پر ہم نے اہل  
 مدینہ کو پایا اور یہی امر قدیم ہے جس پر لوگ ہمیشہ رہے ہیں۔  
 اب خود فیصلہ فرمائیے کہ اگر امام مالک کو گیارہ رکعت مرغوب ہوئیں تو آپ  
 اہل مدینہ کو گیارہ رکعت پر ہی لگاتے اور امیر کے کہنے پر تعداد کم کر دیتے لیکن امام مالک  
 فرماتے ہیں کہ میں نے منع کر دیا اور کہا کہ اس تعداد سے کچھ کم نہیں ہوگا۔ معلوم ہوا کہ  
 آپ ۳۶ رکعات ہی مرغوب تھیں۔

(۵) مبسوط شمس الائمہ رخصی کی جلد دوم ص ۱۲۲ میں ہے :

وقال مالك رحمه الله تعالى السنة فيهماست وثلاثون

امام مالک نے فرمایا کہ تراویح کی رکعت ۳۶ ہیں۔

معلوم ہوا کہ امام مالک کا مذہب آٹھ رکعت نہیں ہے۔

(۶) فتح الباری اور نیل الاوطار میں بھی ایسا ہی لکھا گیا ہے۔

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ امام مالک کا مذہب آٹھ رکعات نہیں تھا تو اب  
 مولوی ابراہیم صاحب کے بیان کردہ اصول کے مطابق گیارہ رکعت والی روایت پر  
 عمل نہیں ہوگا کیونکہ راوی کا د امام مالک کا، اس پر عمل نہیں ہے۔

## اعتراض

مولوی ابراہیم صاحب انارۃ المصابیح کے ص ۲ پر لکھتے ہیں۔

”وہ ۱۰ ائمہ مجتہدین، تمام کے تمام بیس رکعات والی مرفوع روایت کو

ضعیف کہتے ہیں اور آٹھ والی کو بالاتفاق صحیح جانتے تھے۔“

## جواب

میں کہتا ہوں محدثین علیہم الرحمۃ تو تصریح کرتے ہیں کہ نماز تراویح کی تعداد رسول کریم سے ثابت نہیں۔ اگر وہ آٹھ والی کو صحیح جانتے تو تعداد رکعت کے عدم ثبوت کی تصریح کیوں کرتے؟

(۱) امام سیوطی مصابیح میں کئی وجوہ سے ثابت کرتے ہیں کہ قیام رمضان کی رکعات کی تعداد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔  
ان العلماء اختلفوا فی عددھا ولو ثبت ذالک من فعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یختلف فیہ۔

تراویح کی تعداد میں علماء کا اختلاف ہے۔ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے تعداد ثابت ہوتی تو اختلاف نہ ہوتا۔

(۲) یہی سیوطی مصابیح میں سبکی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ وہ شرح منہاج میں لکھتے ہیں:

لو یقل کو صلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم تک الیالی هل هو

عشرون اوئل۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں کہ آپ نے ان راتوں میں کتنی رکعات (تراویح) پڑھیں۔ کیا بیس پڑھیں یا بیس سے کم؟

(۳) ابن تیمیہ فرماتے ہیں۔

انه لو یوقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی التراویح

عددا معینا بل لا یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی ثلاث

عشرة رکعة۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۱۷۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح میں کوئی عدد معین نہیں فرمایا۔ بلکہ آپ رمضان وغیر رمضان میں تیرہ رکعت سے زیادہ نہیں کرتے تھے یعنی

تجد میں

(۴) امام شوکانی نیل الاوطار جلد ۳ ص ۲۲ میں لکھتے ہیں۔

والحاصل ان الذی دلت علیہ احادیث الباب وما یشابھهما  
هو مشروعیة القیام فی رمضان والصلوة فیہ جماعة و  
فرادی فقصر الصلوة المسماة بالتراویح علی عدد معین و  
تخصیصها بقراءة مخصوصة لیریدہ سنة۔

حدیث باب سے جو ثابت ہوتا ہے وہ قیام رمضان کی مشروعیت اور اس  
میں جماعت سے یا کیلئے نماز پڑھنا ہے، پس تراویح کا کسی عدد معین پر قصر  
کرنا یا کسی قرأت مخصوصہ کے ساتھ خاص کرنا، سنت ہیں وارد نہیں ہوا۔  
یعنی سنت سے عدد معین و قرأت مخصوصہ ثابت نہیں۔ نواب صدیق حسن  
بھی مسک الحتام میں ایسا ہی لکھتے ہیں۔

(۵) امام سیوطی مصباح میں لکھتے ہیں۔

انما صلی لیلالی صلوة لیریدنا کر عددہا۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے چند راتیں جو نماز پڑھی اس کی تعداد کو نہیں۔  
پھر آگے فرماتے ہیں اگر نفل کے ساتھ تراویح کی تعداد سرور عالم صلی اللہ علیہ  
وسلم سے ثابت ہوتی تو اہل مدینہ کو اس پر زیادہ کرنا جائز نہ ہوتا۔

معلوم ہوا کہ محدثین کے نزدیک نماز تراویح کی تعداد ثابت نہیں۔ اگر کوئی  
حدیث آٹھ رکعت والی صحیح ہوتی تو محدثین یہ کبھی نہ لکھتے کہ نماز تراویح کی تعداد رسول  
کریم سے ثابت نہیں۔

میں مولوی ابراہیم صاحب سے پوچھتا ہوں کہ وہ کونسی حدیث ہے جسے  
محدثین بالاتفاق صحیح مانتے ہیں اور اس میں نماز تراویح کی آٹھ رکعت کا ذکر ہے۔  
اگر حدیث عائشہ ہے

تو وہ دربارہ تراویح نہیں۔ کہا فصلناہ فی کتاب التراویح۔

محمد بن نصر روزی، جسے مولوی ابراہیم صاحب نے اپنی کتاب انارہ ص ۲ میں بڑے پایہ کے امام حدیث لکھا ہے، وہ اپنے رسالہ قیام کے ص ۹ میں تراویح کی تعداد رکعات کا باب باندھتے ہیں۔ لیکن حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا، اس میں نہیں لاتے۔ اگر یہ حدیث دربارہ تراویح ہوتی تو مروزی اس باب میں ضرور لکھتے۔ انہوں نے اس حدیث کو قیام اللیل ص ۴۷ میں صلوٰۃ اللیل کی تعداد میں لکھا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث تراویح کے بارہ میں نہیں ہے، علاوہ ازیں اس حدیث کو بھی بعض محدثین نے مضطرب کہا ہے۔ تو مولوی ابراہیم صاحب کا یہ کلیہ کہ تمام کے تمام آٹھ رکعت والی کو بالاتفاق صحیح مانتے ہیں۔

## اگر حدیث جابر ہے

تو یہ بھی تراویح کے بارے میں نہیں اور محدثین نے اس کے راوی عیسیٰ بن جاریہ پر جرح کی ہے۔ تو یہاں بھی مولوی ابراہیم صاحب کا کلیہ غلط ہوا۔ مولوی ابراہیم صاحب نے حدیث جابر کو بلاشبہ صحیح کہہ دیا اور الحدیث ص ۲۰ دسمبر ص ۴۷ لیکن ہم نے کتاب التراویح میں عیسیٰ بن جاریہ، یعقوب ثقی اور محمد بن حمید پر جرح نقل کی ہے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ مولوی ابراہیم یہ بھی لکھتے ہیں کہ حافظ ابن حجر وغیرہ محدثین نے بھی اسے (حدیث جابر) کو صحیح کہا ہے دہل حدیث ص ۲۰ دسمبر ص ۴۷ ذرا حوالہ تو دیا ہوتا کہ ابن حجر وغیرہ محدثین نے کس کتاب میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

## اگر حدیث امر حضرت عمر ہے

تو وہ مرفوع نہیں۔

بیس رکعت والی حدیث

کے متعلق بھی مولوی صاحب کا کلیہ غلط ہے۔ کیونکہ کہ ابن عدی اس کے

اس راوی کے متعلق جس کے سبب سے حدیث کو ضعیف کہا جاتا ہے،  
فرماتے ہیں:-

لہ احادیث صالحۃ -

کہ اس کی حدیثیں احتجاج کی صلاحیت رکھتی ہیں -

نیز محدث دہلوی فرماتے ہیں -

کہ ابوشیبہ ان قدر ضعف ندار و کہ روایت او مطروح مطلق ساختہ مشود -

ہم نے کتاب التراویح میں اس حدیث کے ضعف کے پانچ جواب دیے  
ہیں مگر مولوی ابراہیم صاحب نے کسی کا جواب نہیں دیا اگر ان کو حدیث دانی کا  
دعوئی ہے تو جواب دیا جائے۔ ورنہ ماننا پڑے گا کہ اس زمانہ کے حنفی بفضلہ تعالیٰ  
آپ سے زیادہ حدیث میں مہارت رکھتے ہیں -

اگر یہ کہا جائے

کہ جب محدثین تصریح کرتے ہیں کہ تراویح کی تعداد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم  
سے ثابت نہیں تو معلوم ہوا کہ بس رکعت بھی ثابت نہیں -

میں کہتا ہوں، بے شک جن راتوں میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح  
کی نماز پڑھائی۔ ان میں تعداد مذکور نہیں۔ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا محمول برتجد ہے  
حدیث جابر بھی دربارہ تراویح نہیں اور وہ عیسیٰ بن جاریہ کے سبب سے قابل  
حجت نہیں۔ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ جس میں بس رکعت کا ذکر ہے وہ  
کسی حدیث صحیح کے معارض نہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل اور ائمہ اربعہ رضی اللہ  
عنہم کا عمل اس کو تقویت دیتا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے کتاب التراویح -

آٹھ رکعت تراویح کی نہ کوئی حدیث ہے نہ ائمہ اربعہ میں سے آٹھ تراویح  
کسی کا مذہب ہے۔ محدثین رضی اللہ عنہم بس رکعت پر صحابہ کا اجماع نقل کیا ہے  
گویہ اجماع مولوی ابراہیم صاحب کے خیال میں خیالی ہے مگر آٹھ رکعت تراویح



پر کسی محدث نے خیالی اجماع بھی نقل نہیں کیا۔

## مولوی ابراہیم صاحب کی غلط بیانی

قدرت کے دست تصرف سے مولوی ابراہیم صاحب سے کچھ ایسے اغلاط صادر ہوتے ہیں جن سے ان کی علمیت پر بدناما دھبہ لگ جاتا ہے۔ چنانچہ انارۃ المصباح کے ص ۱۶ پر لکھتے ہیں۔

”تراویح کے متعلق عدد مستحب کی نسبت علماء کے بہت سے مختلف اقوال ہیں۔ (پھر بہت سے اقوال لکھے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے)

۴۱ رکعت مع وتر، ۴۰ اور ۷ وتر، ۳۸ اور ۱ وتر، ۳۶ اور ۳ وتر،

۳۴، ۲۸، ۲۴، ۲۰ (دیکھئے مولوی صاحب ۲۰ کو بھی قدر مستحب

میں شمار کرتے ہیں)“

اس فہرست میں ۱۱ کا ذکر اس لیے نہیں کیا گیا کہ گیارہ کی تعداد مسنون تعداد سے جسے مولوی ابراہیم صاحب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث میں ثابت و قائم رکھتے ہیں۔ ان کا شمار بوجہ مسنون ہونے کے قدر مستحب میں نہیں آسکتا۔

## میں کہتا ہوں

علامہ عینی نے تراویح کے متعلق جو مختلف اقوال نقل کیے ہیں مولوی ابراہیم صاحب کہتے ہیں کہ اس فہرست میں ۱۱ رکعت کا ذکر نہیں۔ وجہ یہ بیان کی کہ گیارہ کی تعداد مسنون نبوی ہے حالانکہ علامہ عینی نے ۱۱ رکعت کا ذکر بھی کیا ہے (ملاحظہ فرمائیے عینی شرح بخاری جلد پنجم ص ۳۵۷ سطر ۳۲) اس میں لکھا ہے :-

وقیل احدی عشرة رکعة۔

مولوی صاحب نے یہ غلط بیانی دیدہ و دانستہ کی کیونکہ وہ خود علامہ عینی کے اس مقام کا جس میں گیارہ رکعات کا ذکر ہے، انارۃ المصباح ص ۱۲۹ میں حوالہ دیتے

ہیں چنانچہ لکھتے ہیں۔

”امام مالک کا یہ مذہب حنفی مذہب کے متعصب حامی علامہ عینی کو بھی تسلیم کرنا پڑا ہے۔ دیکھو عینی علی البخاری ص ۳۵۶“  
یہ وہی مقام ہے جہاں علامہ عینی نے قدر مستحب کی فرست میں گیارہ رکعات کا ذکر کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مقام مولوی ابراہیم صاحب نے دیکھا اور انارۃ المصباح میں اس کا حوالہ دیا۔ پھر ویدہ والنسۃ جھوٹ لکھ دیا کہ قدر مستحب میں علامہ عینی نے گیارہ رکعات کا ذکر نہیں کیا۔

مولوی صاحب کی اس تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ سنت نبوی پر مستحب کا اطلاق نہیں ہو سکتا حالانکہ نووی نے شرح مسلم میں نماز تراویح کے متعلق لکھا ہے:  
اتفق العلماء علی استحبابها  
شوکانی نیل میں لکھتے ہیں:-

استدل به ایضا علی استحباب صلوة التراويح -

تو لقبول مولوی ابراہیم صاحب ثابت ہوتا ہے کہ نووی و شوکانی کے نزدیک مطلقاً نماز تراویح سنت نبوی نہیں کیونکہ مستحب فرما رہے ہیں اور مستحب کا اطلاق سنت نبوی پر نہیں ہوتا دیکھئے انارۃ المصباح ص ۱۶، نیز انارہ کے ص ۱ پر ابن حجر کی مہتمی کو حنفی لکھ دیا حالانکہ وہ شافعی تھے۔ مولوی صاحب کو یہ بھی پتہ نہیں کہ وہ حنفی تھے یا شافعی۔ یا اگر پتہ تھا تو حنفیہ کو مغالطہ دینے کے لیے ایک شافعی کو حنفی لکھ دیا تاکہ اس کا قول حنفیہ پر موثر ہو۔ مگر یہ نہ سمجھے کہ کوئی حنفی اس غلطی کو فاش کر دے گا تو علمیت پر حرف آئے گا۔ واللہ العالی۔

## علمائے حنفیہ کی تصریحات

شیخ عبدالحی لکھنوی

جن کو مولوی ابراہیم صاحب نے زمانہ حال کے حنفیہ میں تبحر علوم اور حدیث دانی

میں بے مثل لکھا ہے۔ (انارۃ المصباح ص ۱۶) وہی مولانا عبدالحمیدی اپنا فیصلہ تحفۃ الاخیر  
ص ۲۱۵ میں لکھتے ہیں۔

و خلاصۃ ما ذکرنا وهو الذی استقر علیہ عن شراہینا  
ان نفس قیام رمضان سنۃ موکدۃ و ان سنۃ فی جمیع  
لیالی رمضان و ان اقامتہ بالجماعۃ ایضا سنۃ موکدۃ و ان  
من اخل بشئی من هذا یا آثم الا ان المخل بالامور الثلاثة  
الاول یا آثم اما کبیرا المخالفة النبویة و المخل بالامر  
الرابع یا آثم اما لیسیر المخلافة سنۃ الخلفاء۔

اس کا خلاصہ یہ ہے اور اسی پر ہماری رائے قائم ہے کہ نفس قیام  
رمضان سنت موکدہ ہے اور سارے رمضان میں قیام سنت ہے اور جماعت  
بھی سنت موکدہ ہے اور تراویح کا بیس رکعت ہونا بھی سنت موکدہ ہے جو  
شخص ان چاروں میں سے کسی امر میں کوتاہی کرے گا وہ گناہگار ہے۔ ہاں پہلے  
تین امور میں کوتاہی کرنے والا بھی گناہگار ہے مگر اس سے کچھ کم۔ کیونکہ وہ سنت  
خلفاء کی مخالفت کا مرتکب ہوا ہے۔

یہ ہے علامہ عبدالحمیدی کی تحقیق کا حاصل کہ بیس رکعت تراویح نہ پڑھنے والا گناہگار  
ہے اگرچہ نسبتاً اس کا گناہ کچھ کم ہے مگر گناہ ضرور ہے۔

یہی شیخ عبدالحمیدی فتاویٰ جلد سوم کے ص ۵۸ میں فرماتے ہیں :-

"حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا تہجد پر محمول ہے جو کہ رمضان وغیر رمضان  
میں کیساں تھی۔ غالباً بعد وتر گیارہ رکعت تھی۔ اس عمل پر دلیل یہ ہے کہ  
اس حدیث کا راوی ابو سلمہ اس حدیث کے تتمہ میں کہتا ہے کہ حضرت  
عائشہ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ! کیا آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو  
جاتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا اے عائشہ! میری آنکھیں سو جاتی  
ہیں دل نہیں سوتا۔ اس کو بخاری مسلم نے روایت کیا۔ نماز تراویح

کو اس وقت کے عرف میں قیام رمضان کہتے تھے۔ صحاح ستہ میں بروایت صحیحہ مرفوعہ قیام رمضان کا عدد معین مصرح نہیں۔ اس قدر ہے کہ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں عبادت میں اس قدر کوشش فرماتے تھے جو دوسرے مہینوں میں نہیں فرماتے تھے۔ یعنی آپ کی کوشش و اجتہاد عبادت میں بہ نسبت دوسرے مہینوں کے رمضان شریف میں زیادتی ہوتی تھی لیکن مصنف ابن ابی شیبہ و سنن بیہقی میں بروایت ابن عباس آیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بغیر جماعت بیس رکعت (تراویح) اور وتر پڑھتے تھے اور بیہقی سنن میں بسند صحیح روایت کرتے ہیں کہ سائب بن یزید صحابی فرماتے ہیں کہ حضرت عمر کے زمانہ میں ماہ رمضان میں لوگ بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔ (انتہی ترجمہ)

### معلوم ہوا

- (۱) کہ مولوی عبدالحی صاحب کی تحقیق یہی ہے کہ تراویح بیس رکعت سنت موکدہ ہے۔
- (۲) اس سے کم پڑھنے والا گناہگار ہے۔
- (۳) تراویح کی تعداد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مصرح نہیں۔
- (۴) حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا تہجد پر محمول ہے۔
- (۵) اور حدیث سائب بن یزید، جس میں حضرت عمر کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح کا پڑھنا آیا ہے، صحیح ہے۔

### علامہ زبیدی

جن کی حدیث دانی مولوی ابراہیم صاحب کے نزدیک بھی مسلم ہے، وہ

تخریج ہدایہ کے باب قیام رمضان میں حدیث جابر نقل کرتے ہیں لیکن اس کو صحیح نہیں فرماتے۔ مولوی ابراہیم صاحب نے غلط لکھا ہے کہ آٹھ رکعت والی حدیث سب کے نزدیک صحیح ہے۔ پھر وہ دس رکعت نقل کرتے ہیں پھر تیرہ جس سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک آٹھ رکعت کی تعیین صحیح نہیں۔ پھر حدیث سائب بن یزید نقل کرتے ہیں کہ ہم حضرت عمر کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے اس حدیث کی سند کو بحوالہ نووی صحیح فرماتے ہیں۔ یہ وہی حدیث ہے جس کو مولوی ابراہیم صاحب ضعیف کہتے ہیں اور ایک راوی کو بدل دیتے ہیں۔ جس کا جواب ہم گذشتہ صفحات میں دے چکے ہیں۔ انوس کہ مولوی ابراہیم صاحب نے اس حدیث کو ضعیف لکھ دیا مگر علامہ زلیعی کی تصحیح سے چشم پوشی کی۔ پھر علامہ زلیعی موطا کی دونوں روایتوں میں بحوالہ بیہقی تطبیق نقل کرتے ہیں کہ۔

انہو قاموا باحدای عشرة ثم قاموا العشرین

کہ حضرت عمر کے زمانہ میں پہلے آٹھ رکعت پڑھیں پھر انہوں نے بیس رکعات پر قیام کیا۔ یعنی آخر الامر بیس رکعات ہی مقرر ہو گئیں۔ معلوم ہوا کہ علامہ زلیعی کے نزدیک ان دونوں روایتوں میں یہی تطبیق صحیح ہے جو بیہقی نے کی ہے۔

شیخ ابن ہمام

نے جو فرمایا ہے اس کا جواب ہم کتاب التراویح میں دے چکے ہیں۔

علی قاری

جو کہ حنفیہ میں بڑے پایہ کے محدث گزرے ہیں شرح شفاء جلد اول ص ۲۶۸

میں فرماتے ہیں۔

وقد راوی انه صلی الله علیه وسلم خرج لیلۃ فی شہر رمضان

فصلی بالقوم عشرین رکعة واجتمع الناس فی اللیلۃ الثانیۃ

فخرج وصلى بهو فلما كانت اللية الثالثة كثر الناس ولم  
يخرج وقال عرفت اجتماعكم لكن خشيت ان تفرض  
عليكم -

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ رمضان شریف میں  
ایک رات نکلے اور قوم صحابہ کو بیس رکعات نماز پڑھائی دوسری رات لوگ  
زیادہ جمع ہو گئے پھر آپ نے نماز پڑھائی تیسری رات کو لوگ بہت جمع  
ہو گئے تو حضور علیہ السلام نہ نکلے اور فرمایا مجھے تمہارا اجتماع معلوم تھا  
لیکن میں ڈر گیا کہ تم پر فرض نہ ہو جائے۔  
یہی علی قاری شرح مشکوٰۃ شریف میں بیس رکعت تہ اویح پر اجماع نقل کرتے  
ہیں۔ واللہ اعلم۔

# کتاب البرکات

## نمازِ جنازہ دعائے

جانتا چاہیے کہ نمازِ جنازہ حقیقت میں دعائے میت کے لیے استغفار۔  
اسی واسطے اس میں نہ رکوع ہے نہ سجود اور نہ ہی قرأت۔ چونکہ دعا کو لعنت میں  
صلوٰۃ بھی کہتے ہیں۔ اس لیے جنازہ کو صلوٰۃ کہا گیا۔ طہارت اور استقبال قبلہ کا شرط  
ہونا اسے حقیقتاً نماز نہیں بنا سکتا۔ جس طرح سجدہ تلاوت میں طہارت و استقبال  
قبلہ شرط ہے مگر وہ حقیقتاً نماز نہیں۔

شمس الائمہ نسرخسی، بسوط جلد ۲ ص ۶۷ میں فرماتے ہیں:

لان هذا ليست بصلوة على الحقيقة اما هي دعاء واستغفار  
للميت الاترى انه ليس فيها ارکان الصلوة من الركوع  
والسجود والتسمية بالصلوة لما بينا فيما سبق ان الصلوة  
في اللفه الدعاء واشتراط الطهارة واستقبال القبلة فيها  
لا يدال على انها صلوة حقيقة وان فيها قرأة كسجدة التلاوة

کیونکہ یہ (جنازہ) حقیقتاً نماز نہیں ہے۔ یہ تو میت کے لیے دعا اور استغفار ہے۔  
کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اس میں نماز کے ارکان رکوع و سجود نہیں ہیں جیسا کہ ہم پہلے بیان  
کر چکے ہیں کہ لعنت میں صلوٰۃ کو دعا کہتے ہیں۔

اس میں طہارت اور استقبال قبلہ کی شرط اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ  
جنازہ حقیقتاً نماز ہے اور اس میں قرأت ہے سجدہ تلاوت کی طرح۔

## نمازِ جنازہ کا ثواب

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم  
نے فرمایا ہے۔

من اتبع جنازة مسلوا يمانا واحتسابا وكان معه حتى يصلي



عليها ويفرغ من دفنها فانه يرجع من الاجر بقيراطين  
كل قيراط مثل احد ومن صلى عليها ثور رجع قبل ان  
تدفن فانه يرجع بقيراط (متفق عليه)

جو شخص کسی مسلمان کے جنازہ پر ایمان اور طلبِ ثواب کے لیے جائے اور اس  
پر جنازہ پڑھے اور دفن کے بعد فارغ ہو کر آئے تو اسے دو قیراط کے برابر ثواب ہوگا  
ہر ایک قیراط احد پہاڑ کے برابر ہوگا اور جو شخص جنازہ پڑھ کر دفن سے پہلے ہی آجائے  
تو اسے ایک قیراط ثواب ہوگا (بخاری و مسلم)

عن ابی سعید الخدری انه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم  
يقول خمس من عملهن في يوم كتبه الله من اهل الجنة  
من عاد مريضا وشهد جنازة وصام يوما وراح الى الجمعة  
واعتق رقبة (ترغيب ص ۶۲۴)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص دن میں ان پانچ چیزوں پر عمل  
کرے اللہ تعالیٰ اس کو اہل جنت میں لکھ دیتا ہے۔ مریض کی عیادت کرے، جنازہ  
کی نماز پڑھے، روزہ رکھے، جمعہ پڑھے اور غلام آزاد کرے۔

## میت کو نماز جنازہ کا فائدہ

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔  
سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ما من رجل مسلم  
يموت فيقوم جنازته اربعون رجلا لا يشركون بالله  
شيئا الا شفعم الله فيه (رواه مسلم)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان مرجانے اور اس کے جنازہ  
پر چالیس آدمی کھڑے ہوں جنہوں نے شرک نہ کیا ہو تو اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت  
اس میت کے حق میں قبول فرمائے گا۔

(ایک روایت میں سوا آدمی آیا ہے)

معلوم ہوا کہ پھلوں کا عمل مردوں کو نفع پہنچاتا ہے، کیونکہ نماز جنازہ دوسرے عمل کا عمل ہے جس نے میت کو نفع پہنچایا۔ اسی طرح جس جنازہ پر تین صفیں ہوں، اللہ تعالیٰ اس میت کے لیے جنت واجب کر دیتا ہے، اسی لیے حضرت مالک بن ہیرہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما من مسلم يموت فصيلي عليه ثلاثة صفوف من المسلمين  
الا اوجب الجنة

جو شخص مر جائے اور اس پر مسلمانوں کی تین صفیں نماز جنازہ پڑھیں، اللہ تعالیٰ اس میت کے لیے جنت واجب کر دیتا ہے۔

اسی واسطے جب آدمی کم ہوتے تو حضرت مالک بن ہیرہ تین صفیں بنا لیتے تھے اس روایت کو ابو داؤد و ترمذی نے روایت کیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ میت کی نجات کے واسطے اگر مسلمان کوئی حیلہ کریں تو جائز ہے۔ چنانچہ کم آدمیوں کی صورت میں حضرت مالک بن ہیرہ تین صفیں بنا لیا کرتے تھے۔

## نماز جنازہ میں قرائت نہیں

امام مالک اپنی موطا میں سعید بن ابی سعید مقبری سے وہ اپنے باپ سے روایت کرتا ہے کہ اس نے ابو ہریرہ سے سوال کیا:

کیف تصلي على الجنابة

آپ جنازہ کی نماز کس طرح پڑھتے ہیں؟

تو ابو ہریرہ نے فرمایا:

انا لعمر الله اخبرك

اللہ کی بقا کی قسم میں تمہیں بتاتا ہوں۔

اتبعها من اهلها فاذا وضعت كبرت وحمداة الله وصليت  
 على نبيه ثم اقول اللهم عبدك وابن عبدك وابن امتك  
 قال يشهد ان لا اله الا انت وان محمدا عبدك ورسولك  
 وانت اعلم به اللهم ان كان محسناً فزدني احسانه وان  
 كان سيئاً فتجاوز عن سيئاته اللهم لا تحرمنا اجراً ولا تفتننا  
 بعداً

میں جنازہ کے گھر سے اس کے ساتھ ہوتا ہوں پس جب وہ رکھا جاتا ہے میں تکبیر  
 کرتا ہوں اور اللہ کی حمد کرتا ہوں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر دو مرتبہ پڑھتا ہوں۔ پھر یہ دُعا  
 پڑھتا ہوں اللهم عبدك الخ

علامہ زرقانی شرح موطا میں اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں :  
 فيه انه لم يكن يرى القراءة في صلاتها  
 اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ابو ہریرہ نماز جنازہ میں قرأت لازم نہیں  
 جانتے تھے۔

یہی حدیث موطا محمد میں امام محمد نے روایت کی اور فرمایا  
 وقال محمد وبهذا اناخذ لا قراءة على الجنائز وهو قول  
 ابى حنيفة رحمه الله تعالى -  
 امام محمد فرماتے ہیں کہ ہم اسی پر عمل کرتے ہیں کہ جنازہ کی نماز میں قرأت نہیں  
 اور یہی امام حنیفہ کا قول ہے۔  
 آثار امام محمد میں روایت ہے۔

اخبرنا ابو حنيفة عن حماد عن ابراهيم قال لا قراءة على الجنائز  
 ولا ركوع ولا سجود الخ

ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ نہ قرأت ہے اور نہ ہی رکوع و سجود۔  
 پھر اسی آثار میں امام محمد ابراہیم نخعی سے روایت کرتے ہیں۔

ليس في الصلوة على الميت شئ موقت ولكن ابتداء وحمد  
الله وتصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وتدعوا اللہ  
لنفسک وللمیت بما اجبت -

نماز جنازہ میں کوئی موقت شئی نہیں لیکن ابتداء کر کے، اللہ کی حمد کر کے، نبی  
صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھ کر کے، اپنے لیے اور میت کے لیے جو پسند کرے  
دعا کرے۔

پھر ابراہیم نخعی سے تصریح ہے کہ

الاولی علی الثناء علی اللہ والثانیة صلوة علی النبی صلی اللہ علیہ  
وسلم والثالثة دعاء للمیت والرابعة سلو تسلمو قال محمد  
وبہ ناخذ وهو قول ابی حنیفة رحمہ اللہ

پہلی تکبیر کے بعد ثناء، دوسری کے بعد درود شریف، تیسری کے بعد میت  
کے لیے دعا، چوتھی کے بعد سلام۔ امام محمد کہتے ہیں کہ ہم اسی پر عمل کرتے ہیں اور یہی  
قول ہے حضرت امام ابو حنیفہ کا۔

موطا امام مالک میں نافع روایت کرتے ہیں:

ان عبد اللہ بن عمر کان لا یقرأ فی الصلوة علی الجنائز  
عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جنازہ کی نماز میں قرأت نہیں پڑھتے تھے  
محمد بن علیہم الرحمة حضرت عبد اللہ بن عمر کو شدید الاتباع لکھتے ہیں۔ رسول کریم  
صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں وہ بہت سخت تھے۔ ایک ایسا صحابی جو اتباع رسول  
میں سزا کی حیثیت رکھتا ہو، وہ جنازہ میں قرأت نہیں کرتا جس سے معلوم ہوا کہ  
اگر جنازہ میں قرأت لازم ہوتی تو عبد اللہ بن عمر ہرگز ترک نہ فرماتے۔  
مدونہ ص ۱۵۸ میں امام مالک سے لکھا ہے کہ جنازہ میں قرأت نہیں۔ ابن  
وہب کہتے ہیں:

عن رجال من اهل العلم عن عمر بن خطاب وعلی بن ابی طالب

وعبد الله بن عمرو وفضالة بن عبيد وابی هريرة وجابر بن  
عبد الله ووائله بن الاسقع والقاسم بن محمد وسالم بن  
عبد الله و ابن المسيب وعطاء بن ابي رباح ويحيى بن سعيد انعم  
لو يكتونوا يقرؤن في الصلوة على الميت قال ابن وهب وقال  
مالك ليس ذلك بمعمول به ببلدنا انما هو الدعاء اذ راكت  
اهل بلدنا على ذلك -

حضرت عمر، علی، عبد اللہ بن عمر، فضالہ بن عبید، ابو ہریرہ، جابر بن عبد اللہ اور  
وائلہ بن اسقع رضی اللہ عنہم اور قاسم بن محمد، سالم بن عبد اللہ، ابن المسیب، ربیعہ،  
عطاء بن ابی رباع اور یحییٰ ابن سعید، یہ سب کے سب نماز جنازہ میں قرأت نہیں پڑھتے  
تھے امام مالک کہتے ہیں کہ ہمارے شہر (مدینہ) میں جنازہ میں قرأت پڑھنا معمول نہیں۔  
جنازہ صرف دعا ہے۔ اسی پر ہم نے اپنے شہر والوں کو پایا۔

معلوم ہوا کہ امام مالک کے مذہب میں نماز جنازہ میں قرأت نہیں۔ اور امام  
مالک وہ ہیں جن کے بارے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں  
اعلم من عالم المدینة فرمایا ہے۔ اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ جنازہ میں قرأت  
نہیں۔ یہ قول امام اعظم کا ہے بلکہ امام مالک کا بھی یہی مذہب ہے۔ مدینہ شریف  
میں اس کا معمول نہیں۔ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بسند صحیح جنازہ میں قرأت  
ثابت نہیں۔

علامہ ابن الہمام فتح القدير میں فرماتے ہیں۔

ولو ثبتت القرأة عن النبي صلى الله عليه وسلم

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے (جنازہ میں) قرأت ثابت نہیں

## جواز قرأت کے دلائل اور انکے جوابات

غیر مقلدین، نماز جنازہ میں قرأت کے جو دلائل پیش کرتے ہیں، وہ حسب

ذیل میں:

## پہلی حدیث

جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کبر علی المیت اربعاً و قرأ  
بآمر القرآن بعد التکبیرة الاولى۔

بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک میت پر چار تکبیریں کہیں اور تکبیر  
اولیٰ کے بعد سورہ فاتحہ پڑھی۔

## جواب

یہ حدیث ضعیف ہے۔ محدثین کرام نے اس کے ضعف کا اقرار کیا ہے۔  
امام شافعی کتاب الام نیز مسند شافعی میں اس کی سند لکھتے ہیں؛  
اخبرنا ابراہیم بن محمد عن عبد اللہ بن محمد بن عقیل  
عن جابر بن عبد اللہ۔

اس حدیث کی نسبت شوکانی، نیل الاوطار میں لکھتے ہیں؛

فی اسنادہ ابراہیم بن محمد وضعیف جداً وقد صرح العراقی

فی شرح الترمذی بان اسناد حدیث جابر وضعیف؛

اس کی سند میں ابراہیم بن محمد ہے جو کہ ضعیف ہے۔ عراقی نے شرح ترمذی  
میں لکھا ہے کہ جابر کی حدیث کی سند ضعیف ہے۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری ج ۵ ص ۶۹ میں اس حدیث کو ضعیف لکھا ہے؛

علامہ زرقانی شرح مؤطا جلد ۲ ص ۱۳ میں فرماتے ہیں؛

وفی البیہقی عن جابر باسناد وضعیف وقرء بآمر القرآن بعد

التکبیرة الاولى۔

صاحب جوہر النقی ص ۲۶۵ میں حدیث جابر لکھ کر فرماتے ہیں :  
 "اس کی سند میں دو راوی متکلم فیہ ہیں ابراہیم اور ابن عقیل"  
 میزان الاعتدال میں ابراہیم بن محمد کے متعلق لکھا ہے : کہ  
 "یحییٰ بن سعید نے امام مالک سے پوچھا کیا یہ ابراہیم ثقہ ہے ؟ فرمایا "نہیں"  
 یحییٰ بن معین کہتے ہیں میں نے قحطان کو یہ کہتے ہوئے سنا :  
 "ابراہیم کذاب ہے"

احمد بن حنبل کہتے ہیں :

"محدثین نے اس کی حدیث کو ترک کیا"

امام بخاری کہتے ہیں :

"اس کو ابن مبارک نے ترک کیا۔ قدریہ جہیمہ تھا"

ابن معین نے کہا :

"کذاب رافضی"

نسائی اور دارقطنی نے اسے متروک کہا۔

تقریب میں اسے متروک لکھا ہے۔

## دوسری حدیث

عن طلحة بن عبد الله بن عوف قال صليت خلف ابن

عباس على جنازة فقرأ عليها بفاحة الكتاب فلما سلوا لته

عن ذلك فقال سنة وحق۔

طلحہ کہتے ہیں میں نے ابن عباس کے پیچھے نماز جنازہ پڑھی۔ آپ نے اس میں

سورہ فاتحہ پڑھی۔ جب سلام پھیرا تو میں نے ان سے پوچھا۔ آپ نے فرمایا

سنت اور حق ہے۔

## جواب

اس حدیث کی سند کتاب الام میں اس طرح ہے:  
 اخبرنا ابراہیم بن محمد عن سعد عن ابیہ عن طلحة الخ  
 اس میں پہلا راوی وہی ابراہیم بن محمد ہے جس کا ذکر پہلی حدیث کے بیان میں  
 گذر چکا ہے۔ اس راوی پر محدثین کرام کی اکثریت کی رائے پہلی حدیث میں دوبارہ  
 پڑھ لیجئے اور خود فیصلہ فرمائیے کہ آیا ایسے شخص کی روایت کو صحیح تسلیم کیا جاسکتا ہے؟  
 اس کے علاوہ حضرت ابن عباس نے جو سنت فرمایا ہے اس کا جواب  
 تیسری حدیث کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیے۔

## تیسری حدیث

سعید بن سعید کہتے ہیں

سمعت ابن عباس یجہر بفاتحة الكتاب على الجنابة وقال  
 انما فعلت لتعلموا انها سنة۔

میں نے ابن عباس کو جنازہ پر سورہ فاتحہ بالجہر پڑھتے دیکھا اور کہا کہ میں نے ایسا  
 ۱۔ ایسے کیا ہے کہ جان لو قرأت فاتحہ سنت ہے۔

## جواب

اس میں بھی ابن عباس کا فاتحہ پڑھنا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فاتحہ  
 پڑھنے کا ذکر نہیں۔ رہی یہ بات کہ ابن عباس نے جنازہ میں فاتحہ پڑھنا سنت فرمایا  
 ہے تو اس سلسلہ میں امام شافعی کے دو قول ہیں۔  
 شرح نہجۃ ص ۹۷ میں ہے

وفي نقل الاتفاق نظر نعن الشافعي في اصل المسألة قولان



اس کے حاشیہ پر ہے۔

فعی القدام ان ذالك مرفوع اذا صدر من الصحابي او التابعي  
 ثم راجع عنه وقال في الجديد ليس بمرفوع ۱۲ ش  
 امام شافعی قول قدیم میں صحابی یا تابعی کے سند السنۃ کہنے کو مرفوع کہتے تھے  
 پھر آپ نے اس قول سے رجوع کیا اور کہا کہ مرفوع نہیں۔  
 حافظ ابن حجر شرح نخبہ ص ۹۷ میں فرماتے ہیں:-

وذهب الى انه غير مرفوع ابو بكر الصيرفي من الشافعيه  
 وابو بكر الرازي من الحنفية وابن جزم من اهل الظاهر  
 ابو بكر صيرفي شافعيہ میں سے، ابو بكر رازی حنفیہ میں سے اور ابن جزم اہل ظاہر  
 میں سے اس بات کے قائل ہیں کہ صحابی کا سنت کہنا مرفوع نہیں ہے۔  
 اسی طرح ابن حجر فتح الباری ص ۶۹ میں فرماتے ہیں؛  
 كذا نقل الاجماع مع ان الخلاف عند اهل الحديث و  
 عند الاصوليين شهير

(حاکم نے) اجماع نقل کیا حالانکہ اہل حدیث اور اصولیوں کے نزدیک اس  
 قول میں اختلاف مشہور ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت علی فرماتے ہیں؛

جلد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اربعین وابو بكر اربعین و  
 ثمانین وکل سنۃ

(شراب نوش کو) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس، حضرت ابو بکر نے چالیس  
 اور حضرت عمر نے اسی درے لگانے اور یہ سب سنت ہے۔  
 معلوم ہوا کہ صحابی کے فعل کو بھی سنت کہتے ہیں۔ تو یہ کہنا کہ صحابی کا سنت  
 کہنا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی سنت ہے، کلیتاً صحیح نہیں۔  
 شرح مسلم الثبوت میں بکر العلوم فرماتے ہیں۔

فعدنا المتبادر منه طريقة مسلوكة في الدين سواء  
كان طريقة رسول الله صلى الله عليه وسلم او طريقة  
الخلفاء الراشدين .

علی قاری مرقاة ج ۲ ص ۳۵۶ میں فرماتے ہیں:  
ولیس هذا من قبیل قول الصحابی من السنة کذا انیکون فی  
حکم المرفوع کما توهم ابن حجر۔ فتدبر۔  
اس حدیث میں تصریح ہے کہ جبر اس لیے کیا کہ تم جان لو کہ فاتحہ پڑھنا سنت  
ہے تو اب ان سنی اہل حدیثوں کا بالجہر پڑھنا بلا دلیل ہوا۔ کیونکہ ابن عباس کا  
بالجہر پڑھنا تعلیم کے لیے تھا۔

## چوتھی حدیث

عن رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ  
آنحضرت کے ایک صحابی سے روایت ہے کہ جنازہ میں سنت یہ ہے کہ  
امام تکبیر کہے۔ پھر بعد تکبیر کے سورہ فاتحہ اپنے جی میں آہستہ پڑھے۔

## جواب

اس حدیث کی سند کتاب الامم میں یوں ہے:-  
اخبرنا مطوف بن مازن عن معمر عن الزہری قال اخبرني  
ابو امامه بن سهل انه اخبره راجل من اصحاب النبی  
صلى الله عليه وسلم الخ۔  
اس میں پہلا آدمی مطرف بن مازن ہے۔ جسے یحییٰ بن معین نے جھوٹا کہا  
اور نسائی نے کہا ثقہ نہیں اور دوسرے نے اسے واہی فرمایا۔  
علاوہ ازیں اس میں بھی حضور کا فعل نہیں اور سنت کتنا اسم فروع نہیں

ثابت کر سکتا۔ نیز اس حدیث میں جی میں پڑھنے کی تصریح ہے۔ نیز سورت کا بھی ذکر نہیں۔

## پانچویں حدیث

ابو امامہ سے روایت ہے کہ سنت یہ ہے کہ نماز جنازہ پر سورہ فاتحہ پڑھے۔

## جواب

اس حدیث کی سند کتاب الام میں اس طرح ہے :-

اخبرنا بعض اصحابنا عن لیث بن سعد عن الزہری عن  
ابی امامة الخ

اس میں پہلا راوی مجہول ہے۔ جس کے نام کا پتہ نہیں۔ ایسی حدیث محدثین کے نزدیک صحیح نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ سنت سے مراد طریقہ حسنہ ہے اور بس۔

## چھٹی حدیث

ابن ماجہ میں ام شریک الصاریہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:  
امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نقرأ علی الجنائز  
بفاتحة الكتاب۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں جنازہ میں سورہ الحمد پڑھنے کا حکم فرمایا۔

## جواب

یہ حدیث بھی ضعیف ہے۔

اس لیے کہ ام شریک رضی اللہ عنہما فرماتی ہیں کہ ہم جنازہ کے اتباع سے منع کی گئی ہیں۔ طبرانی میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو جنازہ میں

نکلنے سے منع فرمایا۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو جنازہ میں شامل ہونے سے منع فرمایا۔

پھر ام شریک کو جنازہ میں فاتحہ پڑھنے کا حکم کس طرح فرمایا؟ جبکہ انہوں نے جنازہ میں شامل ہی نہیں ہونا تھا۔ معلوم ہوا کہ یہ حدیث بھی صحیح نہیں ہے۔

علامہ ابن حجر تلخیص ص ۱۶ میں اس حدیث کی سند میں ضعف یسیر فرماتے ہیں۔ اس حدیث کی سند میں شہرین حوشب ہے جسے ابو حاتم لایحییٰ بہ ابن عون 'ترکوه' اور نسائی و ابن عدی و لیس بالقوی فرماتے ہیں۔

تہذیب التہذیب میں موسیٰ بن ہارون اسے 'ضعیف' کہتے ہیں۔ اسی طرح ساجی اور سیقی بھی 'ضعیف' کہتے ہیں۔

دوسرا ارمی حماد بن جعفر ہے۔ جسے ابن عدی نے 'منکر الحدیث' کہا۔ ازوی نے ضعف کی نسبت کی۔ اگرچہ ان دونوں کی تعدیل بھی ہے مگر محدثین کا اصول ہے: الجرح علی التعدیل کہ جرح تعدیل پر مقدم ہوتی ہے۔

## فاتحہ کتاب

بیشکین کی حدیث میں فاتحہ کو جو سنت کہا گیا ہے وہ بہ نیت دعا ہے۔

حجۃ اللہ الباقی ج ۲ ص ۲۸ میں شاہ ولی اللہ محدث فرماتے ہیں:

وعن السنۃ فاتحۃ کتاب لانہا خیر الادعیۃ واجمعھا

اللہ تعالیٰ عبادہ فی محکم کتابہ۔

جنازہ میں فاتحہ پڑھنا سنت ہے (بدعت نہیں) کیونکہ سورہ فاتحہ سب

دعاؤں سے بہتر اور جامع دعا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنی کتاب میں سکھائی۔

حاصل یہ کہ جنازہ دعا ہے اور سورہ فاتحہ سب دعاؤں سے بہتر دعا ہے۔ اس

لیے بہ نیت دعا سے پڑھ لینا چاہیے۔ نیز جن حدیثوں میں فاتحہ پڑھنا آیا ہے۔ ان میں

عمل قرأت پہلی تکبیر کے بعد ہے اور یہ محل ثناء ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ ثنا کی جگہ اگر الحمد پڑھا جائے تو درست ہے۔

علی قاری مرقاة میں فرماتے ہیں:

ان الفاتحة لو قرأت مكان الثناء لقامت مقام السنة  
فاتحہ اگر بجائے ثناء پڑھی جائے تو سنت کے قائم مقام ہو جاتی ہے۔ یعنی  
ثناء ادا ہو جاتی ہے اور ہو سکتا ہے کہ من السنة کہنے کا مطلب یہی ہو۔

## رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جنازہ

صحابہ کرام نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جنازہ پڑھا۔ کسی صحابی سے اس میں  
الحمد پڑھنا منقول نہیں۔ اگر جنازہ میں الحمد ہوتی تو حضور کے جنازہ پر کوئی صحابی تو پڑھتا۔  
اس کے علاوہ اگر جنازہ پر الحمد پڑھنا مروج ہوتا تو ابن عباس جہر پڑھ کر کیوں فرماتے  
کہ میں نے اس لیے جہر پڑھا ہے تاکہ تم معلوم کرو کہ الحمد پڑھنا سنت ہے معلوم ہوا کہ  
جہر تعلیم کے لیے تھا اور جنازہ میں فاتحہ ذم نہیں۔

## ابن تیمیہ

عون المعبود ج ۳ ص ۱۹۱ میں ہے۔

قال ابن القيم قال شيخنا ابن تيمية لا يجب قراءة الفاتحة  
في صلاة الجنازة بل هي سنة انتهى قلت الحق مع الشيخ  
ابن تيمية والله اعلم۔

ابن تیمیم کہتے ہیں۔ ابن تیمیہ نے فرمایا کہ جنازہ میں فاتحہ پڑھنا واجب نہیں بلکہ  
سنت ہے۔ صاحب عون المعبود فرماتے ہیں کہ حق ابن تیمیہ کے ساتھ ہے۔  
ابن تیمیم کا یہ قول زاد المعاد ج ۱ ص ۲ مطبوعہ مصر میں ہے۔

## امام نووی

کتاب الاذکار ص ۲۴ میں لکھتے ہیں۔  
والسنة في قراءتها الاسرار دون الجهر  
جنازہ کی قراوت میں سنت یہ ہے کہ جی میں پڑھے بلند آواز سے نہ پڑھے۔

## شوکانی

نیل الاوطار میں لکھتے ہیں:-  
ذهب الجمهور الى انه لا يستحب الجهر في صلوة الجنائز  
جمهور (محدثین) اس طرف ہیں کہ جنازہ میں جہر مستحب نہیں۔  
اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ جو لوگ جنازہ میں اونچی آواز سے پڑھتے ہیں وہ حدیث  
کے علاوہ جمهور محدثین کا بھی خلاف کرتے ہیں۔  
ربنا لاترغ قلوبنا بعد ازهدیتنا

نقشہ پانچواں مروجہ

کے جواز میں دلائل

## ختم متعارف کی تصویر

ہمارے ہاں ختم کے چند طریقے مروج ہیں  
 (۱) صاحب خانہ اگر خواندہ ہو تو کھانے پر ایصالِ ثواب کی خود ہی دعا مانگ کر کسی مستحق کو دے دیتا ہے۔

(۲) اگر ناخواندہ ہو تو جس کو دیتا ہے وہ کھانے پر دعا مانگ لیتا ہے۔

(۳) بسا اوقات صرف کھانا مستحقین کو دے دیتے ہیں کوئی دعا نہیں مانگتا۔ چنانچہ جمعرات و عیدین پر ایسا ہی کرتے ہیں۔

(۴) صاحب خانہ چند علماء و فقہار کی دعوت کرتا ہے۔ ان کے سامنے کھانا رکھا جاتا ہے تو امام مسجد یا کوئی حافظ قرآن سورہ نکل یا رکوع لایستوی یا آمن الرسول یا کوئی رکوع و سورہ اخلاص و معوذتین و سورہ فاتحہ پڑھتا ہے۔ پھر تمام حاضرین ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہیں۔ بعد ازاں کھانا کھاتے ہیں یا ساتھ لے جاتے ہیں پڑھنے والا ایک ہوتا ہے لیکن کھانا سب کو دیا جاتا ہے۔

(۵) بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی بزرگ کو صرف برکت کے لیے بلاتے ہیں وہ کھانے پر دعا مانگتا ہے یا کچھ پڑھ کر ایصالِ ثواب کرتا ہے اور چلا جاتا ہے نہ کچھ کھاتا ہے اور نہ ہی لیتا ہے۔ کھانا غریبوں و مساکین میں تقسیم کر دیا جاتا ہے یا کسی دینی مدرسہ میں طالب علموں کے لیے بھیج دیا جاتا ہے۔

## طعام سامنے رکھنا

ختم متعارف میں پہلی بات یہ ہے کہ طعام سامنے رکھا جاتا ہے۔ اعتراض کیا جاتا ہے کہ طعام سامنے رکھنا صدقہ کی تملیک کی نیت سے ہوتا ہے اور صدقہ یا ہبہ اس وقت صحیح اور مفید ملک ہوتا ہے جبکہ دوسرے کا، جس کو صدقہ یا ہبہ دیا جاتا ہے قبضہ یا قبضہ پر قدرت ہو چنانچہ در مختار میں لکھا ہے۔



الصدقة كهبة لجامع التبوع وحينئذ لا تصح غير مقبوضة  
اور اسی میں بجز التفت لکھا ہے کہ تیرہ عقد میں جو بلا قبض صحیح نہیں  
علامہ شامی فرماتے ہیں :

احدها الهبة والثاني الصدقة

نیز در مختار میں ہے :

والتمكن من القبض كالقبض

قبض پر قادر ہونا قبض کی مانند ہے۔

معلوم ہوا کہ ہبہ یا صدقہ میں قبض یا قدرت پر قبضہ ضروری ہے۔ تو جو طعام مستحق  
کے سامنے رکھا جاتا ہے وہ قدرت علی القبض بلکہ قبض میں داخل ہے جب کہ وہاں  
کوئی مانع نہ ہو۔ لہذا صدقہ یا ہبہ کا فقیر مستحق کے سامنے رکھنا جائز ہوا کہ سامنے رکھنے  
سے صدقہ یا ہبہ صحیح ہو جاتا ہے، صدقہ دینے والے کا کہنا کہ میں نے دیا اور لینے والے  
کا کہنا کہ میں نے لیا۔ یہ ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن علی التملیک موجود ہیں صدقہ و ہبہ  
کا دینا اور گیرندہ کا لینا اور قبض کرنا تملیک کا قرینہ ہے اس لیے لفظ کی ضرورت نہیں۔  
علامہ شامی ص ۵۸۹ میں لکھتے ہیں :-

افان التلطف بالایجاب والقبول لا یشرط بل تکفی القرائن

الدالة علی التملیک کمں دفع لفقیر شیئاً وقبضه ولو تلفظ

واحد منها بشئ وکذا یقع فی ہدایہ

عالمگیری میں ہے :-

الهبة لا تصح الا بقبول بالقول واستحسن فی الصدقة من

غير قبول بالقول الجریان العادة فی كافة الاعصار بالتصدق

علی الفقراء من غير اظهار هو القبول کذا فی القینہ -

فقہاء، علیم الرحمہ کے اقوال سے معلوم ہوا کہ صدقہ اور ہبہ میں تملیک اور تملیک  
کے لیے قبض یا قدرت علی القبض ضروری ہے۔ ختم مردجہ میں طعام کا بہ نیت تملیک

سامنے رکھنا لینے والے کو قادر علی القبض کرنا جو جائز اور مشروع ہے۔

## طعام پر دعائیں

مشکوٰۃ شریف کے باب المعجزات میں حدیث ام سلیم رضی اللہ عنہما موجود ہے۔  
قال ابو طلحة لام سليم لقد سمعت صوت رسول الله صلى الله  
عليه وسلم ضعيفا اعرف فيه الجوع فهل عندك من شئ  
نقالت نعم فاخرجت اقرصا من شعير ثم اخرجت خمارا  
لها فلففت الخبز ببعضه۔

ابو طلحہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گرسنگی کا حال معلوم کر کے ام سلیم سے  
کہا: کیا تمہارے پاس کچھ ہے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ انہوں نے جو کی چند روٹیاں پکا  
کر دوپٹے کے پلے میں باندھیں۔

یہ ایک طویل حدیث ہے۔ آخر یہ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روٹیوں کو توڑا  
اور علیہ کی طرح باریک کر کے برتن کا گھی اس میں ٹپکا دیا۔ پھر آپ نے اس کھانے پر  
دعا فرمائی۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:-

ثم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم فيه ماشاء الله  
ان يقول۔

مسلم کی ایک روایت میں ہے:

ثم دعا فيه بالبركة

دیکھئے مشکوٰۃ ص ۵۲۹

اب دیکھئے کہ کھانا سامنے ہے اس پر دعا کرنا یا رسول پاک نے جو چاہا اس کا  
پڑھنا بھی اس حدیث سے ثابت ہے۔

دوسری حدیث

حدیث انس رضی اللہ عنہ میں بروایت بخاری و مسلم آیا ہے:-

انس فرماتے ہیں کہ میری والدہ نے گھی، کھجور اور اقط کا بادبہ بنایا ہوا تھا حضور  
 علیہ السلام نے اس پر کچھ پڑھا۔ جو کچھ اللہ نے چاہا۔ پھر آپ دس دس آدمیوں کو بلاتے  
 گئے اور کھلاتے گئے۔ یہاں تک کہ سب نے کھا لیا۔ پھر مجھے فرمایا انس اپنا بادبہ اٹھا  
 لو۔ میں نے اٹھا لیا۔

فما ادراہی حین وضعت کان اکثرام حین رفعت  
 تو میں نہیں جانتا کہ جب میں لایا تھا اس وقت کھانا زیادہ تھا یا اب زیادہ ہے  
 جب کہ میں نے اٹھا لیا (متفق علیہ)  
 اس روایت سے معلوم ہوا:  
 کہ آپ نے طعام پر کچھ پڑھا جو کچھ اللہ نے چاہا۔  
 بعد ازاں آپ نے دس دس آدمیوں کی ٹولیوں میں کھانا تقسیم فرمایا۔ اس کے  
 باوجود کھانا میں کمی نہ ہوئی۔

## تیسری حدیث

عن ابی ہریرۃ قال لما کان غزوة تبوک اصاب الناس مجاعة  
 فقال عمر یا رسول اللہ ادعہم لفضل انرا وادہم ثم ادع  
 اللہ لہو علیہا بالبرکة فقال نعم فادعنا بنطع نبسط ثم  
 دعا بفضل انوادہم فجعل الرجل یجئ بکف دناءة ویجئ  
 الاخرة بکف تمر ویجئ الاخر بکسرة حتی اجتمع  
 علی النطع شیبی لیسیر فادعنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
 وسلم بالبرکة قال خدا وامنی اوہتکو ر الحدیث رواہ مسلم

ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ غزوة تبوک میں لوگ جب گرسنہ ہو گئے تو حضرت عمر نے عرض  
 کیا کہ یا رسول اللہ لوگوں کا بچا کچھا کھانا منگو ایسے اور اس کھانے پر اللہ سے برکت کی  
 دعا کیجئے۔ حضور نے فرمایا ہاں۔ آپ نے دسترخوان بچھوایا اور فرمایا کسی کے پاس جو کچھ

بچا ہے، لے آؤ۔ کوئی مٹھی بھر حواریا کوئی مٹھی بھر کھجور لایا کوئی روٹی کا ٹکڑا لے آیا یہاں تک کہ دسترخوان پر تھوڑا بہت ذخیرہ ہو گیا۔ پھر آپ نے اس پر برکت کی دعا فرمائی اور فرمایا کہ اپنے اپنے برتن بھر لو۔ آخر حدیث تک۔

اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ سامنے رکھے ہوئے طعام پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ دعا مانگی جس کی آپ کو ضرورت تھی۔ صاحب فاتحہ وہ دعا مانگتا ہے جس کی اس کو ضرورت ہوتی ہے، دعا مانگنے میں دونوں برابر ہیں۔ معلوم ہوا کہ کھانے پر دعا مانگنا جائز ہے، منع نہیں۔

## پوتھی حدیث

مشکوٰۃ شریف ص ۱۶۳ میں ہے۔

جو شخص تم پر احسان کرے اگر تم اس کے احسان کا بدلہ نہ دے سکتے تو اس کے لیے یہاں تک دعا کرو کہ تم گمان کرو کہ اس کے احسان کا بدلہ ہو گیا۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

من صنع اليكم معروفا فتؤوه فان لم تجدوا ما تكافؤوه فادعوه حتى تروا ان قد كافؤوه۔

صاحب خانہ جو طعام بطور صدقہ دیتا ہے، لینے والے پر احسان کرتا ہے اس لیے لینے والے کو چاہیے کہ اس احسان کا بدلہ وہ بھی احسان کرے اگر نہ ہو سکے تو اس کے لیے دعا تو کرے۔ ختم مردوبہ میں طعام لینے والے کا دعا مانگنا بموجب اس حدیث کے احسان کامکافات ادا کرنا ہے۔

## پانچویں حدیث

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری میں ایک باب باندھا ہے: باب الصلوة الامام ودعائه لصاحب الصدقة۔

اس پر آیت:

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَيُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ

عَلَيْهِمْ -

دلیل لائے ہیں۔

اور عبداللہ بن اویخ سے اس کی تائید میں ایک ذکر کرتے ہیں۔

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا آتَاهُ تَوْمٌ بِصَدَقَتِهِمْ قَالَ

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى آلِ فُلَانٍ فَآتَاهُ أَبِي بِصَدَقَةٍ فَقَالَ اللَّهُمَّ

صَلِّ عَلَى أَبِي أَوْفَى -

حضور علیہ السلام کی عادت مبارکہ تھی کہ جب کوئی قوم صدقہ لے کر آتی تو آپ

ن کے لیے دعا فرماتے۔ چنانچہ ابو اوفی آپ کی خدمت میں آئے تو آپ نے اس

لیے بھی دعا فرمائی۔

معلوم ہوا کہ لینے والے کو، صدقہ دینے والے کے حق میں دعا کرنا چاہیے۔

## چھٹی حدیث

امام نووی کتاب الاذکار ص ۱۲۱ میں بروایت ابن السنی، عبداللہ بن عمرو بن

عاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

رَسُولُ كَرِيمٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَسَانِي جِبَّ طَعَامِ آتَانِي وَأَبِي يَدْعُو بِطَهْرَتِي:

اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي مَا رَزَقْتَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ بِسْمِ اللَّهِ

اے اللہ تو نے ہمیں جو رزق دیا ہے، اس میں برکت فرما اور ہمیں عذاب

دونخ سے بچا۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

حدیث میں ایسی صاف تصریح کے ہوتے ہوئے بھی اگر کوئی اعتراض کرتا

ہے تو یہ انصاف سے بعید ہے۔ فاتحہ اور دعا پر اعتراض کرنے سے پہلے اس

روایت پر غور کیا جائے۔

## ساتویں حدیث

علامہ قسطلانی مؤاہب لدنیہ میں فرماتے ہیں؛  
 روی البخاری فی تاریخہ عن عبد اللہ بن مسعود من قال  
 حین یوضع الطعام بسم اللہ خیر الاسماء فی الارض و فی  
 السماء لا یفتر مع اسمہ داء اجعل فیہ رحمة و شفای، لم  
 یضرہ ما کان ۔

امام بخاری نے تاریخ میں روایت کیا ہے، عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ جب  
 کھانا سامنے رکھا جائے تو جو شخص یہ دعا پڑھے:  
 بسم اللہ خیر الاسماء الی الخیرہ،  
 تو جو کچھ بھی ہو وہ کھانا اس کو ضرر نہیں دیتا۔  
 معلوم ہوا کہ کھانا سامنے رکھے جانے کے بعد کلام پاک کی تلاوت یا دعا کرنا  
 حدیث کے عین مطابق ہے۔

## شیخ شہاب الدین سہروردی کا ارشاد

شیخ شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ عوارف المعارف میں فرماتے ہیں۔  
 مما ینذہب داء الطعام المغیر لمزاج القلب ان یداعوا فی  
 اول الطعام ویسأل اللہ تعالیٰ ان یجعلہ عوناً علی الطاعة انتہی  
 مزاج قلب کے مخالف کھانے کے ضرر کو دور کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی  
 ہے کہ کھانے سے پہلے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ وہ اس کھانے کو اطاعت  
 الہی پر مددگار بنائے۔

## ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا

مذکورۃ الصدر احادیث سے ثابت ہو گیا کہ کھانے سے پہلے کچھ پڑھنا اور دعا مانگنا سنت کے عین مطابق ہے نہ کہ مخالف۔ رہی بات ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کی تو حضور علیہ السلام کی عادت مبارکہ تھی کہ جب دعا فرماتے، ہاتھ اٹھا کر مانگتے تھے۔

### پہلی حدیث

جامع الصغیر میں امام سیوطی فرماتے ہیں:  
کان اذا دعا جعل بطن كفه الى وجهه  
آپ دعا فرماتے تو مستقبلی مبارک منہ کی جانب فرماییتے۔

### دوسری حدیث

سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:-  
ان را بکوحی کر یویستجی من عبداہ اذا رفع یدیاہ  
الیہ ان یردہما صفرا (رواہ الترمذی والبوداؤد)  
تمہارا پروردگار زندہ کریم ہے، اسے اپنے بندہ سے شرم آتی ہے کہ جب  
بندہ خدا کی طرف ہاتھ اٹھائے تو وہ خالی لوٹائے۔  
معلوم ہوا کہ ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا، قبولیت کی ضمانت ہے۔

### تیسری حدیث

مالک بن یسار سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-  
اذا سالتوا اللہ فاسئلواہ ببطون الکفکم ولا تسألواہ بظہورہا۔

جب تم اللہ سے دعا مانگو تو سہیلیاں اٹھا کر دعا مانگو ہاتھ کی پشت اٹھا کر  
نہ مانگو۔

### پوتھی حدیث

ابن عباس کی روایت میں ہے۔  
سلوا اللہ ببطون اکتفکم ولا تسألواہ بنظہورہا فاذا فرغتم  
فامسحوا بہا وجوہکم (مشکوٰۃ)  
اللہ سے سہیلیوں سے دعا مانگو اور ہاتھ کی پشت سے نہ مانگو جب دعا سے  
فارغ ہو جاؤ تو سہیلیاں اپنے چہروں پر ملو۔  
حدیث نمبر ۳ اور ۴ سے صاف ظاہر ہے کہ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگو۔

### پانچویں حدیث

ابوداؤد میں قیس بن سعد سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے  
گھر تشریف لائے اور تین بار سلام فرمایا۔ سعد نے سلام کا جواب آہستہ دیا جو رسول  
کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا۔ حضور واپس ہو گئے۔ سعد آپ کے پیچھے نکلا  
اور عرض کی :-

انی کنت اسمع تسلمک و اراد علیک خفیا لتکثر علینا من  
السلام قال فانصرت معہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
فامرہ سعد بغسل فاغتسل ثم اولہ ملحفة مصبوغة  
بزعفران او رث فاشتمل بہا ثم رفع رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم یدایہ وهو یقول اللهم اجعل صلواتک و  
رحمتک علی ال سعد بن عبادۃ قال ثم اصاب رسول  
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الطعام۔



میں آپ کا سلام سنتا تھا اور چپکے سے جواب دیتا تھا تاکہ آپ ہم پر کثرت سے سلام کہیں۔ حضور علیہ السلام سعد کے ساتھ واپس آگئے اور غسل کیا تو سعد نے ایک کپڑا زعفران کا رنگا ہوا دیا جو آپ نے اوپر لپیٹ لیا۔ پھر آپ نے دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی کہ اے خدا تو سعد بن عبادہ کی آل پر اپنی رحمت نازل فرما۔ (دعا کے بعد) آپ نے کھانا تناول فرمایا۔

اس حدیث میں احسان کرنے والوں کے لیے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا ثابت ہے۔ اور وہ بھی کھانا کھانے سے پہلے یہ تو کسی محدث یا مجتہد کے قول سے ثابت نہیں ہوتا کہ اس وقت آپ کے سامنے کھانا حاضر تھا یا نہیں تھا؛ میں کہتا ہوں کہ اگر کھانا حاضر تھا تو فہو المراد۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ کھانا سامنے حاضر نہ تھا تو بھی احسان کرنے والوں کے لیے دعا کرنا اور بھی کھانے سے پہلے تو صاف ثابت ہے اور ختم مروجہ میں یہی معمول ہے۔

## چھٹی حدیث

نسائی نے قیس بن مخزوم سے روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ایک رات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی باری میرے یہاں تھی۔ آپ دروازہ کھول کر باہر تشریف لے گئے۔ میں آپ کے پیچھے نکلی۔ آپ بیقع میں آئے اور دونوں ہاتھ اٹھا کر اموات کے لیے دعا فرمائی۔ حدیث یہ ہے۔

حتى جاء البقيع فرفع يديه

اس حدیث کے اخیر میں آتا ہے، آپ نے فرمایا کہ جبریل میرے پاس آئے اور درخواست کی کہ میں بیقع میں جاؤں اور اموات کے لیے طلبِ مغفرت کروں۔

فامرني ان اتى البقيع فاستغفر لهم

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ نے مردوں کی بخشش کے لیے ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی چونکہ ختم مروجہ میں بھی مردوں کی مغفرت کے لیے دعا ہوتی ہے اس لیے

اس میں بھی ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا جائز ثابت ہوا۔

## ساتویں حدیث

بخاری شریف میں ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبید ابی عامر کی موت کے بعد ان کی مغفرت کے لیے ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی۔

عن ابی موسیٰ قال دعا نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیاہ فتوضا  
ثور فید یہ فقال اللہم اغفر لعیبدا ابی عامر۔

ابو موسیٰ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگو کر وضو فرمایا پھر ہاتھ بلند فرمائے اور دعا فرمائی اے اللہ! عبید ابی عامر کو بخش دے۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مردہ کی بخشش کے لیے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا مستون ہے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ کی یہ دعا نماز جنازہ کے بعد کھتی پہلے نہ کھتی ختم مردہ میں بھی تو یہی ہوتا ہے۔

ابن حجر فتح الباری میں فرماتے ہیں:

یسفاد منه استحباب التطہیر لاسا اذۃ الدعاء ورافح  
الیدین فی الدعاء

اس حدیث سے دعا کے لیے وضو کرنے اور ہاتھ اٹھانے کا استحباب ثابت ہوتا ہے۔

## فقہائے کرام کی تصریح

فقہاء علیہم الرحمۃ نے تصریح فرمائی ہے کہ دعائے رغبت میں دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنی چاہیے۔ ظاہر ہے کہ اموات کے لیے طلب رحمت و مغفرت دعائے رغبت ہے

شامی میں ہے:

دعاء مرغبة نحو طلب الجنة

در مختار میں ہے :

دعاء مرغبة يفعل كما مرَّ

شامی میں اس کی تفسیر یہ ہے :

ان يبسط يديه نحو السماء

یعنی شرح ہدایہ میں محمد بن الحنفیہ سے روایت ہے :

في دعاء الرغبة يجعل بطون كفيه نحو السماء

دعاے رغبت میں دونوں ہتھیلیاں آسمان کی طرف اٹھائی جائیں۔

## دُعَاءُ كَقَوْلِكَ الْحَمْدُ أَوْ قَوْلِكَ شَرِيفٌ بِرُحْنَا

الحمد شریف اور قیل شریف اللہ کی حمد اور توحید و تنزیہ ہے۔ اور ہر حمد و تنزیہ

ثناء و دعا ہے۔ چنانچہ فتح القدير میں ہے :

کہ کسی نے ابن عیینہ سے پوچھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لا الہ الا

اللہ وحده لا شریک له له الملك وله الحمد وهو على كل شئ قدير

کو دعا کیوں فرمایا؟ حالانکہ دعا میں طلب ہوتی ہے۔ ان الفاظ میں تو کوئی طلب

نہیں ہے تو ابن عیینہ نے فرمایا :

الثناء على الكريم دعاء

خداوند کریم کی ہر ثناء دعا ہے

معلوم ہوا کہ الحمد شریف اور قیل شریف چوں کہ ثناء ہے اور ہر ثناء دعا ہے پس

الحمد شریف اور قیل شریف بھی دعائیں داخل ہوئی۔ تو دعا میں ان کا پڑھنا بھی جائز ہوا۔

فتح القدير کی اصل عبارت یہ ہے :

انه عليه السلام قال خير الدعاء دعاء ما يقال يوم عرفه

وخير ما قلت انا والنبون من قبلي لا اله الا الله وحده لا شريك

له، له الملك وله الحمد وهو على كل شئ قدير وقيل لابن  
عينية هذا اثناء فلو سماه رسول صلى الله عليه وسلم  
دعاء فقال التناء على ايكريو دعاء لانه يعرف حاجته،  
(فتح القدير نو لکثوری ج ۱ ص ۲۷۱، شامی ج ۱ ص ۱۹)

## دوسری دلیل

بعض احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا سے  
پہلے قرآن کی آیتیں پڑھیں، چنانچہ نسائی میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے  
وجہت وجہی بلذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا  
من المشرکین ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی لله رب العالمین  
لا شریک له، وبذا الذک امرت وانا من المسلمین۔ پڑھی۔  
پھر یہ دعا پڑھی:

اللھوانت الملك لا اله الا انت انا عبدک ظلمت نفسی  
واعترفت بذنوبی فاغفر لی ذنوبی جمیعا الخ

معلوم ہوا کہ دعا سے پہلے کلام اللہ کی آیات پڑھنا جائز ہے۔ منع نہیں۔  
نماز میں بھی اور غیر نماز میں بھی۔

ایصالِ ثواب کی دعا سے پہلے قرأتِ قرآن ہونا چاہیے۔ حنیفہ اور متاخرین  
شافعیہ دونوں اس امر پر متفق ہیں اور یہی کچھ ختم مروجہ میں ہوتا ہے۔

## تیسری دلیل

علامہ شامی ص ۶۶۵ میں شرح لباب سے نقل کرتے ہیں:

ویقرأ من القرآن ما تیسر له، من الفاتحة واول البقرة الى  
المفلحون وایة الكرسي وامن الرسول وسوره يس و

تبارک الملك وسورة التكاثر والاخلاص اثني عشر مرة او  
احد عشر او سبعا او ثلاثا ثلثون ليقول اللهم او صل ثواب

ما قرأنا الى فلان الخ

قاری سے جو ہو سکے قرآن پڑھے اور سورہ بقرہ کا اول مفلحون تک، آیت الکرسی  
آمن الرسول، سورہ یس، تبارک الذی، سورہ تکوثر اور قل شریف بارہ بار پکیرہ  
یا سات یا تین بار پڑھے، پھر کہے اے اللہ جو کچھ میں نے پڑھا ہے اس کا ثواب  
فلاں میت کو پہنچا۔

جب کتب فقہ حنفیہ میں الحمد اور قل شریف کا ایصال ثواب کے لیے پڑھنا  
ثابت ہے اس لیے ختم پڑھنے والا کبھی ان سورتوں کو پڑھتا ہے کبھی سورہ ملک  
کبھی آمن الرسول اور کبھی قرآن کی دیگر سورتیں پڑھتا ہے اور اس کا ثواب میت  
کو بخش دیتا ہے۔

## چوتھی دلیل

اس میں شک نہیں ان آیات اور سورتوں کی فضیلت اور ان کا موجب  
نجات ہونا احادیث صحاح سے ثابت ہے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔  
آپ نے فرمایا جو شخص قرآن کریم کا ایک حرف پڑھے گا اس کو دس  
نیکیوں کا ثواب ملے گا۔ فرمایا اللہ ایک حرف نہیں بلکہ الف حرف  
ہے، لام حرف ہے اور میم حرف ہے گویا اللہ پڑھنے سے تیس نیکیوں  
کا ثواب ملے گا۔

سورہ فاتحہ کو اعظم سورہ، سبع مثانی اور قرآن عظیم فرمایا گیا۔  
قل شریف کو قرآن کے مثلث کے برابر فرمایا۔ تین بار پڑھنے سے پورے قرآن  
کا ثواب ہے۔

سورہ ملک کو عذابِ قبر سے نجات دینے والی فرمایا۔  
 لیس ایک بار پڑھنے سے دس قرآن کا ثواب ترمذی کی حدیث میں آیا ہے۔  
 امن الرسول کی فضیلت بھی احادیث میں آئی ہے۔  
 معلوم ہوا کہ قرآن شریف کی آیات کو خواہ بہ نیتِ قرأت پڑھے یا بہ نیتِ دعا  
 ہر طرح عبادت ہے اور بندہ کو اختیار ہے کہ اپنی عبادت کا ثواب الٰہیہ دعا ہو غیر  
 کو پہنچا دے۔

شامی میں مسطور ہے:

للانسان ان يجعل ثواب عمله لغيره صلوة او صوما او صدقة  
 او غيرها۔

فتح القدیر میں ہے:

كتلاوة القرآن والاذکار

عالمگیری کی عبارت ہے:

ان الانسان له ان يجعل ثواب عمله لغيره صلوة كان  
 او صوما او صدقة او غيرها كالالحج وقرأة القرآن والاذکار  
 وزيارة قبور الانبياء عليهم السلام والشهداء والاولياء  
 والصالحين وتكفين الموتي وجميع انواع البر۔

ما سبق عبارات کا خلاصہ ترجمہ ہے:

انسان کو اختیار ہے کہ اپنے عمل کا ثواب غیر کو پہنچائے۔ نماز روزہ ہو یا صدقہ  
 ہو، ذکر ہو یا قرأتِ قرآن، زیارتِ قبورِ انبیاء ہو یا تکفینِ موتی ہو۔ الغرض جمیع اقسام  
 حسنات کا ثواب غیر کو بخش سکتا ہے۔

پانچویں دلیل

حدیثِ براء میں:

ہذہ لائم سعد سے ثابت ہوتا ہے کہ ایصالِ ثواب کے لیے نیت کے علاوہ اگر زبان سے بھی کہیں تو مستحب اور موافق حدیث ہے اور ختم مردوبہ میں یہی ہوتا ہے۔

## چھٹی دلیل

حدیث ابو ہریرہ میں آپ نے فرمایا کہ تم میں سے کون میرے لیے ذمہ کرے کہ مسجدِ اعشار میں دو یا چار رکعت نماز پڑھے اور کہے:

هذه لابی هريرة

اس کا ثواب ابو ہریرہ کے لیے ہے۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ عبادات بدنیہ کا ثواب دوسرے کو پہنچتا ہے اور ایصالِ ثواب کے لیے زبان سے کہنا جائز ہے۔ ہم پیچھے شرح باب سے نقل کر چکے ہیں کہ قرآن شریف کی مختلف سورتیں پڑھ کر یہ کہے۔

اللهم اوصل ثواب ما قرأناه الى فلان

اے اللہ! ہم نے جو کچھ پڑھا ہے اس کا ثواب فلاں شخص کو پہنچا۔

## ساتویں دلیل

حدیث شریف میں آیا ہے:

كل ذي بال لا يبدئ فيه بالحمد لله اقطع وني رواية

محمد الله وني رواية بالحمد فهو اقطع وني رواية كل كلام

لا يبدئ فيه بالحمد لله فهو اجزم۔ (ادکار نووی ص ۵۲)

یعنی جو امیر ذمی شانِ الحمد کے ساتھ شروع نہ کیا جائے، وہ اقطع اور

بے برکت ہے۔

مردوں کے لیے دعا اور صدقہ ایک امر ذمی بال ہے، اس لیے صدقات

پر الحمد شریف پڑھنا موجب خیر و برکت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ختم مرد و جبر میں الحمد شریف کی تلاوت بھی کی جاتی ہے۔

## شاہ ولی اللہ سے طعامِ پرفاتحہ کا ثبوت

زبدۃ النصاب کے ص ۱۳۲ میں شاہ صاحب لکھتے ہیں :-  
اگر ملیدہ و شیر برنج بنا پرفاتحہ بزرگ کے بقصد ایصالِ ثواب بروج الیساں پزندہ بخوراند مضائقہ نیست جائز است و طعام نذر اللہ اغنیاء را خوردن حلال نیست .... و اگر فاتحہ بنام بزرگ کے دادہ شود پس اغنیاء را ہم خوردن در ان جائز است ۔

انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ میں شاہ صاحب فرماتے ہیں :-  
پس وہ مرتبہ درود خواند ختم تمام کتد و بر قدرے شیرینی فاتحہ بنام خواجگانِ چشت عموماً بخواند و حاجت از خداے تعالیٰ سوال نماید ہمیں طور ہر روز می خواندہ باشند ۔

اس عبارت میں کھوڑی شیرینی پرفاتحہ کا لفظ پھر ہر روز کا ارشاد قابل غور ہے۔  
ہمعات میں شاہ صاحب فرماتے ہیں :-

ازیں جا ست حفظِ اعراسِ مشائخ و مواظبتِ قبور الیساں و التزام فاتحہ خواندن و صدقہ داؤن برائے الیساں ۔

لفظ التزام فاتحہ خواندن قابل غور ہے ۔

انفاس العارفين میں شاہ صاحب فرماتے ہیں :-

حضرت الیساں (یعنی شاہ عبد الرحیم والد ماجد شاہ ولی اللہ در قصبہ ڈالہ) بزیارتِ مخدوم اللہ دیارفتہ لووندہ رقبہ ہنگام در آن فرمودند کہ مخدوم ضیافت مامیکنند و می گویند کہ چیزے خوردہ روید ۔ توقف کردتا آنکہ اثر مردم منقطع شد و ملال بریاران غالب آمد آنگاہ ز نے بیامد طبق برنج



دشیرینی برسر و گفت کہ نذر کردہ بودم کہ اگر زوج من بیاید ہاں ساعت  
 این طعام پختہ بہ نشینندگان در گاہ مخدوم اللہ دیار سانم۔ در این وقت  
 آمد۔ ایفاسے نذر کردم و آرزو کردم کہ کسے آنجا باشد تا تامل کند۔

## شاہ عبدالعزیز سے طعام پر فاتحہ کا ثبوت

شاہ عبدالعزیز تفسیر عزیزی میں فرماتے ہیں:

چنانچہ فاتحہ و قتل و درود خواندن طریق متعین است برائے رسانیدن  
 ماکولات و مشروبات بارواح۔

اہل اسلام میں فاتحہ، قتل اور درود پڑھ کر ماکولات و مشروبات کا ثواب امرت  
 کو پہنچانے کا طریق متعین ہے۔

سوالات عشرہ محرم کے سوال نم کے جواب میں فرماتے ہیں۔

طعام کے ثواب آں نیاز حضرت امین نمائند و برآں فاتحہ و قتل و درود  
 خواند تبرک می شود۔ خوردن آں بسیار خوب است۔

وہ کھانا کہ جس نیاز کا ثواب امین کو پہنچاتے ہیں اور اس پر فاتحہ، قتل اور درود  
 شریف پڑھتے ہیں، تبرک ہو جاتا ہے جس کا کھانا بہت خوب ہے۔

ملاحظہ فرمائیے کہ شاہ صاحب نے ایصالِ ثواب کی خاطر کھانے پر الحمد، قتل،  
 اور درود شریف کے پڑھنے کو باعث برکت لکھا ہے اور یہی ختمِ مروجہ میں ہوتا ہے۔  
 آپ کا وہ مکتوب جو آپ نے علی محمد خاں رئیس مراد آباد کو لکھا تھا اس میں یہ  
 عبارت موجود ہے۔

پس بر ما حضر از طعام یا شیرینی فاتحہ خواندہ تقسیم آں ب حاضرین مجلس می شود۔  
 پس ما حضر کھانے یا شیرینی پر فاتحہ پڑھ کر حاضرین مجلس میں تقسیم کیا جاتا ہے۔  
 اس میں طعام پر فاتحہ پڑھنے کی صراحت وجود ہے۔

زبدۃ النصارح کے ص ۴۲ میں فرماتے ہیں۔

آرے زیارت و تبرک بقبور صالحین و امداد ایشان بامداد ثواب و تلاوت  
قرآن و دعائے خیر و تقسیم طعام و شیرینی امر مستحسن و خوب است باجماع  
علماء (فتاویٰ عزیزی ص ۵۷)

صالحین کی قبروں کی زیارت اور ان سے تبرک حاصل کرنا، تلاوت قرآن،  
دعائے خیر اور کھانے و شیرینی کی تقسیم مستحسن امر ہے جو کہ اجماع علماء سے ثابت ہے۔  
فتاویٰ عزیزی کے ص ۴۲ میں ہے :-

آنکہ بہنیت اجتماعیہ مردمان کثیر جمع شوند و ختم کلام اللہ کنند و فاتحہ بر شیرینی  
و طعام نموده تقسیم در میان حاضران نمایند این قسم معمول در زمانہ پیغمبر خدا  
خلفائے راشدین نبود۔ اگر کسی اس طور بکنند پاک نیست زیرا کہ درین قسم  
قبیحیست بلکہ فائدہ احیاء و اموات را حاصل می شود۔

وہ جو اجتماعی صورت میں بہت سے لوگ جمع ہوتے ہیں اور ختم قرآن کرتے ہیں۔  
اور کھانے و شیرینی پر فاتحہ پڑھ کر حاضرین میں تقسیم کرتے ہیں، یہ قسم پیغمبر خدا اور خلفائے  
راشدین کے زمانہ میں معمول نہ تھی۔ اگر کوئی شخص اس طرح کرے تو کوئی حرج نہیں  
اس لیے کہ اس قسم میں کوئی قباحت نہیں ہے بلکہ زندہ اور مردوں کو اس سے  
فائدہ پہنچتا ہے۔

تحفہ اثنا عشریہ میں لکھتے ہیں :

حضرت امیر و ذریہ طاہرہ اور تمام امت بر مثال پیران و مرشدان می  
پرستند و امور تکوینیہ را وابستہ بالایشان می دانند و درود و صدقات و نذرنام  
ایشان رائج و معمول گردید چنانچہ باجماع اولیاء اللہ ہمیں معاملہ است۔  
حضرت امیر اور ذریہ طاہرہ کو تمام اہل امت پیروں اور مرشدوں کی طرح پیار  
کرتے ہیں اور امور تکوینیہ کو ان سے وابستہ جانتے ہیں۔ فاتحہ، درود، صدقات اور  
ان کے نام کی نذریں (امت) میں رائج اور معمول ہو گئیں چنانچہ تمام اولیاء اللہ سے  
یہی معاملہ ہے۔

تفسیر عزیزی میں زیر آیت والقمر اذا التسق فرماتے ہیں!  
 وارد است کہ مردہ در این حالت مانند غریقے است کہ انتظار فریاد  
 سے می برد و صدقات و اوعیہ و فاتحہ در این وقت بسیار بکار اومی آید۔  
 وارد ہے کہ مردہ اس حالت میں اس ڈوبنے والے کی مانند ہوتا ہے جو کسی  
 فریاد رس کے انتظار میں ہو۔ صدقات دعائیں اور فاتحہ اس وقت مردہ کے بہت  
 کام آتی ہیں۔

شاہ صاحب کی تصریحات سے معلوم ہوا کہ آپ طعام یا شیرینی پر آیات کا پڑھنا  
 جائز و مستحسن جانتے تھے اور ختم مردوبہ کو حرام یا بدعت نہیں گردانتے تھے۔

## مولوی اسماعیل دہلوی سے طعام پر فاتحہ کا ثبوت

مولوی اسماعیل صاحب دہلوی سب سے زیادہ ختم فاتحہ کے منع کرنے میں  
 مشہور ہیں لیکن وہ بھی تاریخ اور دن کی پابندی کو منع کہتے ہیں۔ اگرچہ ان کا یہ منع  
 بھی بے دلیل ہے۔ لیکن کھانے کے ساتھ فاتحہ پڑھنے کو وہ بھی منع نہیں کہتے۔

چنانچہ صراطِ مستقیم میں لکھتے ہیں:

نہ پذیرند کہ نفع رسانیدن باموات باطعام و فاتحہ خوانی خوب نیست  
 ہر گاہ ایصال نفع بمیت منظور وارد و موقوف بر طعام نگذارد اگر میسر باشد  
 بہتر است والا صرف ثواب سورہ فاتحہ و اخلاص بہترین ثواب است۔  
 یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ مردوں کو کھانے اور فاتحہ خوانی کے ساتھ نفع پہنچانا اچھا

نہیں ہے (یعنی اچھا ہے)

جب میت کو نفع پہنچانا مقصود ہو تو کھانے ہی پر موقوف نہ کرنا چاہیے۔ اگر  
 میسر ہو تو بہتر ہے۔ اور نہ صرف سورہ فاتحہ اور اخلاص کا ثواب بہترین ثواب ہے۔

تقریباً ذبیحہ میں لکھتے ہیں:

اگر شخصے بڑے رافانہ پرور کند تا گوشت او خوب شود اور اذبح کردہ و

پختہ فاتحہ حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ خواندہ بخوانندہ صلے نیت  
 اگر کوئی شخص گھر میں بکرا پالے تاکہ اس کا گوشت اچھا ہو اس کو ذبح کر کے  
 پکائے، حضرت غوث الاعظم کے لیے فاتحہ پڑھ کر کھلائے تو کوئی خلل نہیں۔  
 جماعت اسماعیلیہ کو لفظ غوث الاعظم پر غور کرنا چاہیے۔

## حاجی امداد اللہ صاحب کا فیصلہ

حاجی امداد اللہ صاحب چونکہ شیخ الطائفہ تھے، مولوی رشید احمد صاحب  
 گنگوہی کے پیرو مرشد تھے۔ امید ہے کہ ان کا فیصلہ ناظرین کے لیے قول مفصل  
 ہوگا۔ ذیل میں ہم ایک طویل عبارت حاجی صاحب کے الفاظ میں نقل کر رہے ہیں امید ہے کہ  
 انصاف پسند اس کو تسلیم کریں گے۔

حاجی صاحب فیصلہ مفت مسئلہ میں فرماتے ہیں:

اس میں بھی وہی گفتگو ہے جو مسئلہ مولد میں مذکور ہوئی جس کا خلاصہ  
 یہ ہے کہ نفس ایصالِ ثواب بارواح اموات میں کسی کو کلام نہیں اس  
 میں بھی تخصیص و تعیین کو موقوف علیہ ثواب کا سمجھے باواجب فرض  
 اعتقاد کرے تو ممنوع ہے۔ اگر یہ اعتقاد نہیں بلکہ کوئی مصلحت باعث  
 تقیید میت کذائیہ ہے تو کچھ حرج نہیں جب مصلحت نماز میں سورہ  
 خاص معین کرنے کو فقہائے محققین نے جائز رکھا ہے اور تہجد میں اکثر  
 مشائخ کا معمول ہے اور تامل سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ سلف میں تو  
 یہ عادت تھی کہ مثلاً کھانا پکا کر مساکین کو کھلا دیا اور دل سے ایصالِ ثواب  
 کی نیت کر لی۔ متاخرین میں سے کسی کو خیال ہوا کہ جیسے نماز میں نیت  
 ہر چند دل سے کافی ہے مگر موافقت قلب و لسان کے لیے عوام کو  
 زبان سے کہنا ہی مستحسن ہے۔ اسی طرح اگر یہاں زبان سے کہہ لیا  
 جائے کہ یا اللہ اس کھانے کا ثواب فلاں شخص کو پہنچ جائے تو بہتر

ہے، پھر کسی کو خیال ہوا کہ لفظ "اس کا" مشاۃً الیہ اگر روبرو موجود ہو تو زیادہ استحضار قلب ہو، کھانا روبرو لانے لگے۔ کسی کو یہ خیال ہوا کہ یہ ایک دعا ہے اس کے ساتھ اگر کلام الہی بھی پڑھا جائے تو قبولیت دعا کی بھی امید ہے اور اس کلام کا ثواب بھی پہنچ جائے گا۔ کہ جمع بین العبادین ہے۔ ع۔

چہ خوش بود کہ بر آید بیک کر شمر دو کار

قرآن شریف کی بعض سورتوں میں جو لفظوں میں مختصر اور ثواب میں بہت زیادہ ہیں، پڑھی جانے لگیں۔ کسی نے خیال کیا کہ دعا کے لیے رفع یدین سنت ہے تو ہاتھ بھی اٹھانے لگے۔ کسی نے خیال کیا کہ کھانا جو مساکین کو دیا جائے گا اس کے ساتھ پانی دینا بھی مستحسن ہے، پانی پلانا بھی بڑا ثواب ہے تو پانی کو بھی کھانے کے ساتھ رکھ لیا۔ پس یہ بہت کذائیہ حاصل ہو گئی۔

رہا تعین تاریخ۔ یہ بات تجربہ سے معلوم ہوتی ہے کہ جو امر کسی خاص وقت میں معمول ہو، اس وقت وہ یاد آجاتا ہے اور ضرور ہو کر رہتا ہے۔ نہیں تو سالہا سال گذر جاتے ہیں کبھی بھی نہیں ہوتا۔ اس قسم کی مصلحتیں ہر امر میں ہیں جن کی تفصیل طویل ہے۔ محض بطور نمونہ تھوڑا سا بیان کیا گیا ہے۔ ذہن آدمی غور کر کے سمجھ سکتا ہے اور قطع نظر مصالح مذکورہ کے ان میں بعض اسرار بھی ہیں پس اگر یہی مصالح بنائے تخصیص ہوں تو کچھ مضائقہ نہیں۔ رہا عوام کا غلو تو اس کی اصلاح کرنی چاہیے۔ اس عمل سے کیوں منع کیا جائے؟ ثانیاً ان کا غلو اہل فہم کے فعل میں موثر نہیں ہو سکتا۔ لہذا اعمالنا ولکو اعمالکو۔

رہا شبہ تشبہ کا اس میں بحث از بس طویل ہے۔ مختصر اتنا سمجھ

لینا کافی ہے کہ تشبہ اس وقت تک رہتا ہے جب تک وہ عادت اس قوم کے ساتھ ایسی مخصوص ہے کہ جو شخص وہ فعل کرے اسی قوم سے سمجھا جائے یا اس پر حیرت ہو اور جب دوسری قوموں میں پھیل کر عام ہو جائے تو وہ تشبہ جاتا رہتا ہے ورنہ اکثر امور متعلقہ عادات و ریاضات جن غیر قوموں سے ماخوذ ہیں۔ مسلمانوں میں اس کثرت سے پھیل گئے عالم درویش کا گھر بھی اس سے خالی نہیں۔ یہ امور مذموم نہیں ہو سکتے بقصہ تطہیر الہیہ کا اس میں کافی حجت ہے۔ البتہ جو ہیئت عام نہیں ہوئی وہ موجب تشبہ ہے اور ممنوع۔ پس یہ ہیئت مروجہ ایصال کسی قوم کے ساتھ مخصوص نہیں اور گیارہویں حضرت غوث پاک قدس سرہ کی، دسواں، بیسواں، چالیسواں ششماہی اور سالیانہ وغیرہ اور نوشتہ حضرت شیخ احمد عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور علو اے شبِ برات اور دیگر طریقے ایصالِ ثواب کے اسی قاعدے پر مبنی ہیں اور مشرب فقیر کا اس مسئلہ میں یہ ہے کہ فقیر پابند اس ہیئت کا نہیں مگر کرنے والوں پر انکار بھی نہیں کرتا اور جو عمل درآمد اس مسئلہ میں رکھنا چاہیے یعنی دو فرقوں کا حل کر رہنا اور مباحثہ اور قیل و قال نہ کرنا اور ایک دوسرے کو بدعتی نہ کہنا اور عوام کو غلو اور جھگڑوں سے منع کرنا یہ سب بحث مولد میں گزر چکا۔ انتہی

ناظرین سے درخواست ہے کہ حاجی امداد اللہ صاحب کی تحریر کو بار بار پڑھا جائے تاکہ حقیقت حال روشن ہو جائے۔

واللہ اعلم بالصواب

كشفتُ الغطاءِ

عَنْ

مسئلة النداءِ

ندائے پارسول اللہ

کے جوازمیں دلائل

فقیر البویوسف محمد شریف عرض کرتا ہے کہ درود شریف صَلَّى اللهُ  
 عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ يَا الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ  
 اللهِ کی نسبت کئی دفعہ احباب نے پوچھا اور میں نے عرض کیا کہ  
 ان الفاظ میں درود شریف پڑھنا جائز ہے۔ بعض احباب نے  
 اصرار کیا کہ یہ دلائل معروض تحریر میں لائے جائیں تاکہ عامۃ المسلمین  
 کو فائدہ ہو۔

لہذا متوکلاً علی اللہ اس مضمون کو شروع کرتا ہوں۔



# آغاز

قرآن حکیم میں مطلق درود شریف پڑھنے کا حکم ہوا ہے، احادیث شریفہ میں بھی مطلق درود پڑھنے کی فضیلت آئی ہے اس لیے درود شریف کا کوئی بھی صیغہ ہو، سب کے پڑھنے سے، پڑھنے والا فضیلت کا مستحق ہو جاتا ہے اگرچہ بعض صیغے بسبب ماثور ہونے یا بسبب احسن ہونے کے ایک دوسرے سے افضل ہوں جس طرح قرآن حکیم کی بعض آیات بہ نسبت بعض دیگر کے ثواب میں افضل ہیں لیکن مطلق فضیلت میں سب یکساں ہیں۔

اگر یہ بات ہوتی کہ جو درود شریف جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمایا ہے اس کے سوا کسی دوسرے درود شریف کے پڑھنے میں کچھ فضیلت نہیں تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعین و تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین علیہم الرحمۃ ہرگز درود نئے الفاظ اور نئی عبارت میں نہ پڑھتے اور نہ ہی لکھتے۔ حالانکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے درود شریف کے کسی الفاظ صحیح مروی ہیں جو حضور علیہ السلام کے الفاظ نہیں ہیں۔ اسی طرح تابعین و تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین سے کسی ایسے درود نہیں جن کے الفاظ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ درود شریف کوئی بھی پڑھا جائے، فضیلت ضرور ہے۔

قَالَ الْحَافِظُ سَخَاوِي تَقْلَاعِنَ الْحَافِظِ ابْنِ سَدِي تَدْرُوِي فِي كَيْفِيَّةِ الصَّلَاةِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَادِيثُ كَثِيرَةٌ وَ زَهَبَ جَمَاعَةٌ مِنَ الصَّحَابَةِ فَمِنْ بَعْدَهُمْ إِلَى أَنَّ هَذَا الْبَابَ لَا يُوقَفُ فِيهِ مَعَ النَّصُوصِ وَأَنَّ مِنْ رَأْرَقَةِ اللَّهِ بَيَانًا قَابَانَ عَنِ الْمَعَانِي بِالْفَاظِ الْفَصِيحَةِ الْمَبَانِي الْمَرِيحَةِ الْمَعَانِي مَنَا يَعْرَبُ عَنْ كَمَا لَشَرَفِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَظِيمِ حُرْمَتِهِ كَانَ ذَلِكَ وَاسِعًا وَاحْتَجُّوا الْقَوْلَ ابْنِ مَسْعُودٍ فِي

اللَّهُ عَنْهُ أَحْسِنُوا الصَّلَاةَ عَلَى نَبِيِّكُمْ فَانكُورُوا لَا تَدْرُونَ  
عَلَّ ذَالِكَ يُعْرَضُ عَلَيْهِ - انتهى -

حافظ سخاوی قول بدیع میں حافظ ابن سعدی سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے کی کیفیت میں بہت حدیثیں آئی ہیں اور صحابہؓ اور تابعین کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ یہ باب منصوص پر موقوف نہیں جس شخص کو اللہ تعالیٰ قوت بیانیہ عطا فرماوے اور وہ الفاظ فصیحہ کے ساتھ درود شریف کو ادا کرے اور ایسے الفاظ کہے جس سے حضور علیہ السلام کا کمال شرف اور آپ کی عظمت و حرمت ظاہر ہو تو یہ جائز ہے اور مجوزین کی دلیل قول ابن مسعود ہے رضی اللہ عنہ کہ انہوں نے فرمایا کہ تم اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر حسین درود پڑھا کرو۔ تم نہیں جانتے شاید یہی درود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا جائے۔ (تو تمہارے حسین الفاظ اور پیارے پیارے تعریفی جملے آپ دیکھ کر خوش ہوں) دیکھو سعادت الدارین ص ۳۱

محدثین و فقہا علیہم الرحمۃ کو دیکھئے کہ وہ اپنی کتابوں میں حضور علیہ السلام کے نام پاک کے ساتھ صلی اللہ علیہ وسلم یا علیہ الصلوٰۃ والسلام یا اور کوئی مختصر لفظ درود شریف لکھتے ہیں حالانکہ یہ لفظ بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ماثور نہیں جس سے معلوم ہوا کہ علمائے امت کا اجماع ہے کہ درود شریف کے بارہ میں وسعت ہے جو لفظ بھی ہو فضیلت سے خالی نہیں اور ہر لفظ میں قرآن شریف کے ارشاد کی تعمیل ہے قرآن کریم میں کسی خاص درود پڑھنے کی بابت حکم نہیں مطلق حکم ہے کہ درود پڑھو راب درود پڑھنے والا جس صیغے کے ساتھ اس حکم کی تعمیل کئے گا جائز ہوگا۔

بلکہ قرآن شریف میں درود اور سلام کا ذکر ہے اس لیے صلی  
درود اور سلام اللہ علیک یا رسول اللہ وسلم علیک یا حبیب اللہ پڑھنے سے یا  
الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ پڑھنے سے دونوں امروں کی تعمیل ہو جاتی ہے۔

درود بھی اور سلام بھی۔ لیکن نماز والا درود شریف پڑھنے میں درود کی تعمیل تو ہوگئی  
 لیکن سلام رہ گیا۔ سلام کے حکم کی تعمیل نہ ہوئی۔ اس لیے نماز والا درود شریف نماز  
 میں پڑھنا افضل ہے کیونکہ نماز میں پہلے سلام پڑھ لیا جاتا ہے یعنی السلام علیک  
 ایہا النبی۔ پھر یہ درود شریف پڑھا جاتا ہے تو دونوں حکموں کی تعمیل نماز میں  
 ہو جاتی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نماز میں درود شریف پڑھنے کی بابت  
**نماز کا درود** حضور علیہ السلام سے سوال کیا تو حضور علیہ السلام نے نماز والا درود  
 شریف سکھایا چنانچہ ابی مسعود بدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے۔

قَالَ أَتَبَلَ رَجُلٌ حَتَّى جَلَسَ بَيْنَ يَدَيِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
 وَسَلَّمَ وَتَحَنُّ عِنْدَهُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَمَا السَّلَامُ عَلَيْكَ  
 فَقَدْ عَرَفْنَاكَ فَكَيْفَ نَصَلِّيْكَ عَلَيْكَ إِذَا حُنَّ صَلَاتِنَا فِي مَلَاتِنَا  
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْكَ قَالَ فَصَمَّتْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
 حَتَّى أَحْبَبْنَا أَنَّ الرَّجُلَ لَوِئِنَّا لَهُ نَقَالَ إِذَا أَنْتُمْ صَلَّيْتُمْ  
 فَقُولُوا اللَّهُمَّ صَلِّ الْخ

مسند احمد ابن خزمیہ حاکم ابن حبان دارقطنی بیہقی میں یہ حدیث موجود ہے ابن  
 تیمیہ نے منقہ ۶۵ میں اس حدیث کو ذکر کیا ہے امام نووی شرح صحیح مسلم ص ۵۷  
 میں اس حدیث کو صحیح فرماتے ہیں۔ ترمذی و ابن خزمیہ و حاکم نے اس کو صحیح کہا  
 دارقطنی نے اس کی سند کو حسن متصل اور بیہقی نے صحیح کہا (سعادة الدارين ص ۵۹)

ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے  
 پاس تھے کہ ایک آدمی آیا اور آپ کے سارے منہ بیٹھ گیا۔ اور عرض کی یا رسول اللہ  
 آپ پر سلام بھیجا تو ہم معلوم کر چکے جب ہم نماز میں آپ پر درود پڑھیں تو کس طرح  
 پڑھیں۔ اللہ تعالیٰ آپ پر رحمت نازل فرمائے، راوی کہتا ہے کہ حضور علیہ السلام  
 خاموش ہو گئے۔ یہاں تک کہ ہم چاہتے تھے کہ یہ آدمی نہ پوچھتا (تو اچھا تھا) آپ نے

فرمایا کہ جب تم نماز پڑھو تو (اس طرح) کہو اللہم صل علی محمد الخ  
اسی حدیث کی تصریح کے واسطے قاضی عیاض رحمۃ اللہ نے اسی کو اظہر فرمایا  
کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے نماز میں درود شریف پڑھنے کے متعلق پوچھا اور حضور علیہ  
السلام نے نماز میں پڑھنے کے لیے یہ درود سکھایا۔

علامہ نووی نے بھی شرح صحیح مسلم میں ہی پسند فرمایا اور کہا۔  
هَذَا ظَاهِرٌ اخْتِيَارِ مُسْلِمٍ وَلِهَذَا اذْكَرْ هَذَا الْحَدِيثَ فِي  
هَذَا الْمَوْضِعِ۔

یہی ظاہر ہے کہ مسلم نے بھی اسی کو پسند فرمایا اسی واسطے اس حدیث کو  
اس موقع پر بیان کیا یعنی نماز میں تشہد کے موقع پر۔  
اسی یہ بات کہ اس درود شریف میں خطاب ہے اور حضور  
تحقیق خطاب علیہ السلام کو مسافت بعیدہ سے خطاب کرنا درست نہیں  
اس لیے یہ درود بھی درست نہیں۔

میں سے کہتا ہوں بے بیشک اس میں خطاب ہے لیکن یہ کہنا کہ حضور علیہ السلام  
کو خطاب درست نہیں صحیح نہیں کیونکہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے  
زمانہ میں صحابہ کرام اپنے اپنے گاؤں میں شہروں میں گھروں میں نمازیں پڑھتے  
تھے اور سب کے سب التحیات میں بصدیغہ خطاب السلام علیک ایہا النبی  
ہی پڑھتے تھے۔ حالانکہ سب کے سامنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہوتے  
تھے اور یہ خطاب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود سکھایا

اور اس تاکید سے سکھایا جس طرح کہ آپ قرآن شریف سکھاتے تھے لیکن کسی  
صحابی نے حضور علیہ السلام کے سامنے یہ عذر پیش نہیں کیا کہ حضور جب ہم آپ کے  
ساتھ جماعت میں شامل ہوتے ہیں تو آپ ہمارے سامنے ہوتے ہیں لیکن جب  
ہم سنن یا نوافل گھروں میں پڑھتے ہیں یا سفر میں نماز کا وقت آجاتا ہے یا کسی دوسرے  
شہر یا گاؤں میں نماز پڑھتے ہیں تو اس وقت آپ ہمارے سامنے موجود نہیں

ہوتے پھر ہم آپ کو بصیغہ خطاب السلام علیک ایہا النبی کس طرح پڑھیں  
کیونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جانتے تھے کہ حضور علیہ السلام کو ہمارا سلام  
پہنچتا ہے بذریعہ فرشتوں کے یا خدا تعالیٰ کے سنا دینے سے۔ اور یہ خطاب نہ  
صرف آپ کے زمانہ میں تھا بلکہ بعد وصال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی امت  
میں اسی طرح مروج رہا اور سب اسی التحیات کو پڑھتے رہے اور پڑھتے ہیں۔

صدیق اکبر و عمر فاروق و عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم برسر منبر علی روس الاشہاد  
اپنی اپنی خلافتوں میں اسی تشہد خطاب ولے کی تعلیم دیا کرتے تھے صحابہ میں سے  
اگر کسی صحابی کو نہد میں کلام ہوتا تو ضرور انکار کرتے معلوم ہوا کہ جواز نہد پر صحابہ کا اجماع تھا  
نور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے علقمہ کو اسی خطاب کے بصیغہ کے  
ساتھ التحیات سکھایا اور انہی سے حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ کو بصیغہ خطاب پہنچا  
رفیہ القدیہ

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس تشہد کے ایک ایک حرف کی  
بابت گزرت کرتے تھے اور کمی بیشی منع سمجھتے تھے۔

البتہ جو صحیح بخاری میں عبد اللہ بن مسعود سے آیا ہے۔  
ایک اعتراض کا جواب | فَلَمَّا قُبِضَ قُلْنَا السَّلَامَ بِعِنَى النَّبِيِّ اس کا

جواب یہ ہے کہ التحیات کی روایت عبد اللہ بن عباس و عمرو بن عمرو و جابر و ابو موسیٰ  
اشعری و عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سے منقول ہے سب میں لفظ السلام علیک  
ایہا النبی ہے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے شقیق اور علقمہ و اسود و ابوالاحوص  
و ابو عبیدہ و عبد اللہ بن سخرہ روایت کرتے ہیں لیکن کسی نے بجز عبد اللہ بن سخرہ  
خطاب چھوڑنے کا ذکر نہیں کیا۔ عبد اللہ بن سخرہ سے اعمش اور سیف بن سلیمان  
روایت کرتے ہیں۔ اعمش کی روایت میں بھی یہ فقرہ نہیں صرف سیف کی روایت  
میں ہے اور سیف اگر چہ ثقہ ہے لیکن یحییٰ بن معین اس کو قدری فرماتے ہیں جب  
جمع صحابہ سے طبقہ بعد طبقہ اس وقت تک وہی تعلیم بصیغہ خطاب چلی آتی ہے۔

حتیٰ کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی بجز اس روایت کے جو سیف سے ہے۔ بلفظ خطاب ہی مروی ہے تو روایت سیف معمول بہا نہیں ہوگی کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے خلاف ہے اور صحابی کا قول جب کہ سنت کے برخلاف ہو حجت نہیں ہوتا۔ پس روایات مرفوعہ کے خلاف قول ابن مسعود حجت نہیں ہو سکتا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی حدیث میں نہیں فرمایا کہ میری وفات کے بعد مجھے السلام علیک کے السلام علی النبی پڑھنا بلکہ حضور علیہ السلام جانتے تھے کہ صحابہ کرام و دیگر مسلمان شرق و غرب میرے انتقال کے بعد نمازیں پڑھیں گے اور اسی طرح پڑھیں گے جس طرح کہ میں نے سکھایا ہے اور اس خطاب کو اپنی حیات ظاہری کے ساتھ مقید نہیں فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام اس خطاب کو پسند فرماتے تھے۔

ملا علی قاری مرقاة شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں۔

أَمَّا قَوْلُ ابْنِ مَسْعُودٍ كُنَّا نَقُولُ فِي حَيَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسَلَّمَ السَّلَامَ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ فَلَمَّا قُبِضَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قُلْنَا السَّلَامَ عَلَى النَّبِيِّ فَهُوَ رَوَايَةُ أَبِي عَوَانَةَ وَرَوَايَةُ الْبُخَارِيِّ الْأَصَحُّ مِنْهَا بَيِّنَتْ أَنَّ ذَلِكَ لَيْسَ مِنْ قَوْلِ ابْنِ مَسْعُودٍ بَلْ مِنْ فَهْمِ الرَّاوِيِّ عَنْهُ وَنَفْظُهَا فَلَمَّا قُبِضَ قُلْنَا سَلَامٌ لِيُنْبِئَ عَلَى النَّبِيِّ فَقَوْلُهُ قُلْنَا سَلَامٌ يُحْتَمَلُ أَنَّهُ أَرَادَ بِهِ اسْتِمْرَارًا بِهٖ عَلَى مَا كُنَّا عَلَيْهِ فِي حَيَاتِهِ وَيَحْتَمَلُ أَنَّهُ عَرَضْنَا عَنِ الْخَطَابِ وَإِذَا احْتَمَلَ اللَّفْظُ لَوَيْبِقٍ فِيهِ دَلَالَةٌ كَمَا أَذْكَرَهُ ابْنُ حَجْرٍ أَتَى

یعنی ابو عوانہ کی روایت میں آیا ہے کہ جب حضور علیہ السلام کا انتقال ہوا تو ہم نے السلام علی النبی کہنا شروع کیا اور بخاری کی روایت نے جو اس سے اصح ہے بیان کر دیا ہے کہ السلام علی النبی کہنا ابن مسعود کا قول نہیں بلکہ راوی کا فہم ہے یعنی بخاری لا قالہ ابن حجر بخاری کا لفظ یہ ہے کہ جب آپ قبض کیے

گئے کہا ہم سلام یعنی علی بنی - تو یہ قول کہ کہا ہم نے سلام دو احتمال رکھتا ہے ایک یہ کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا اس قول سے یہ ارادہ ہو کہ ہم اسی سلام پر رہے جس پر حضور علیہ السلام کی زندگی میں تھے یعنی السلام علیک پر دوسرا احتمال یہ ہے کہ ہم نے خطاب چھوڑ دیا تو جب احتمال اگیا - ولالت باقی نہ رہی اسی طرح ابن حجر نے ذکر کیا ہے الخ۔

بعض روایات سے ثابت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما یہ تشہد نماز میں پڑھتے تھے۔

التحيات لله والصلوة لله الزاکیات لله السلام على النبي الخ  
 تو معلوم ہوا کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی خطاب چھوڑ دیا تھا اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ اس روایت میں آپ کی زندگی میں خطاب چھوڑنے کا کوئی ذکر نہیں اور نہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کیونکہ اس حدیث میں نافع اپنے زمانہ کی خبر دیتا ہے کہ ابن عمر یہ تشہد پڑھتے تھے اور ظاہر ہے کہ نافع کا زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا زمانہ نہیں علاوہ اس کے اس روایت میں چند امور ایسے ہیں جو تشہد ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے خلاف ہیں اور تشہد ابن مسعود رضی اللہ عنہ اصح مانا گیا ہے اسی واسطے زرقانی لکھتا ہے۔

فَسَالِكٌ لَا يَقُولُ بِمَا فِي خَيْرِ ابْنِ عَمْرٍ هَذَا مِنْ الْبِسْمَلَةِ فِي أَوَّلِهِ  
 وَإِبْدَائِهِ أَشْهَدًا بِشَهَدَاتٍ وَالِدَاعَاءِ فِي التَّشْهَدِ الْأَوَّلِ وَإِعَادَةِ  
 السَّلَامِ عَلَى النَّبِيِّ وَالصَّالِحِينَ بَعْدَ الدَّعَاءِ وَقَبْلَ السَّلَامِ وَإِبْدَالِ  
 عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ بِالسَّلَامِ عَلَى النَّبِيِّ (زرقانی)

امام مالک رحمۃ اللہ اس تشہد کا قائل نہیں جو ابن عمر کی حدیث میں ہے یعنی پہلے بسم اللہ اور تشہد کے بدلہ میں شہادت اور تشہد اول میں دعا اور نبی اور صالحین پر سلام کا اعادہ دعا کے بعد سلام سے پہلے اور عینک ایسا الہی کو السلام علی بنی سے بدل کرنا یعنی اس تشہد میں اس قدر کمی بیشی ہے۔ امام مالک اس کا قائل نہیں (زرقانی شرح موطا،

علاوہ ازیں موطا امام محمد میں یہی نافع ابن عمر سے بصیغہ خطاب روایت کرتے ہیں عبدالحی لکھنوی حاشیہ موطا میں فرماتے ہیں کہ میں نے اس کتاب کے نسخوں میں ایسا ہی بصیغہ خطاب دیکھا ہے البتہ زرقانی نے بغیر خطاب نقل کیا ہے۔ اور یہ سمجھنا کہ بعض صحابہؓ نے لفظ خطاب کو مشوب باثنا تبہ شرک سمجھ کر چھوڑ دیا۔ رحم بالغیب ہے اور بالکل غلط کیوں کہ اس میں اگر کچھ بھی شرک کا ثائبہ ہوتا تو سب صحابہ رضی اللہ عنہم اس لفظ کو بدل دیتے کوئی صحابی بھی بصیغہ خطاب نہ پڑھتا بلکہ خود ابن مسعود و ابن عمر رضی اللہ عنہما و دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کی حیات ظاہری میں ہی آپ سے غائب و بعید ہونے کی صورت میں اس لفظ کو چھوڑ دیتے۔ لیکن آپ کی دنیوی زندگی میں کسی صحابی کا لفظ خطاب چھوڑنا ثابت نہیں نیز اگر اس میں کوئی ثائبہ شرک ہوتا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیوں اس کی تعلیم فرماتے یا اگر تعلیم بھی فرمایا تھا تو تصریح فرما دیتے کہ یہ صیغہ اس وقت پڑھا کر واجب میں تمہارے سامنے حاضر ہوں یا میری وفات کے بعد اس کو چھوڑ دینا نہیں بلکہ حضور علیہ السلام نے عام فرما دیا تھا۔

إِنَّ إِلَهَ مَلَائِكَةِ يَبْلَغُونَ عَنِ أُمَّتِي السَّلَامَ۔

اللہ تعالیٰ نے کچھ فرشتے مقرر کیے ہیں جو میری امت کا سلام میرے پاس پہنچاتے ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بھی اس حدیث کا علم ہوگا۔ البتہ ہو سکتا ہے کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان جواز کے لیے خطاب چھوڑا ہوتا کہ کوئی وہم نہ کرے کہ بجز خطاب التحیات درست ہی نہیں۔

قَالَ السُّبُّبِيُّ فِي تَرْجُومِهِ الْمُنْهَاجِ بَعْدَ أَنْ ذَكَرَ هَذِهِ الرَّوَايَةَ مِنْ عِنْدِ أَبِي عَوَانَةَ وَحَدَّثَهُ أَنْ مَجَّ هَذَا عَنِ الْقَعَابَةِ دَلَّ عَلَى أَنَّ الْخُطَابَ فِي السَّلَامِ بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَيْرُ وَاجِبٍ

(تعلیق المجد)

علامہ سبکی شرح منہاج میں ابو عوانہ کی حدیث بیان کر کے لکھتے ہیں کہ اگر



صحابہ سے یہ (ترک خطاب) صحیح ہو جائے تو اس بات پر دلالت کرے گا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریعت کے بعد سلام میں خطاب واجب نہیں (بلا خطاب بھی جائز ہے) (تعلیق المجدد حاشیہ موطا محمد)

**خطاب حکانتی کی تحقیق** | کہتے ہیں کہ التحیات میں جو خطاب ہے حکایت ہے یعنی السلام علیک ایہا ابنی شب معراج میں خدا تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو کہا ہم اس واقعہ کی حکایت کرتے ہیں خطاب مقصود نہیں ہم یہ شبہ ایسے لوگوں سے سنتے ہیں جو مدعی عمل بالحدیث ہیں جن کا یہ قول ہے ”کسی کا ہو رہے کوئی نبی کہہ ہو رہے ہیں ہم“ لیکن انفسوس کہ وہ التحیات کے متعلق کوئی ایسی حدیث بسند صحیح نہیں دکھاسکتے جس میں یہ ذکر ہو کہ شب معراج میں خدا تعالیٰ نے ایسا کہا اور حضور نے یہ کہا جبریل نے یہ کہا میں نے بعض سیر کی کتابوں میں ایسا لکھا دیکھا ہے۔ لیکن باوجود تلاش مجھے اس کی تخریج نہیں ملی۔ عرصہ ہوا کہ مولوی حکیم ابوتراب عبدالحق صاحب ایڈیٹر اخبار اہل سنت نے اپنے اخبار میں یہی مضمون لکھا۔ میں نے ان سے بذریعہ کارڈ دریافت کیا کہ یہ حدیث کس کتاب کی ہے جواب آیا کہ میں اس کی تلاش میں ہوں۔ اگر مل گئی تو لکھوں گا جتنا کہ انہوں نے بھی کوئی پتہ نہیں لکھا۔

بہر حال اگر شب معراج میں ایسا واقعہ گذرا ہو تو کچھ بعید نہیں لیکن اس پر کیا دلیل ہے کہ ہم جو التحیات پڑھتے ہیں اس میں حکایت مقصود ہے اشارہ نہیں۔ اگر حکایت ہی مقصود ہے تو پھر نمازی کی طرف سے نہ التحیات ہو انہ سلام نہ حضور علیہ السلام پر نہ صالحین پر نہ اشہدان لا الہ الا اللہ پڑھنے سے توحید کی شہادت ہوئی بلکہ معراج کی حکایت ہوئی حالانکہ حکایت سمجھنا کئی وجوہ سے باطل ہے۔

- ۱۔ محکی عنہ بسند صحیح ثابت نہیں یعنی معراج کی رات میں ایسا ہونا۔
- ۲۔ تشہد کی تعلیم والی کسی حدیث میں نہیں آیا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہو کہ یہ مخاطبہ شب معراج ہوا تھا اس کو بطور حکایت پڑھنا۔
- ۳۔ منکرین مانتے ہیں کہ بعض صحابہ نے خطاب چھوڑ دیا تھا پس اگر خطاب حکائی

تھا تو کیا ان صحابہ کو اس کا حکانی ہونا معلوم نہ تھا پھر کیوں خطاب کو ترک کیا؟  
 ۴۔ اگر یہ خطاب حکانی ہوتا تو محدثین اس خطاب کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم  
 کے خصائص میں کیوں لکھتے حکایت میں کوئی خصوصیت نہیں قرآن کریم میں  
 یا عیسیٰ یا آدم یا موسیٰ بلکہ یا ہامان بھی آتا ہے جو حکائتا نمازیں پڑھا  
 جاتا ہے۔ اگر حضور علیہ السلام کا خطاب بھی حکائتا ہے تو پھر خصوصیت نہ رہی  
 معلوم ہوا کہ یہ خطاب بطور انشاء ہے۔ اسی واسطے حضور علیہ السلام کے خصائص  
 سے ہے کہ نماز میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کسی کو خطاب بطور  
 انشاء درست نہیں۔

علامہ زرقانی فرماتے ہیں۔

فَإِنْ قِيلَ كَيْفَ شَرَعَ هَذَا اللَّفْظَ وَهُوَ خِطَابٌ بِشَرِّعِ أَنَّهُ  
 مَنَّهُمْ عَنَّهُ فِي الصَّلَاةِ فَالْجَوَابُ إِنَّ ذَلِكَ مِنْ خِصَائِصِهِ  
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. مَلَّا عَلَى قَارِي مَرَقَاتٍ فِي فَرَمَاتِهِ  
 وَجَوَازِ الْخُطَابِ مِنْ خِصُوصِيَّاتِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِذْ لَوْ قِيلَ  
 لِغَيْرِهِ حَاضِرًا أَوْ غَائِبًا السَّلَامُ عَلَيْكَ بَطَلَتْ صَلَوَاتُهُ.

دونوں سورتوں کا حاصل ترجمہ یہ ہے کہ نماز میں خطاب رسول کریم صلی اللہ  
 علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے اگر حضور علیہ السلام کے سوا کسی اور کو خواہ  
 وہ حاضر ہو یا غائب السلام علیک کہے تو کہنے والے کی کلمہ باطل ہو جائے گی۔  
 اسی طرح ابن حجر نے فتح الباری اور سیوطی نے خصائص میں اور قسطلانی نے  
 مواہب میں ذکر کیا ہے۔

۵۔ حدیث تشہد میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

فَإِنَّهُ إِذَا قَالَ ذَلِكَ أَصَابَ كُلَّ عَبْدٍ صَالِحٍ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ.

یعنی جب بندہ السلام علینا وعلیٰ عباد اللہ الصالحین کہتا ہے تو ہر بندہ صالح  
 جو زمین و آسمان میں ہے سب کو یہ پہنچتا ہے۔

حضور علیہ السلام نے اس جملہ شریعت کے فرمانے سے حکایت کے خیال کو بالکل مٹھ کر جمع فرمادیا۔ اگر تشہد میں الشانہ ہوتا تو زمین آسمان کے صالحین بندوں پر سلام کیسے پہنچتا سلام تو مقصود ہی نہ تھا۔ وہ تو حکایت تھی پھر پہنچتا کیا اسی واسطے علامہ مسکی نے فرمایا ہے۔

إِنَّ فِي الصَّلَاةِ حَقًّا لِّلْعِبَادِ مَعَ حَقِّ اللَّهِ وَإِنَّ مَن تَرَكَهَا أَخْلَىٰ بِحَقِّ جَمِيعِ الْمُؤْمِنِينَ مَن مَفَىٰ وَمَنْ يَجِبُ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَوْ جُوبِ قَوْلُهُ بِهَا سَلَامٌ عَلَيْنَا وَعَلَىٰ عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ (فتح الباری) اور کہا تھا کہ۔ تَرَكَ الصَّلَاةَ يَضُرُّ لَجَمِيعِ السُّلَمِيِّينَ لِأَنَّ لِمُصَلِّيٍّ أَنْ يَقُولَ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَلَا بُدَّ أَنْ يَقُولَ فِي التَّشَهُدِ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَىٰ عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ فَيَكُونُ مُقْصِرًا بِخِدْمَةِ اللَّهِ وَفِي حَقِّ رَسُولِهِ وَفِي حَقِّ نَفْسِهِ وَفِي حَقِّ كَافَّةِ السُّلَمِيِّينَ وَلِذَا أَيْدَكَ عَظَمَتِ الْمُعْصِيَّةُ بِتَرْكِهَا۔ (فتح الباری)

یعنی نماز میں خدا کے حق کے ساتھ بندوں کا بھی حق ہے کیونکہ تشہد میں السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین کا پڑھنا واجب ہے۔ پس جس شخص نے نماز ترک کی اس نے تمام مسلمانوں کے حقوق کو پس انداز کر دیا اور وہ نہ صرف خدا کی خدمت سے قاصر رہا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ادا کرنے میں اور اپنے نفس کا حق اور تمام مسلمانوں کا حق ادا کرنے میں قاصر رہا۔ اس لیے ترک نماز بڑا کبیرہ گناہ ہے۔ ۶۔ محققین نے تصریح فرمائی ہے کہ تشہد میں حکایت کا قصد نہ کرے، علامہ

شامی فرماتے ہیں۔ وتر مختار میں بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ بحر الرائق میں ہے۔ لَا يَقْصَدُ الْأَخْبَارُ وَالْحِكَايَةَ عَمَّا وَقَعَ فِي الْمِعْرَاجِ إِنَّمَا ذَكَرْنَا بَعْضَ مَعَانِي التَّشَهُدِ لِأَنَّ الْمُصَلِّيَّ يَقْصِدُ بِهَذِهِ الْأَلْفَاظِ مَعَانِيهَا مُرَادَةً لَهُ عَلَىٰ وَجْهِ الْأَنْشَاءِ مِنْهُ كَمَا صَرَّحَ بِهِ

فِي الْمُجْتَبِ بِقَوْلِهِ وَلَا بُدَّ مِنْ يَفْصِدَ بِالْفَاظِ التَّشْهَدِ مَعْنَاهَا  
الَّتِي وَضِعَتْ لَهَا مِنْ عِنْدِهِ كَأَنَّهُ يُحْيِي اللَّهَ وَيُسَلِّمُ عَلَى  
النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَى نَفْسِهِ وَأَوْلِيَائِهِ أَنْتَهَى  
وَعَلَى هَذَا إِذَا لَمْ يَمُرَّ فِي تَوَلِيهِ السَّلَامُ عَلَيْنَا عَائِدًا إِلَى الْحَاضِرِينَ  
مِنَ الْإِمَامِ وَالْمَأْمُومِ وَالْمَلِكَةِ كَمَا نَقَلْنَا فِي الْغَايَةِ عَنِ النَّوَوِيِّ  
وَأَسْتَحْسِنُهُ وَبِهَذَا أَيْضًا مَا ذَكَرَاهُ فِي السَّرَاحِ الْوَهَّاجِ  
أَنَّ تَوَلِيَهُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ حِكَايَةٌ سَلَامٍ مِنَ  
الْمُصَلِّي عَلَيْهِ (بحر الرائق ص ۳۲۵ ج اول)

ہم نے بعض معانی تشدد اس لیے ذکر کیے ہیں تاکہ نمازی ان الفاظ سے ان کے معانی کا قصد کرے جو لوجہ الشارح اس کی مراد میں ہوں جیسا کہ مجتبیٰ میں تصریح ہے کہ ضرور ہی نمازی الفاظ تشدد میں ان کے معانی کا جن کے لیے وہ الفاظ وضع کیے گئے ہیں اپنی طرف سے قصد کرے گا گو یا وہ نمازی اللہ تعالیٰ کو تحیت کہتا ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجتا ہے اور اپنے نفس پر اور خدا کے دوستوں پر تو اس بنا پر السلام علینا میں جو ضمیر ہے اس کا مرجع حاضرین کی طرف پھرتا ہے جو امام و مقتدی اور ملائکہ ہیں جیسے غایہ میں نووی سے منقول ہے اور اسے مستحسن سمجھا اس تقریر سے سراج الوہاج کے اس قول کا ضعف ثابت ہو گیا اس نے لکھا ہے کہ السلام علیک ایہا النبی میں اللہ تعالیٰ کے سلام کی حکایت ہے نمازی کی طرف سے ابتدا سلام نہیں۔ انتہی مافی البحر الرائق۔

۷۔ احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جب آیت ان اللہ وملتکة نازل ہوئی تو صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ سلام کا طریقہ تو ہم نے جان لیا صلاۃ کا ارشاد فرمائیے۔

چنانچہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آتا ہے۔  
قَالَ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ هَذَا السَّلَامُ عَلَيْكَ قَدْ عَلِمْنَاهُ فَكَيْفَ

الصَّلَاةُ قَالَ قَوْلُوا اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ الْخ  
 کہا اس نے ہم نے عرض کی یا رسول اللہ تم نے سلام کہنا تو معلوم کر لیا ہے  
 درود کس طرح بھیجیں تو آپ نے فرمایا پڑھو اللہو صل علی محمد الخ  
 اور سلام کا طریقہ جس کی نسبت صحابہ نے عرض کی کہ ہم نے جان لیا ہے  
 وہ تشہد کا سلام سے امام نووی فرماتے ہیں۔

أَمَّا السَّلَامُ فَكَمَا عَلِمْتُمْ فِي التَّشْهِيدِ وَهُوَ قَوْلُهُمُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا  
 النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ۔ (نووی شرح مسلم)

سلام جیسے تم نے تشہد میں جان لیا اور وہ السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ  
 وبرکاتہ ہے۔

امام سخاوی نے قول البیہق میں بھی ایسا ہی لکھا ہے۔  
 معلوم ہوا کہ صحابہ علیہم الرحمۃ کے نزدیک یہ سلام حکایتانہ تھا بلکہ انشائی تھا۔  
 کیونکہ آیت صلوا علیہ وسلموا کے امر کے امثال میں صحابہ نے اس کو قرار  
 دیا اور ظاہر ہے کہ امثال امر کے لیے انشائی ہی ضرورت ہے حکایت معنی نہیں  
 معلوم ہوا کہ صحابہ رحمہم اللہ اس خطاب کو حکائی نہیں سمجھتے تھے اور کسی روایت میں  
 صحابہ سے یہ تصریح بھی نہیں کہ ہم خطاب حکائی سمجھ کر پڑھتے ہیں پھر معلوم نہیں کہ  
 حضرات معترضین کس بنا پر اس خطاب کو حکائی سمجھتے ہیں۔

۸۔ علامہ زرقانی نے طیبی سے نقل کیا ہے کہ نمازیوں نے جب التحیات کے  
 ساتھ عالم ملکوت کا دروازہ کھولا تو ان کو اندر آنے کی اجازت مل گئی۔ پھر  
 مناجات کے ساتھ ان کی آنکھیں کھنڈی ہوئیں تو ان کو تنبیہ کی گئی کہ تمہیں  
 یہ اجازت اور باریابی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ اور انکی متابعت  
 کی برکت سے حاصل ہوئی۔ نمازیوں نے التفات کیا تو دیکھا کہ حضور علیہ السلام  
 بارگاہ الہی میں حاضر ہیں تو السلام علیک ایہا النبی کہتے ہوئے حضور علیہ السلام  
 کی طرف متوجہ ہوئے۔ حافظ ابن حجر نے اہل عرفان کے اس طرز پر طیبی

نے نقل کیا ہے کچھ اعتراض کیا ہے۔ علامہ زرقانی اس کے جواب میں فرماتے ہیں۔

لَكِنَّ الْمَقْرَأَةَ فِي الْفُرُوعِ إِنَّمَا يُقَالُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ  
رَلَوْ بَعْدَ وَفَاتِهِ إِتِّبَاعًا لِأَمْرِهِ وَتَعْلِيمِهِ فَمَتَّ النَّكْتَةُ أَمْتِي۔

یعنی فروع میں مقرر ہو چکا ہے کہ السلام علیک ایہا النبی ہی پڑھا جاوے اگرچہ آپ کی وفات کے بعد ہی ہو اس لیے کہ آپ کے امر اور تعلیم کا اتباع ہے تو طبیی کا نکتہ پورا ہوا۔

اس سے بھی ثابت ہوا کہ یہ خطاب حکامی نہیں اور یہ نکتہ نہایت عجیب ہے۔ امام شعرانی نے میزان میں لکھا ہے کہ شارح نے اس لیے درود اور سلام کا التحیات میں نمازی کو امر فرمایا ہے تاکہ غافلوں کو آگاہی ہو کہ جس پر درود و گار کے حضور میں بیٹھے ہو اس دربار میں تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی موجود ہیں۔

فَانَّهُ لَا يَفَارِقُ حَضْرَةَ اللَّهِ أَبَدًا: يَفْحَاطِيُونَهُ بِالسَّلَامِ مُشَاهَدَةً۔

کیونکہ حضور علیہ السلام بارگاہ الہی سے کبھی الگ نہیں ہوتے پس نمازی آپ کو سلام کے ساتھ سامنے خطاب کرتے ہیں۔

صدیق حسن بہو پالوی مسک الختام شرح بلوغ المرام جلد اول میں لکھتے ہیں۔  
”وجہ خطاب بہ آنحضرت بجمت البقائے اس کلام است برآنچه در اصل بودیکہ  
شب معراج از جانب پروردگار تعالیٰ و تقدس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطابت سلام  
آمد پس آنحضرت در حین تعلیم امت نیز برہاں لفظ اصل گذاشت تا ایشان را مذکور آن  
حال گردود۔ و نیز آنحضرت ہمیشہ نصب العین مومنان و قرۃ العین عابدان است در  
جمع احوال و اوقات خصوصاً در حالت عبادات و نورانیت و انکشاف دریں محفل بشرت  
و قوی تر است و بعضی از عرفا قدس سرہم گفتہ اند کہ اس خطاب بجمت سرایان حقیقت  
محمدیہ است علیہ الصلوٰۃ والسلام و در ذرا بر موجودات و افراد ممکنات پس آنحضرت صلی  
اللہ علیہ وسلم در ذوات مصلیان موجود و حاضر است پس مصلی باید کہ ازین معنی آگاہ باشد

وازیں شہود غافل بنو و تا با نوار قرب اسرار معرفت منور و فائض گردود۔

در راہ عشق مرحلہ قرب و بعد نیست

مے بنیت عیان و دعائے فرستمت

یعنی اس خطاب کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح یہ کلام معراج کی رات میں ہوئی اسی اصل پر باقی رکھی شب معراج میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام کا خطاب ہوا تو حضور علیہ السلام نے امت کی تعلیم کے وقت اسی لفظ سے تعلیم فرمایا تاکہ امت کو حالت معراج کا واقعہ یاد رہے۔ نیز خطاب کی یہ وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ مومنوں کے نصب العین اور عابدوں کے ترقی العین ہیں ہر حالت اور ہر وقت میں خصوصاً عبادات میں (تو حضور علیہ السلام عابدوں کے نصب العین ضرور رہتے ہیں) اور اس وقت نورانیت اور کشف زیادہ قوی ہوتا ہے (گویا یہ خطاب حضور علیہ السلام کو بالمشافہ ہے) اور بعض عارفین نے کہا ہے کہ یہ خطاب اس لیے ہے کہ حقیقت محمدیہ موجودات کے ذرہ ذرہ ممکنات کے تمام افراد میں موجود ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نمازیوں کی ذات میں موجود اور حاضر میں تو نمازی کو چاہیے کہ ان معنوں سے آگاہ ہو اور اس شہود سے غافل نہ ہو تاکہ قرب کے انوار اور معرفت کے اسرار سے منور و فائز ہو ہاں عشق کے راہ میں قرب و بعد نہیں ہم تجھے دیا رسول اللہ ظاہر دیکھتے ہیں اور دعا بھیجتے ہیں۔ اسی طرح شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اشعۃ اللمعات میں لکھا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ خطاب حکمانی نہیں بلکہ یہ خطاب حاضر کو ہے یہ شہود جو صدیق حسن اور شیخ دہلوی نے لکھا ہے۔ عجب نہیں کہ زمانہ حال کے مدعیان عمل بالحدیث اس کو شرک کہیں۔

۹۔ حضرت امام غزالی اجیاء العلوم ہیں فرماتے ہیں۔

وَاحْفَظْ فِي قَلْبِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَشَخْصَهُ  
الْكِرْيُورَ وَقَدْ سَلَّمَ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَاحِمَةُ اللَّهِ دَبْرَ كَاتِهِ

تو اپنے دل میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مبارک کو حاضر کر اور  
کہہ السلام علیک ایہا النبی۔

دیکھئے اگر خطاب حکائی ہوتا تو نزالی اس تصور کی ہدایت نہ کرتے۔ اس تحقیق سے  
ثابت ہوا کہ ایہا النبی میں خطاب حکائی نہیں حضور علیہ السلام نے صحابہ کو سکھایا اکثر  
صحابہ و تابعین و تبع تابعین و آئمہ اربعہ اور ان کے مقلدین کا اسی تشہد خطاب والے  
پر عمل رہا اور کسی سے اس پر انکار ثابت نہیں ہوا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی انکار  
ثابت نہیں البتہ ترک خطاب ہے اور وہ بھی محتمل کما مر عن المرقات اور آپ کا علم  
تابعی کو یہی تشہد سکھانا اس بات پر دلیل ہے کہ آپ کا بعد وصال آنحضرت صلی اللہ  
علیہ وسلم اسی تشہد پر عمل ہو گیا تھا گو پہلے یہاں لجزاز آپ نے ترک خطاب کیا ہو۔  
فتح الباری میں ابن عباس و ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا مکالمہ درج ہے۔

قال ابن عباس الما كنا نقول السلام عليك ايها النبي اذ كان  
حيانا قال ابن مسعود هكذا علمنا وهكذا العلم۔

ابن عباس نے کہا کہ ہم حضور علیہ السلام کی زندگی میں السلام علیک ایہا النبی  
کہتے تھے۔ تو ابن مسعود نے فرمایا اسی طرح (بصیغہ خطاب) ہم سکھائے گئے اور اسی  
طرح ہم سکھاتے ہیں۔ (فتح الباری ص ۲۵۳)

اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اسی تشہد خطاب والے  
پر قائم رہے اگرچہ حافظ نے اس پر کلام کیا ہے کہ ابو عبیدہ اپنے باپ کی حدیث کا  
دوسروں سے زیادہ اعلم ہے اگرچہ حدیث ضعیف بھی ہو تو بھی معمر کی روایت کے  
مخالفت نہیں بلکہ اس کی روایت میں جو قلنا السلام یعنی علی النبی ملا ہے اس میں  
دو احتمال ہیں کما مر عن المرقات اور یہ مکالمہ ایک احتمال کی تائید کرتا ہے پس کوئی  
تعارض نہ ہوا۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بطریق صحیحہ موقوفاً و مرفوعاً یہی ثابت ہے کہ وہ بھی بصیغہ  
خطاب پڑھتے پڑھانے رہے۔ مؤطا میں جو نافع نے ان سے ترک خطاب روایت کیا



ہے۔ موطا امام میں وہ روایت بھی بصیغہ خطاب ہی ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مسلم شافعی ترمذی نے مرفوعاً ہی تشدد روایت کیا ہے تو جب نماز میں جو اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے حضور علیہ السلام کو خطاب درست ہے تو خارج از نماز کیوں درست نہ ہوگا۔ اگر اس خطاب میں شائبہ شرک ہوتا تو خود حضور علیہ السلام منع فرمادیتے۔ یا اگر اس میں تشبہ بالمشرکین ہوتی یا بطریق تنزیل اس تشبہ کو حضور علیہ السلام منع خیال فرماتے تو ضرور منع فرماتے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے بعض امور کو بوجہ تشبہ منع فرمایا بلکہ ایسے خطاب کی نماز میں ہرگز اجازت نہ دیتے جس میں بقول منکرین تشبہ بالمشرکین پائی جاتی ہے۔

ایک تشبہ۔ کہتے ہیں کہ التحیات میں ندا قیاس کے خلاف اور قیاس پر قیاس درست نہیں۔

یہ کتنا ہوں یہاں قیاس کہاں ہے وہی سلام بالخطاب نماز میں ہے وہی سلام بالخطاب خارج از نماز ہے۔ اس کی اجازت بعینہ اس کی اجازت ہے۔

دوسری دلیل | قاضی عیاض رحمۃ اللہ نے شفا میں لکھا ہے کہ ایک دن حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا پاؤں سو گیا کسی نے اذکار اہلبیت الیک کہا جو سب لوگوں سے تمہیں زیادہ محبوب ہے۔ اس کو یاد کر تو آپ چلا کر پکار اٹھے یا محمد آہ پاؤں فی الفور اچھا ہو گیا۔ دیکھئے حالت غیب میں بلفظ حاضر خطاب فرما رہے ہیں کون حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے آیا ہے۔ تیسری دلیل | علامہ خفاجی لکھتے ہیں۔

رُويَ مِثْلُهُ دَايَ مِثْلِ قَوْلِ ابْنِ عَمْرِو بْنِ عَبَّاسٍ وَذَكَرَهُ النَّوَوِيُّ  
فِي اَذْكَارِهِ وَرُويَ اَيْضًا مِنْ غَيْرِهِمَا وَهَذَا مِنْ مَتَا تَعَاهَدَا أَهْلُ  
الْمَدِينَةِ اَتَنِي۔

یعنی ابن عمر رضی اللہ عنہ کی طرح پاؤں کے سن ہو جانے کے وقت یا الجراہ

کننا حضرت ابن عباس سے بھی آیا ہے نوومی رحمہ اللہ نے اپنے اذکار میں ذکر کیا ہے اور دونوں کے سوا اور حضرات صحابہؓ سے مروی ہے اور یہ اسرائیل مدینہ کی عادات میں سے ہے۔

ابن السنی نے عمل الیوم واللیلہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کا اثر روایت کیا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نابینا کو ایک دعا سکھائی جس میں چوتھی دلیل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے۔ وہ دعا یہ ہے۔

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ وَأَتُوجَّهُ بِبَنِي أَبِيكَ مُحَمَّدًا نَبِيَّ الرَّحْمَةِ  
يَا مُحَمَّدًا إِنِّي أَتُوجَّهُ إِلَىٰ رَبِّي بِكَ أَنْ يُكْشِفَ لِي عَنْ بَصَرِي اللَّهُمَّ  
شَقِّعْهُ لِي وَشَقِّعْنِي لِي نَفْسِي - رواه الترمذی وقال حدیث حسن صحیح

غریب (ترغیب ص ۱۷۲)

اے خدا میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں اپنے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی رحمت کے توسل سے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے رب کی طرف تیرے توسل کے ساتھ متوجہ ہوتا ہوں کہ وہ میری بصارت کھول دے اے اللہ میرے حق میں اس کی سفارش قبول کر اور میرے نفس کے بارہ میں میری سفارش منظور کر۔

حدیث میں آیا ہے کہ اس نابینا نے یہ دعا پڑھی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو بینائی عطا کی۔

ابن ماجہ کی روایت میں اس دعا کے یہ الفاظ ہیں۔

يَا مُحَمَّدًا إِنِّي قَدْ تَوَجَّهْتُ بِكَ إِلَىٰ رَبِّي فِي حَاجَتِي هَذَا لِتَقْتَضِي

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں تیرے توسل سے اللہ تعالیٰ کی طرف اپنی اس حاجت کے لیے متوجہ ہوتا ہوں تاکہ اس کو پورا کر دے يَا لِتَقْتَضِي ہے تاکہ وہ حاجت پوری کی جائے۔

طبرانی کی روایت میں ہے کہ خدا کی قسم ابھی ہم حضور علیہ السلام کی صحبت سے الگ نہیں ہوئے اور نہ کوئی طویل گفتگو ہوئی کہ وہی نابینا آیا گویا اس کو کوئی ضرر نہ تھا حدیث کے الفاظ تَرَجَّحَ اور حَتَّى دَخَلَ عَلَيْنَا سے سمجھا جاتا ہے کہ اور اس اندھے نے یہ دعا حضور علیہ السلام سے سیکھ کر حضور کی غیبت میں ہی پڑھی تھی اگر حضور علیہ السلام کے سامنے پڑھتا تو یہ الفاظ نہ ہوتے تو جو لوگ اس حدیث میں جو خطاب ہے اس کو حضور علیہ السلام کی حاضری پر حمل کرتے ہیں وہ علاوہ بے دلیل ہونے کے میاق حدیث کے خلاف کہتے ہیں۔ اس دعا میں یا محمد بصیغہ خطاب آپ کی طرف التفات و تضرع ہے اور التوجہ بک میں بے استعانت ہے۔

نیر حضور علیہ السلام کو معلوم تھا کہ میری تعلیم تمام امت کے لیے ہے اور یہ خطاب جو میں نے سکھایا ہے میرے بعد بھی لوگ اسی طرح پڑھیں گے پھر بھی آپ نے ایسا ہی سکھایا جس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام نے اس خطاب کو جائز رکھا اس خطاب کو صحابہ نے حضور علیہ السلام کے انتقال کے بعد اسی طرح سکھایا لوگوں نے بھی اسی خطاب کے ساتھ عمل کیا جس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو غائبانہ خطاب کرنا صحابہ میں معمول تھا اگر اس دعا میں خطاب دکھائتا سمجھا جاوے تو پھر اللهم انی التوجہ ایک بھی حکایت ہوگی وہ کما تری۔

لما علی قاری رحمہ اللہ حرر ثمانین میں لکھتے ہیں۔

يَا مُحَمَّدُ التَّفَاتُ إِلَيْهِ وَتَضَرُّعٌ لَدَيْهِ لِيَتَوَجَّهَ رَوْحَهُ إِلَى

اللَّهِ -

یعنی یا محمد آپ کی طرف التفات اور تضرع ہے تاکہ آپ کو روح مبارک اللہ کی طرف متوجہ ہو۔

صاحب حسن حصین نے اس کو عام ہر اہل حاجت کے لیے لکھا ہے۔

عَنْ عُمَانَ بْنِ حَنِيفٍ أَنَّ رَجُلًا يَخْتَلِفُ إِلَى عُثْمَانَ

پانچویں دلیل | بِنِ عَفَّانٍ فِي حَاجَةٍ لَهُ فَكَانَ عُثْمَانُ لَا يَلْتَفِتُ إِلَيْهِ

وَلَا يَنْظُرُ فِي حَاجَتِهِ فَلَقِيَ عُثْمَانَ بْنَ حَنِيفٍ فَسَأَلَ ذَلِكَ إِلَيْهِ

قَالَ لَهُ عُثْمَانُ بْنُ حَنِيفٍ أَنْتَ الْمَيْصَنَاءُ فَتَوَمَّنَا ثُمَّ مَنَّا ثُمَّ أَتَيْتَ  
الْمَسْجِدَ فَصَلَّ فِيهِ رَكَعَتَيْنِ ثُمَّ قُلَّ اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ وَالْوَجْهَ  
الْبَيْتَ -

عثمان بن حنیف سے روایت ہے کہ ایک آدمی بارہا حضرت عثمان بن عفان  
رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جایا کرتا تھا مگر آپ التفات نہ فرماتے پھر وہ شخص عثمان بن  
حنیف کو ملا اور شکایت کی انہوں نے فرمایا بہترین ہے اور وضو کر پھر مسجد میں دو  
رکعت نماز پڑھ اور کہو اللہم انی اسئلك۔

اس آدمی نے موافق تعلیم عثمان بن حنیف اس دعا کو پڑھا۔ پھر حضرت عثمان رضی  
اللہ عنہ کے در دولت پر حاضر ہوا اس وقت وہ بان نے اس شخص کا ہاتھ پکڑا اور  
اندر لے گیا حضرت عثمان نے اس کو اپنے مسند خاص پر بٹھایا اور پوچھا کیا حاجت  
ہے اس نے بیان کی آپ نے حاجت پوری کر دی اور فرمایا کہ جب کوئی حاجت  
ہو اگر بیان کیا کرے پھر وہ آدمی بہت خوشحال حضرت عثمان کے پاس سے نکلا۔  
اور عثمان بن حنیف کے پاس شکر یہ ادا کرنے کو گیا اور کہا جزاک اللہ آپ نے  
شاید میری سفارش کی عثمان بن حنیف نے کہا کہ قسم ہے اللہ کی میں نے حضرت  
عثمان سے کچھ نہیں کہا لیکن اصل بات یہ ہے کہ میں ایک بار رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم کے پاس تھا کہ ایک نابینا آیا تو آپ نے اس کو یہ دعا تعلیم فرمائی۔  
اس حدیث کو طبرانی معجم صغیر ص ۱۰۳ میں روایت کیا اور اس کو صحیح کہا۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ خطاب یا محمد کا عہد صحابہ میں رواج تھا اور یہ نماز  
اس وقت سے آج تک تعلیم ہوتی چلی آئی ہے۔ محدثین نے اس کو باب من لہ  
الی اللہ حاجۃ اولیٰ احد من خلفہ بین لکھا جس سے معلوم ہوا کہ محدثین  
نے اس کو قضا حاجت کے لیے تسلیم کیا ہے تو اب یہ کہنا کہ زمانہ حضرت عثمان  
رضی اللہ عنہ نے میں جس شخص نے یہ دعا پڑھی تھی اس نے حکایت اور تبرکات پڑھی تھی  
مخض تعصب ہے ہاں اگر مانعین کو یہ وقت حکایت ہی کا خیال ہے تو السلام علیک

یا رسول اللہ عموماً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور علیہ السلام کی خدمت میں کہا کرتے تھے۔  
 صلی اللہ علیک بھی ایک صحابی نے کہا تھا جو حضور علیہ السلام نے سنا اور جائز رکھا۔  
 تو پھر صلی اللہ علیک یا رسول اللہ یا السلام علیک یا رسول اللہ بطور حکایت  
 ہی پڑھ لیا کریں آخر حضور علیہ السلام کی موجودگی اور حاضری میں لوگ بصیغہ خطاب یا رسول  
 اللہ کہا کرتے تھے تو کیا اس سے بھی انکار ہے یا صحابہ کے اس زمانہ کی حکایت نہیں  
 ہو سکتی۔

طبرانی معجم صغیر کے ص ۶ میں فرماتے ہیں۔

چھٹی دلیل | بلغنی ان ابنا لابی قرصافۃ اسرته الذوم فكان ابو  
 قرصافۃ ینادیہ من سود عسقلان وقت کل صلوة یا نللت  
 الصلوة فیسمعه فیحیبه وینہما عن ص البحر۔

یعنی ابو قرصافہ کا ایک بیٹا تھا جس کو رومیوں نے قید کر لیا اور ابو قرصافہ عسقلان میں  
 تھے ہر نماز کے وقت اسے پکارتے کہ اے قرصافہ نماز کا وقت ہے (وہ سن لیتا اور  
 اپنے باپ کو جواب دیتا اور دونوں کے درمیان سمندر کا عرض (فاصلہ) تھا۔  
 اسی روایت کو صاحب تمشیر الوریہ بحضور المصطفیٰ نے شواہد النبوة سے نقل کیا  
 ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔

ابو قرصافہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ویرا کلیہ پوشا بندہ بود مردم بوی  
 مے آمدند ایشان را دعائے خیر مے کرد و برکت مے خواست اثر آنرا اور خود مے یافتند  
 در عسقلان بود پس در قرصافہ در روم بغزار رفتہ بود ہر گاہ کہ صبح شدے ابو قرصافہ از  
 عسقلان آواز دادے باواز بلند کہ یا قرصافہ یا قرصافہ الصلوة الصلوة قرصافہ از بلدہ  
 روم جواب دادے کہ لبیک یا اتباہ اصحاب وے گفتندے و یکجہ کہ جواب مے  
 دہی قرصافہ گفتے کہ پدر خود را سو گند برب الکعبۃ کہ مرا از برائے نماز بیدار مکنند۔ انتی  
 اس سے بھی معلوم ہوا کہ صحابہ میں نہ انما نبانہ کا رواج تھا۔

ساتویں دلیل :- رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھوپھی صفیہ رضی اللہ عنہا نے حضور

علیہ السلام کی وفات شریف کے بعد بہت اشعار غم میں پڑھے منجملہ ان کے ایک یہ شعر ہے۔

أَلَا يَا رَسُولَ اللَّهِ كُنْتَ رَجَاؤَنَا وَكُنْتَ بِنَا بَدَأَ لَوْ تَكُ جَانِيًا  
 جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلفظ یا مخاطب کیا گیا ہے (مولانا ابوالخیر)  
 حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے آپ کے غم میں  
آٹھویں دلیل | یوں عرض کی۔

كُنْتُ السَّوَادُ لِنَا ظِرْعِي فَعَمِيَ عَلَيْكَ النَّا ظِرُّ  
 مَنْ شَارَ لِعَدَاكَ فَلِمُنْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ  
 آپ میری آنکھ کی پتلی تھے۔ اب تو میری آنکھ اندھی ہو گئی ہے آپ کے بعد  
 جو چاہے مر جائے مجھے تو آپ ہی کا ڈر تھا۔

اسی طرح اور صحابہؓ کے اشعار بھی پائے جاتے ہیں جن میں حضور علیہ السلام کو خطاب ہے۔

فتوح الشام میں ہے کہ نبیب ابو عبیدہ بن الجراح نے کعب بن ضمیرہ کو  
 بارادہ حلب ایک ہزار سوار، یکیر روانہ کیا اس کی لڑائی یوتنا سے پڑی اس کی  
 پانچ ہزار سپہ بختی یہ لڑائی ہو رہی تھی کہ پانچ ہزار سپاہ اور آگئی مسلمانوں کو دس ہزار  
 کا مقابلہ ہو گیا۔ اس وقت مسلمان جانبازیاں کر رہے تھے۔ اور کعب بن ضمیرہ  
 نہایت بے چینی سے پکارتے تھے۔

يَا مُحَمَّدًا يَا مُحَمَّدًا يَا نَصْرًا اللَّهُ أَنْزَلَ

یہ کعب بن ضمیرہ صحابی ہیں اور حالت غیب میں یا محمد یا محمد پکارتے ہیں معلوم  
 ہوا کہ صحابہ کے وقت سے یہ خطاب جاری ہے۔

حضرت بلال بن عمارث منزی نے قحط عام الرادہ میں جب بکری ذبح کی تو  
 نرمی سرخ ہڈی لکلی تو آپ نے فرمایا یا محمد اہ پھر حضور علیہ السلام نے  
 خواب میں بشارت دی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یاساریۃ الجبک فرمانا اور ساریہ کا نہاوند میں سن لینا مشکوٰۃ شریف میں موجود ہے۔

اسی طرح ایک سپاہی مظلوم کا واعمرہ و اعمرہ اہ پکارنا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یَبْنِکَاہ یَا بَنِّکَاہ فرمانا حالانکہ وہ مظلوم لشکر میں مدینہ شریف سے بہت دور تھا (ازالہ الخفا)

عبدالرحمان ہنری کوئی حضرت عبداللہ بن مسعود کے پوتے آپ کے سر پر ٹوپی تھی جس پر لکھا ہوا تھا محمد یا منصور۔ تمذیب التذیب۔ اور ظاہر ہے کہ قلم احد اللسانین ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنے قصیدہ میں فرماتے ہیں۔

وَصَلَّىٰ عَلَيْكَ اَللّٰهُ يَا خَيْرَ خَلْفِهِ رِيَاخَةً مَّا مَوِيٌّ وَيَحْيُوْا اَهْبِ  
رِيَاخِيْرًا مِّنْ يُّرْحِي الْكَشْفِ رَزِيْدٍ مِّنْ جُوْدٍ قَدْ فَاتَ جُوْدَ الصَّغَابِ

علامہ بو صیری رحمہ اللہ قصیدہ بروہ فرماتے ہیں۔

يَا اَكْرَمَ الْخَلْقِ مَا لِيْ مِنْ اَكُوْذِبِهِ مِيْوَاكٍ عِنْدَ حُلُوْلِ الْحَاوِثِ الْعِيْمِ

شیخ سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

چہ و صفت کند سعدے نا تمام  
علیک الصلوٰۃ لے نبی و السلام

مولانا جامی فرماتے ہیں۔

ترجمہ یا نبی اللہ ترجمہ  
زمجوری برآمد جان عالم

مولانا نظامی گنجوی عرض کرتے ہیں۔

من از کمترین امتان خاک تو  
بدیں لاغری صید فتر اک تو

مولانا شیخ عبدالحق دہلوی فرماتے ہیں۔

بہر صورت کہ باشند یا رسول اللہ کریم فرما  
بلطف خود سر و سامان جمع بے سرو پا کن

عاجی امداد اللہ صاحب پیر و مرشد مولوی رشید احمد گنگوہی فرماتے ہیں۔

پھنسا کر اپنے دام عشق میں امداد عاجز کو  
بس اب قید و دو عالم سے چھڑا دو یا رسول اللہ

جہاز امت کا حق نے کر دیا ہے اچھے ہاتھوں  
بس اب چاہو ڈباؤ یا تراو یا رسول اللہ

نازیب دلیل بخاری شریف کی حدیث میں آیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے ہر قلم  
بادشاہ روم کو جو خط لکھا اس کے الفاظ یہ ہیں۔

أَقْبَا بَعْدُنَا فَإِنِّي أَدْعُوكَ بِدُعَاةِ الْإِسْلَامِ أَسْلِمُ تَسْلِمًا۔

یعنی میں تجھے اسلام کی طرف بلاتا ہوں مسلمان ہو جاتا کہ تو سلامت رہے۔  
اس خط میں حضور علیہ السلام نے اس غائب کو مخاطب فرمایا بات یہ تھی کہ قاصد اس  
خط کو لے جا کر اس کے ہاتھ میں دیدے گا اسی طرح آج تک یہ رسم جاری ہے۔  
کہ لوگ اپنے خطوط میں مکتوب الیہ کو مخاطب کرتے ہیں اور ڈاک کے چھٹی رسالوں  
پر اعتماد کر کے غائب کو خطاب کر لیتے ہیں تو احادیث میں صریح آتا ہے کہ امت  
کے اعمال صبح و شام آپ کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں۔ پھر خطاب حاضر کو ہوا  
پھر یہ خطاب کیوں ناجائز ہو۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے  
إِنَّ لِلَّهِ مَلَائِكَةً سَيَّاحِينَ يَبْلَغُونَنِي عَنْ أُمَّتِي السَّلَامَ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَابْنُ  
جَبَانَ زَمْرُغِيْبٍ ص ۳۲۸

کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ فرشتے مقرر کیے ہیں جو میرے پھرتے ہیں وہ میری  
امت کا سلام مجھے پہنچا دیتے ہیں۔

دوسری حدیث میں حضور علیہ السلام نے فرمایا حَيْثُمَا كُنْتُمْ فَصَلُّوا عَلَيَّ  
فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ تَبْلُغُنِي رَوَاهُ الطَّبْرَانِيُّ فِي الْكَبِيرِ یعنی جہاں تم ہو مجھ پر درود بھیجا  
کر وہ تمہارا درود مجھے پہنچتا ہے۔

تو جب چھٹی رسالہ کے اعتبار سے خطوں میں غائب کو خطاب جائز ہو تو  
ملائکہ کے درود شریف پہنچا دینے کے اعتبار سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب  
کیوں جائز نہ ہو۔ سوائے اس کے ہم کیا کہہ سکتے ہیں کہ ایسے لوگوں کو کچھ حضور علیہ السلام  
سے ہی عداوت ہے کہ ان کے لیے خطاب جائز نہیں سمجھتے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب :- کہتے ہیں کہ فرشتوں کی نسبت یہ ثابت نہیں



کہ وہ متکلم کے الفاظ پڑھ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سناتے ہیں کہ خط کی حالت پر قیاس ہو سکے وہ تو صرف آنا حضور علیہ السلام کو بتلاتے ہیں کہ فلاں شخص نے اتنی دفعہ آپ پر درود بھیجا ہے ہر ایک کے الفاظ نقل نہیں کرتے۔  
اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ میں آیا ہے کہا اس

نے۔  
اِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَيَّ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاحْسِنُوا  
الصَّلَاةَ فَإِنَّكُمْ لَا تَدْرُونَ لَعَلَّ ذَالِكُمْ يِعْرَاضُ عَلَيَّ -

(الحدیث رواہ ابن ماجہ)

یعنی جب تم درود شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑھو تو بہت سوہنا پڑھا کرو۔ تم نہیں جانتے شاید وہ حضور علیہ السلام پر پیش کیا جائے۔  
ولمبی نے مسند الفردوس میں اس حدیث کو مرفوعاً روایت کیا ہے۔ قال  
البنہانی فی سعادة الدارين ص ۵۷۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ درود شریف کے الفاظ پیش ہوتے ہیں اسی  
واسطے اچھا پڑھنے کا ارشاد فرمایا۔ نیز حدیث میں آیا ہے کہ تمہارا درود مجھے پہنچتا  
ہے جس سے معلوم ہوا کہ بعینہ درود پہنچتا ہے نہ یہ کہ خبر درود کی۔

اسی طرح دوسری حدیث میں آیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔  
اَكْثَرُ رُوَاغِيٍّ مِّنَ الصَّلَاةِ فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَإِنَّ صَلَاةَ امْتِنِي تَعْرَاضُ  
عَلَيَّ فِي كُلِّ يَوْمٍ جُمُعَةٍ نَمَنْ كَانَ أَكْثَرَهُمْ عَلَيَّ صَلَاةً كَانَ  
أَقْرَبَهُ مِنِّي مَنَزَلَةً۔ رواہ البيهقي باسناد حسن (ترغيب ص ۲۲۹)

کہ جمعہ کے دن مجھ پر بہت درود پڑھا کرو کیونکہ ہر جمعہ میں میری امت کا  
درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے تو جو شخص مجھ پر بکثرت درود پڑھنے والا ہو گا وہ میرے  
نزدیک مرتبہ میں اقرب ہو گا۔  
اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ درود شریف ہی پیش کیا جاتا ہے۔

عَنْ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ  
 وَسَلَّمِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَعُوذُ بِأَمْرَأَةٍ نَزَجَتْ فِي الدُّنْيَا إِلَّا  
 قَالَتْ نَزَجْتُهِ مِنْ الْحُورِ الْعِينِ لَا تُؤْذِيهِ قَاتِلُكَ اللَّهُ فَمَا  
 هُوَ عِنْدَكَ دَخِيلٌ يُؤْشِكُ أَنْ يُفَارِقَكَ الْيَتَامَى - رواه ابن ماجه  
 والترمذى - (ترغيب ص ۳۶۶)

فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں کوئی عورت اپنے خاوند کو ایذا  
 نہیں دیتی مگر اس کی بی بی حور عین جنت میں اس کو کہتی ہے اللہ تعالیٰ تجھے  
 ہلاک کرے یہ شخص تو تیرے پاس چند روزہ (مہمان) ہے۔ بہت جلدی چھوڑ کر  
 ہمارے پاس آجائے گا۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ دنیا میں زوجین کا تنازعہ ہوتا ہے اور جنت میں  
 حور کو اس کا علم ہو جاتا ہے اور وہ وہاں سے اس عورت کو مخاطب کرتی ہے اور  
 مذکورہ بالا الفاظ کہتی ہے تو کیا آپ حور کو بھی اس غائبانہ خطاب کے سبب کوئی  
 فتویٰ لگا نہیں گے ہاں معلوم ہے کہ حور کون ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے  
 غلاموں کی غلام۔ وہ تو دنیا میں عورت کا خاوند کو ایذا دینا معلوم کر لے اور غائبانہ خطاب  
 بھی کرے لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ تو ہمارے درود بھیجنے کا علم ہوا اور نہ  
 آپ کو غائبانہ خطاب درست ہو۔ حالانکہ حور کے متعلق یہ کسی روایت میں نہیں آیا۔  
 کہ عورتوں کا اپنے خاوندوں کو ایذا دینا حوروں تک بذریعہ فرشتگان پہنچایا جاتا ہے۔  
 اور درود شریف کے متعلق تو صحیح روایتوں میں ایسا آپکا ہے پھر حضور علیہ السلام  
 کے علم میں کیا شبہ ہو سکتا ہے افسوس اور تو سب غائبانہ خطاب جائز ہوں لیکن انکار  
 ہے تو صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطاب کا ہے۔

کہتے ہیں کہ اس درود میں آل کا ذکر نہیں

میں کتنا ہوں کہ یہ ضروری نہیں کہ درود میں آل کا ذکر ہو۔ اگر کسی کے پاس  
 اس کی دلیل ہو تو بیان کرے۔ کتب صحاح کے مطالعہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ

ہر ایک حدیث میں قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آتا ہے آل کا ذکر نہیں آتا۔ اگر ہر درود کے ساتھ آل کا ذکر لازمی ہوتا تو محدثین صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دُعا علی آلہ بھی ضرور لکھتے۔ علاوہ اس کے احادیث میں بعض درود شریف ایسے بھی آئے ہیں جن میں آل کا ذکر نہیں چنانچہ زویف بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

مَنْ قَالَ اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَيَّ مُحَمَّدًا وَأَنْزِلِ الْمُقْعَدَّ الْمُقْرَبَ عِنْدَكَ  
يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَجَبَّتْ لِي شَفَاعَتِي (رواه البزار والطبرانی ترمذی ص ۲۳)  
جو شخص کہے اللہم صل علی محمد الی آخرہ اس کو میری شفاعت واجب ہو

جاتی ہے۔

دیکھو یہ درود شریف خود حضور علیہ السلام نے فرمایا لیکن اس میں آل کا ذکر

نہیں ہے۔

سنن نسائی جلد اول کے ص ۱۶۹ میں حدیث قنوت کے اخیر درود شریف

فرمایا اس میں آل کا ذکر نہیں وہ حدیث یہ ہے۔  
عَنْ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ عَلَّمَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
هَؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ فِي الْوُتْرِ قَالَ قُلْ اللَّهُمَّ اهْدِنِي بَيْنَ هَدَيْتِكَ  
وَبَارِكْ لِي فِيهَا اعْطَيْتَ وَتَبِي شَرَّ مَا تَضَيَّتْ فَإِنَّكَ تَقْضِي وَلَا  
يُقْضَى عَلَيْكَ وَإِنَّهُ لَا يَدْبَالُ مَنْ ذَا لَيْتَ تَبَادَلْتَ نَبَا وَ  
تَعَالَيْتَ وَصَلَّى اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ

امام حسن فرماتے ہیں مجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وتروں میں پڑھنے کے لیے یہ کلمات سکھائے اللہم اهدنی الخ دیکھو حضور علیہ السلام نے بغیر ذکر آل کے درود شریف صلی اللہ علیہ وسلم واصلی اللہ علی النبی محمد سکھایا معلوم ہوا کہ آل کا ذکر لازمی نہیں۔

ترمذی ص ۲۲۹ میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرمایا

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

أَيُّمَا رَجُلٍ مُسْلِمٍ لَوْ يَكُنْ عِنْدَهُ صَدَقَةٌ فَلْيَقُلْ نِي دَعَايِهِ  
اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُولِكَ وَصَلِّ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ  
وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ فَإِنَّهَا زَكَاةٌ وَقَالَ لَا يَشْبَعُ الْمُؤْمِنُ  
خَيْرًا حَتَّى يَكُونَ مِنْتَهَا الْجَنَّةُ (رواه ابن حبان)

یعنی جس مسلمان کے پاس صدقہ دینے کے لیے کچھ نہ ہو وہ اپنی دعائیں یہ  
درود پڑھے یہی اس کا صدقہ ہوگا اور فرمایا کہ مومن نیکی سے سیر نہیں ہوتا یہاں تک  
کہ اس کی انتہا جنت ہو جائے۔

اس حدیث میں بھی جو درود شریف حضور علیہ السلام نے پڑھنے کا ارشاد فرمایا۔  
اس میں آل کا ذکر نہیں پس اگر صلی اللہ علیہ وسلم یا رسول اللہ میں آل کا ذکر نہیں تو کوئی  
حرج نہیں آخر ہم آل پر بھی تو درود پڑھتے ہیں ہم اس کے منکر نہیں اصل بات یہ  
ہے کہ ایک درود شریف ہمارا اور فرقہ دہلیہ و شیعہ کا مشترک درود ہے وہ نماز  
والا درود ہے اور ایک درود ہمارا اور دہلیہ کا مشترک ہے شیعوں کا نہیں  
وہ یہ ہے۔ اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى أَهْلِ بَيْتِهِ وَصَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَصَلِّ عَلَى  
أَيُّ رَجُلٍ مُسْلِمٍ لَوْ يَكُنْ عِنْدَهُ صَدَقَةٌ فَلْيَقُلْ نِي دَعَايِهِ اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ  
وَعَلَى أَهْلِ بَيْتِهِ وَصَلِّ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ فَإِنَّهَا زَكَاةٌ وَقَالَ لَا يَشْبَعُ  
الْمُؤْمِنُ خَيْرًا حَتَّى يَكُونَ مِنْتَهَا الْجَنَّةُ (رواه ابن حبان)

زَيُّوا مَجَالِسَكُمْ بِالصَّلَاةِ عَلَى نَانَ صَلَاتِكُمْ عَلَى نَوْمِكُمْ يَوْمَ

الْقِيَامَةِ (الخرجه الديلمی فی مسند الفردوس عن ابن عمر رضی اللہ عنہما۔

(سعادة الدارين ص ۶۷)

کہ اپنی مجلسوں کو مجھ پر درود پڑھنے کے ساتھ مزین کرو کہ تمہارا مجھ پر درود

پڑھنا تمہارے لیے قیامت کے دن نور ہوگا اور ظاہر ہے کہ درود شریف بلند  
آواز پڑھنے سے مجلسوں کی زینت ہوتی ہے۔

علامہ یوسف بنہانی سعادت الدارین ص ۱۲۷ میں فرماتے ہیں کہ حافظ ابو موسیٰ بن  
بشکوال و عبد الغنی بن سعید نے باسند روایت کیا ہے ابو بکر بن محمد بن عمر تک کہا اس  
نے کہ میں ابو بکر بن مجاہد کے پاس تھا تو شبلی علیہ الرحمۃ آئے تو ابو بکر بن مجاہد تعظیماً  
کھڑے ہو گئے اور ان سے معاف کیا اور دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔ میں  
نے عرض کیا یا سیدی آپ شبلی کے ساتھ اس طرح تعظیم کرتے ہیں حالانکہ سب اہل  
بعد ادا اس کو محبتوں تصور کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ میں نے ایسا کیا جیسے میں نے  
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے ساتھ کرتے دیکھا میں نے دیکھا حضور علیہ السلام  
کو خواب میں کہ شبلی آیا تو آپ کھڑے ہو گئے اور اس کی آنکھوں کے درمیان بوسہ  
دیا۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ آپ ایسا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ اپنی نماز  
کے بعد آیا لقا جاء کہ رسول من النفس کھڑے ہوا ہے اور اس کے بعد مجھ پر  
درود پڑھتا ہے ایک روایت میں ہے کہ وہ نماز کے بعد تین بار پڑھتا ہے۔ صلی  
اللہ علیک یا سیدنا محمد جب شبلی آئے تو ان سے دریافت کیا تو انہوں  
نے ایسا ہی کہا۔ معلوم ہوا کہ حضرت شبلی یہ درود شریف جس میں صیغہ مذکور ہے نماز  
کے بعد تین بار پڑھتے رہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم رویا میں پسند فرما  
کر شبلی کی آنکھوں پر بوسہ دیا۔ واللہ الحمد۔

# الاربعین

فی فضائل النبی الامین

مضمون کے فضائل و محامد، اوصاف و کمالات اور

علوم و اختیارات پر مبنی چالیس احادیث

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ط وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ

عَلٰی رَسُوْلِهِ مُحَمَّدٍ وَّآلِهِ وَاَصْحَابِهِ اَجْمَعِیْنَ ط

اَمَّا بَعْدُ

فقیر الیو بسنت محمد شریف برادران اسلام کی خدمت میں عرض کرتا ہے

کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔

مَنْ حَفِظَ عَلٰی اُمَّتِیْ اَرْبَعِیْنَ حَدِیْثًا مِنْ اَمْرِ دِیْنِهَا بَعَثَهُ  
اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فِی زُمْرَةِ الْمُفْقِهَاءِ وَالْعُلَمَاءِ وَفِی رِوَایَةِ  
بَعَثَهُ اللّٰهُ فِیْهَا عَالِمًا وَفِی رِوَایَةِ كُنْتُ لَهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ  
شَافِعًا وَشَهِیْدًا وَفِی رِوَایَةِ قَبِلَ لَهَا اَدْخَلَ مِنْ اَبْوَابِ  
الْجَنَّةِ سِتِّیْنَ

فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص میری امت سے چالیس حدیثیں  
جو کہ دین کے بارہ میں ہوں یاد کرے۔ اللہ تعالیٰ اس کو فقہا اور علماء کے زمرہ میں  
اٹھائے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ اللہ اس کو فقہ عالم مبعوث کرے گا۔ ایک  
روایت میں ہے کہ میں اس کے لیے شافع و شہید ہوں گا۔ ایک روایت میں ہے۔  
کہ اس کو حکم ہوگا کہ جنت کے جس دروازہ کے راستہ چاہے داخل ہو۔ (اربعمین نوویہ)  
میں نے اسی اُمید پر اربعمین حنفیہ لکھی جس میں چالیس حدیثیں  
دوبارہ نماز لکھی گئیں اور نماز کے متعلق اختلافی مسائل میں نہایت مبسوط بحث کی گئی  
ہے اور حنفی مذہب کی تقویت و دلائل قاطعہ و براہین ساطعہ سے بیان کی گئی ہے۔ جو

بفضلہ تعالیٰ علما کے طبقہ میں بہت مقبول ہوئی۔ فالْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَىٰ ذَٰلِكَ  
 اب ارادہ ہے کہ چالیس حدیثیں صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل  
 میں لکھوں تاکہ فدا یان رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے آقا کی عظمت و شان روشن  
 ہو جائے اور مخالفین کو انکار کی گنجائش باقی نہ رہے۔  
 وَمَا تَوْثِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ۔

### حدیث نمبر

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا  
 سَيِّدُكُمْ وَأَوْلَىٰكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَأَوَّلُ مَنْ يَنْشَقُّ عَنْهُ الْقَبْرُ  
 وَأَوَّلُ شَافِعٍ وَأَوَّلُ مُشْفَعٍ۔ (رواه مسلم)

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں قیامت کے دن آدم علیہ السلام  
 کی اولاد کا سردار ہوں اور سب سے پہلے میں قبر سے اٹھوں گا اور سب سے پہلے  
 میں شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت منظور ہوگی؟

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق سے افضل  
 ہیں۔ اہلسنت کا مذہب ہے کہ مسلمان آدمی فرشتوں سے افضل ہے اور  
 حضور علیہ وسلم تمام آدمیوں سے بلکہ تمام مخلوق سے افضل ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا  
 کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف جمیلہ میں سے ایک صفت یہ بھی ہے کہ  
 آپ سب سے پہلے قبر سے اٹھیں گے اور سب سے پہلے شفاعت کریں  
 گے اور سب سے پہلے آپ کی شفاعت مقبول ہوگی۔ پس اگر کوئی دوسرا محمد  
 صلی اللہ علیہ وسلم جیسا پیدا ہو تو ضرور ہے کہ اس میں بھی یہ اولیت پائی جائے۔ ورنہ  
 وہ مثل محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوگا۔ پھر اگر یہ اولیت اس میں بھی ہو تو لازم آتا ہے۔  
 کہ حضور علیہ وسلم نے جو اپنے آپ کو اول شافع و اول مشفع کہا ہے۔ (معاذ اللہ)  
 جھوٹ ہے کیونکہ ایک دوسرا بھی اول شافع ہے۔ فاللزام باطل والملزوم مثله



معلوم ہوا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مثل نہ پیدا ہوا نہ آئندہ ہو گا نہ ہو سکتا ہے اسی واسطے کسی بزرگ نے کہا ہے۔

مِثْلُ النَّبِيِّ مُحَمَّدًا لَا يُمْكِنُ  
مَنْ قَالَ بِالْإِمْكَانِ فَهُوَ كَافِرٌ

### حدیث نمبر ۲

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلِي وَمِثْلُ الْأَنْبِيَاءِ كَمِثْلِ قَهْرٍ أَحْسَنَ بِنْيَانِهِ تَرِكَ مِنْهُ مَوْضِعٌ لِبِنْتِهِ فَطَافَ بِهِ النَّظَارُ يَتَعَبَّوْنَ مِنْ حَسَنِ بِنْيَانِهِ إِلَّا مَوْضِعٌ تَدُكُ اللَّبْنَةُ فَكُنْتُ أَنَا سَدَدُ مَوْضِعِ اللَّبْنَةِ خْتَمَ بِي الْبِنْيَانُ وَخْتَمَ بِي الرَّسُولُ وَفِي مَا وَآيَةٌ فَاِنَّا اللَّبْنَةُ وَأَنَا خَاتِمُ النَّبِيِّينَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری مثال اور انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی بہت خوبصورت محل بنا ہے اور اس میں سے ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی جائے، دیکھنے والے اسے دیکھیں اور اس اینٹ کی جگہ کو دیکھ کر تعجب کریں۔ میں نے اس اینٹ کی جگہ کو بند کیا۔ میرے ساتھ وہ عمارت ختم کی گئی۔ میرے ساتھ رسول بھی ختم کئے گئے۔ ایک روایت میں ہے کہ میں وہ اینٹ ہوں اور میں ہوں۔ نبیوں کے ختم کرنے والا یعنی آخری نبی کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہو گا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قہر نبوت کی ایک اینٹ باقی تھی جس کی سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے تکمیل ہو گئی۔ اب آپ کے بعد کوئی نیا نبی نہ آیا ہے نہ آئے گا۔ اس لیے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کے

بعد نبی بننے والا جھوٹا ہے اور اس حدیث کے خلاف ہے۔ کیونکہ جب قصر نبوت میں ایک ہی اینٹ کی جگہ تھی جو حضور علیہ السلام نے پھر کر دی تو دوسرا نبی کیسے آسکتا ہے۔

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مثل کوئی پیدا نہیں ہو سکتا کیونکہ خاتم النبیین بھی حضور کی ایک صفت ہے تو اگر کوئی دوسرا بھی حضور علیہ السلام جیسا ہو تو ضروری ہے کہ وہ خاتم النبیین ہو۔ پھر اگر وہی خاتم النبیین ہو تو لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین کہا ہے اور خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو خاتم النبیین فرمایا ہے جھوٹ ہے اور جھوٹ اللہ تعالیٰ پر محال ہے لہذا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مثل پیدا ہونا بھی محال ہے۔

### حدیث نمبر ۳

صحیح مسلم صفحہ ۳۲ ج ۱ میں ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔  
 قَالَتْ لَمَّا نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ يَبَايِعُكَ عَلَىٰ أَنْ لَا يَشْرِكَنَّ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَعْصِيَنَّكَ فِي مَعْرُوفٍ قَالَتْ كَانَ مِنْهُ النَّيَاحَةُ  
 قَالَتْ نَقَلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ الْآلَ فَلَانَ فَإِنَّهُمْ كَانُوا أَسْعَدًا لِي فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَلَا بُدَّ لِي مِنْ أَنْ أَسْعِدَهُمْ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْآلَ فَلَانَ۔

ام عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی یبا یعدک علیٰ ان لا یشرکن باللہ الخ کہ اسے نبی جب عورتیں آپ کے پاس بیعت کے لیے آئیں کہ نہ شرک کریں گی اور کسی حکم شرعی کی بے فرمانی نہیں کریں گی۔ کہا اس نے کہ نیاحت یعنی نوحہ کرنا اسی میں تھا یعنی شرعی حکم کی نافرمانی تھی۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ اگر آل فلاں (یعنی فلاں آل کو مستثنیٰ فرمائیں) کہ انہوں نے جاہلیت

میں میری موافقت کی تھی تو مجھے ضروری ہے کہ میں بھی ان سے موافقت کروں۔  
تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ الا ال فلان۔ مگر فلاں آل اس حکم سے  
مستثنیٰ ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار حاصل تھا کہ  
جس کو آپ چاہیں عموم حکم سے خاص کر لیں۔ بین کرنا مطلقاً ممنوع ہے لیکن ام  
عطیہ رضی اللہ عنہا کو آپ نے رخصت دی اور وہ بھی آل فلاں کے لیے جس سے  
معلوم ہوا کہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا کے سوا باقی سب کو بین کرنا حلال نہیں اور ام  
عطیہ رضی اللہ عنہا کو بھی بجز آل فلاں کسی دوسری آل کے لیے جائز نہیں۔  
امام نووی شارح مسلم اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔

وللشارح ان يخص من العموم ما شاء

شارح علیہ السلام جو چاہیں عموم سے خاص کر سکتے ہیں۔ "بجان اللہ کیسا اختیار  
ہے۔ عام حکم سے جس کو چاہیں۔ یا جو چاہیں آپ خاص کر سکتے ہیں۔ کاش جو لوگ جو ہنوا  
علیہ السلام کو بے اختیار سمجھتے ہیں۔ تعصب کی عینک اتار کر اس حدیث میں نظر  
کرتے۔ تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کس قدر وسیع اختیار ہے۔

### حدیث نمبر ۲

صحیح بخاری ص ۸۳۲ جلد ۲۳ میں برابر بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔  
قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَوَّلَ مَا بُدِئَ بِهِ فِي يَوْمِنَا  
هَذَا أَنْ نُصَلِّيَ ثُمَّ نَرْجِعَ فَنَنْحَرُ مَنْ فَعَلَهُ فَقَدْ أَصَابَ سُنَّتَنَا  
وَمَنْ ذَبَحَ قَبْلَ فَإِنَّمَا هُوَ لِحْمٍ قَدَّمَ لِأَهْلِهِ لَيْسَ مِنَ النَّسِكِ  
فِي شَيْءٍ نَقَامَ أَبُو بَرْدَةَ وَقَدْ ذَبَحَ فَقَالَ إِنَّ عِنْدِي جَدَاعَةٌ  
قَالَ إِذْ بَجَّهَا وَلَنْ تَجْزِي عَنْ أَحَدٍ بَعْدَكَ۔

فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس دن (عید الفصحی کے دن) سب سے

پہلے ہم نماز پڑھیں گے۔ پھر نحر کریں گے۔ جس نے ایسا کیا اس نے ہماری سنت پر عمل کیا اور جس نے نماز کے پہلے ذبح کیا وہ گوشت ہے۔ جو اس نے اہل کے لیے آگے بھیجا۔ قربانی میں وہ نہیں ہے۔ تو ابو بردہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے۔ جو نماز سے پہلے ذبح کر چکے تھے۔ عرض کی کہ میرے پاس ایک جذبہ ہے۔ آپ نے فرمایا تو اسے ذبح کر اور تیرے بعد کسی کو جذبہ کا قربانی کرنا کافی نہیں ہوگا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جذبہ کا قربانی کرنا بجز ابو بردہ کسی کو جائز نہ تھا۔ ابو بردہ کو لجاؤ دینا حضور کے اختیار پر دلیل ہے۔

### حدیث نمبر ۵

صحیح مسلم ۴۷۲ جلد ۱ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

تَالِ خُطْبِنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ فُرِضَ عَلَيْكُمُ الْجَحُّ فَجَعَلُوا فَقَالَ رَجُلٌ أَكَلْتُ عَامَ يَأْرَ رَسُولُ اللَّهِ فَسَكَتَ حَتَّى تَأْتِيهَا ثَلَاثًا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ قُلْتُ نَعَمْ لَوْجِبَتْ لَنَا اسْتِطْعَتُمْ ثُمَّ قَالَ ذَرُونِي مَا تَرَكْتُكُمْ فَإِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بكَثْرَةِ سؤَالِهِمْ وَاجْتِلَاءِ فِيهِمْ عَلَى أَنْبِيَائِهِمْ فَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ فَأَتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَدَعُوهُ۔

کہا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں مخاطب کر کے فرمایا۔ کہ اے لوگو تحقیق فرض کیا گیا تم پر حج، پس حج کرو، ایک آدمی نے عرض کی کیا ہر سال یا رسول اللہ؟ (حج فرض ہے) آپ خاموش رہے یہاں تک کہ اس نے تین بار کہا۔ تو آپ نے فرمایا اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال حج واجب ہو جاتا۔ تم اس کی طاقت نہ رکھتے۔ پھر فرمایا چھوڑ دو مجھ کو جب تک میں تمہیں چھوڑوں۔ یعنی جب تک میں کسی شئی کو جائز یا ناجائز نہ کہوں۔ تم نہ پوچھو۔ کیونکہ تم سے پہلے لوگ کثرت سوال اور انبیاء پر اختلاف کے سبب ہلاک ہو گئے ہیں۔ جب تمہیں کسی شے کا حکم کروں۔ تو بقدر استطاعت اس پر عمل کرو اور

جب میں کسی شے سے منع کروں تو اسے چھوڑ دو۔  
 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتنا اختیار تھا۔  
 اگر فرمادیتے کہ ہاں ہر سال حج فرض ہے۔ تو ہر سال حج فرض ہو جاتا۔ مگر آپ  
 کی شفقت ہے کہ ایسا نہیں فرمایا اور نہ ہمارے لیے بہت مشکل ہوتا بلکہ ہمیں  
 ایک اصول فرمادیا۔ کہ جب تک میں امر یا نہی نہ کروں۔ تم مجھے چھوڑ دو۔ معلوم ہوا  
 کہ جس چیز کا حضور علیہ السلام نے نہ حکم دیا ہو۔ نہ منع کیا ہو۔ اس کے متعلق کوئی  
 حکم نہ لگانا چاہیے۔ نہ اسے منع سمجھے، نہ فرض۔ واجب۔ سنت۔ مستحب۔ ہاں  
 اگر کسی عام حکم کے ماتحت ہو تو اس کے مطابق حکم لگانا چاہیے۔  
 حافظ ابن حجر فتح الباری ص ۶۹۳ جز ۲۹، میں فرماتے ہیں۔

استدل به على ان لاحكم قبل و ماود الشراع و ان الاصل

في الاشياء عدم الوجوب۔

کہ ورود شرع سے پہلے کوئی حکم نہیں۔ یعنی جس امر میں شرع وارد نہیں

اس پر کوئی حکم نہیں۔

امام نووی شرح صحیح مسلم ص ۲۳۲ جلد ۱ میں فرماتے ہیں۔

قوله، صلى الله عليه وسلم ذما وني ما تركتكم دليل على ان الاصل

عدم الوجوب و انه لاحكم قبل و ماود الشراع۔

پس جن امور کی مانعت حدیثوں میں نہ ہو۔ ان کو منع سمجھنا وہ کام کرنا ہے  
 جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ براور ان اہل سنت کو جب کسی  
 منکر سے پالا پڑے۔ تو اس اصول کو یاد رکھیں۔ فرقہ باطلہ جس کام کو بدعت کہے  
 تو جھٹ ان سے پوچھو کہ اس کی مانعت دکھاؤ۔ اگر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم  
 نے منع نہیں کیا۔ تو تم منع کرنے والے کون ہو؟۔

## ایک لطیفہ

سیکوٹ کے نواح میں ایک گاؤں میں مجھے لوگوں نے وعظ نصیحت کے لیے بلایا۔ میں حسب وہاں پہنچا۔ تو ایک وہابی مولوی معہ چند اشخاص کے آگیا اور کہنے لگا کہ میں ایک مسئلہ دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا کہ وعظ کے بعد پوچھ لینا۔ اس نے کہا کہ مجھے پہلے ہی بتا دو تو کیا حرج ہے؟ میں نے کہا اچھا پوچھو کہنے لگا کہ جنازہ کے بعد دعائے مانگنا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے یا نہیں۔ میں نے کہا یہ سوال آپ اس وقت کر سکتے ہیں جب ہم جنازہ کے بعد دعائے مانگنا سنت کہیں۔ آپ جائزہ بنا جائزہ کا سوال کریں۔ کہنے لگے بس یہی پوچھنا چاہتا ہوں میں نے اس وقت گھڑی میں ٹائم دیکھا۔ رات کے دس بجے تھے۔ میں نے کہا۔ دس بجے رات کے کسی نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی مسئلہ پوچھا ہے اور آپ نے اس کا جواب دیا۔ اگر اس کا ثبوت ہے تو تم بھی پوچھو ورنہ حرج رہو۔ وہ کام نہ کرو۔ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں کہنے لگا مسئلہ پوچھنا تو ہر وقت جائز ہے۔ میں نے کہا۔ اسی طرح مردہ کے لیے دعائے مانگنا بھی ہر وقت جائز ہے۔ اس میں کیا ممانعت ہے پھر وہ مہوت ہو گیا۔

## حدیث نمبر ۶

مسند امام احمد جلد خامس ص ۲۵ میں ہے۔

عن قتادة عن نصر بن عاصم عن رجلٍ منهُم أَنَّهُ أَتَى  
النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَلَمَ عَلَى أَنَّهُ لَا يُصَلِّي إِلَّا مَلَأَ تَلْهِينَ  
فَقَبِلَ ذَلِكَ مِنْهُ۔

یعنی ایک آدمی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا۔ اگر اس شرط پر مسلمان ہوا کہ وہ نہ پڑھے گا۔ مگر دو نمازیں۔ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس

کی یہ شرط قبول کر لی اور اُسے مسلمان کیا۔  
 دیکھو قرآن کریم میں پانچ نمازیں آئی ہیں حدیثوں میں بھی پانچ ہی بلکہ جمعہ  
 کے دن نماز جمعہ بھی ہے۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کے لیے  
 صرف دو ہی نمازیں منظور فرماتے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ آپ نختار تھے۔ اور  
 آپ کا نہایت وسیع اختیار تھا اگرچہ سب لوگوں کے لیے پانچ نمازیں ادا کرنا  
 لازم ہیں مگر اس شخص کے لیے دو کا پڑھنا ہی منظور فرمایا (فداہ ابی دمی،

## حدیث نمبر ۲۱۳

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ فضالة عَنْ أَبِيهِ قَالَ عَلَّمَنِي رَسُولُ اللَّهِ  
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ يَمَّا عَلَّمَنِي وَحَافِظًا عَلَى الصَّلَاةِ  
 الْخَمْسِ قَالَ قُلْتُ إِنَّ هَذِهِ سَاعَاتٌ لِي فِيهَا اشْغَالٌ فَمُرِّنِي  
 بِأَمْرٍ جَامِعٍ إِذَا أَنَا فَعَلْتُهَا أَجَزْتُ عَنْهَا فَقَالَ حَافِظًا عَلَى الْعَصْرِ يَوْمَ  
 وَمَا كَانَتْ مِنْ لَيْلِنَا فَقُلْتُ وَمَا الْعَصْرُ قَالَ نَقَالَ صَلَاةٌ قَبْلَ  
 طُلُوعِ الشَّمْسِ وَصَلَاةٌ قَبْلَ غُرُوبِهَا۔

الرواد مع عون المعبود جلد اول ص ۲۱۳

فضالہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا  
 من جملہ اس کے یہ تھا کہ پانچوں نمازوں کی محافظت کریں نے عرض کی کہ  
 میرے لیے ان ساعات میں مشغولی ہے یعنی بسبب مشغولی کاروبار ان اوقات  
 میں جو نمازوں کے ہیں میں محافظت نہیں کر سکتا مجھے کوئی ایسا جامع امر فرمادیکھئے  
 کہ جب میں اسے کروں۔ تو مجھے کفایت کرے۔ تو آپ نے فرمایا کہ عصرین کی محافظت  
 کر (یعنی نماز فجر و عصر کی ہی محافظت کر، اور یہ لفظ عصرین میری لغت کا نہ تھا اس  
 لیے میں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ عصرین سے کیا مراد ہے؟ تو آپ نے فرمایا ایک

نماز سورج نکلنے سے پہلے کی (یعنی فجر اور ایک سورج غروب ہونے سے پہلے  
کی (یعنی عصر) اس کو ابو داؤد نے روایت کیا۔

دیکھو قرآن کریم میں سب نمازوں کی حفاظت کا ذکر آیا ہے اور حضور علیہ السلام  
نے بھی پانچوں نمازوں کی حفاظت کا امر فرمایا۔ مگر فضالہ رضی اللہ عنہ کے عذر کرنے  
پر صرف فجر و عصر کی محافظت کا حکم دیا۔ نہ باقی نمازوں کا معلوم ہوا کہ رسول کریم صلی اللہ  
علیہ وسلم مختار تھے جو حکم فرماتے وہی شرع بن جاتا اور جس کو چاہتے اس حکم سے  
مخصوص فرمالتے۔

## حدیث نمبر ۱

عَنْ عُمَارَةَ ابْنِ حَزِيمَةَ أَنَّ عَمَّهُ حَدَّثَهُ وَهُوَ مِنْ أَصْحَابِ  
النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
إِتْبَاعَ فَرَسًا مِنْ أَعْرَابِي نَاسْتَتَبَعَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
لِيَقْضِيَهُ ثُمَّ فَرَسَهُ فَأَسْرَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي  
الْمَشِيِّ وَابْطَأَ الْأَعْرَابِيُّ نَطْفَقَ رِجَالُ يَغْتَرِضُونَ الْأَعْرَابِي فَيَسَا  
رِمُونَهُ بِالْفُرْسِ وَلَا يَشْعُرُونَ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
إِتْبَاعَهُ فَنَادَى الْأَعْرَابِيُّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ  
إِنْ كُنْتَ مُبْتَاعًا هَذَا الْفَرَسِ وَالْأَيْعَتَهُ فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ سَمِعَ نِدَاءَ الْأَعْرَابِي فَقَالَ أَوْلَيْسَ قَدْ  
إِتْبَعْتَهُ مِنْكَ قَالَ الْأَعْرَابِيُّ لَا وَاللَّهِ مَا بَعْتَكَ فَقَالَ النَّبِيُّ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلَى قَدْ إِتْبَعْتَهُ مِنْكَ نَطْفَقَ الْأَعْرَابِيُّ  
يَقُولُ هَلْكَ شَهِيدًا فَقَالَ حَزِيمَةُ بْنُ ثَابِتٍ أَنَا شَهِيدٌ أَنَّكَ  
قَدْ بَايَعْتَهُ فَاقْبَلِ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى حَزِيمَةَ



فَقَالَ لِمَ تَشْهَدَانِ قَالَ بِتَصَدِيقِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَجَعَلَ  
النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهَادَةً خَزِيمَةَ بِشَهَادَةِ رَجُلَيْنِ

(ابوداؤد مع عون المعبود ج ۳ ص ۳۲)

عمارہ بن خزیمہ سے روایت ہے کہ اس کے چچا نے جو صحابی تھا۔ حدیث  
بیان کی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی سے گھوڑا خریدا اور فرمایا  
کہ میرے ساتھ چلو تاکہ میں قیمت ادا کروں حضور علیہ السلام نے رفتار میں جلدی کی  
اور اعرابی نے ویرگی۔ تو کچھ آدمی اس اعرابی کے ساتھ گھوڑے کا سودا کرنے لگے۔  
انہیں معلوم نہ تھا کہ گھوڑا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خریدا ہوا ہے۔ یہاں  
تک کہ بعض نے تو حضور علیہ السلام کی قیمت سے زیادہ قیمت لگا دی  
تو اعرابی نے رسول

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آواز دی کہ اگر آپ اس گھوڑے کو خریدنا چاہیں تو خرید  
کر لیں ورنہ میں اسے بیچتا ہوں حضور علیہ السلام یہ آواز سن کر گھوڑے ہو گئے اور فرمایا  
کہ کیا میں تجھ سے یہ گھوڑا خرید نہیں چکا؟ اس نے کہا کہ نہیں خدا کی قسم میں نے تو بیچا  
ہی نہیں۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہاں میں نے تجھ سے خرید کیا ہے۔  
اعرابی نے کہا کہ کوئی گواہ پیش کرو۔ کہ اس کے سامنے میں نے فروخت کیا ہے۔  
اور آپ نے خرید کیا ہے پھر جو مسلمان آتا۔ اس اعرابی پر افسوس کرتا کہ رسول کریم  
صلی اللہ علیہ وسلم بجز حق کے نہیں فرماتے۔ تو حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ نے  
اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تو نے اس گھوڑے کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے  
پاس فروخت کیا حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ تو کس طرح گواہی دیتا ہے۔ حالانکہ  
تو اس وقت موجود نہ تھا۔ اس نے عرض کی یا رسول اللہ! میں آسمان کی خبروں میں  
آپ کو سچا مانتا ہوں تو کیا اس بات میں سچا نہ مانوں۔ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم  
نے خزیمہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کو بجائے دو گواہوں کے ٹھہرایا۔  
یعنی ہر امر کے ثبوت کے لیے دو گواہوں کی ضرورت ہے اور یہی قرآن

شریعت کا حکم ہے۔ مگر حضور علیہ السلام نے خزیمہ اکیلے کی شہادت کو دو کے برابر کیا۔ جہاں خزیمہ گواہ ہوں، وہاں دوسرے گواہ کی ضرورت نہیں۔

چنانچہ ابن ابی شیبہ نے لیث بن سعد، سے روایت کیا کہ سب سے پہلے ابو بکر رضی اللہ عنہ نے قرآن شریف کو جمع کیا اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے لکھا۔ لوگ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس آیت لے کر آتے۔ جب تک دو عادل گواہ اس آیت کی گواہی نہ دیتے، وہ نہ لکھتے۔ اور سورہ برادۃ کی آخری آیت حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کے پاس ملی۔ تو زید نے فرمایا۔ اس کو لکھ لو۔ کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خزیمہ اکیلے کی شہادت کو دو گواہوں کے برابر رکھا۔ پھر وہ آیت لکھی۔  
(عنون المعبود ص ۲۳۶)

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا وسیع اختیار تھا۔ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وبارک وسلم۔

## حدیث نمبر ۹

مشکوٰۃ شریف کے ص ۲۴۳ میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

تُرْجَىٰ مَنْ تَشَاءُ مِنْهُمْ وَتُؤَدَىٰ إِلَيْكَ مَنْ تَشَاءُ۔

کہ وہیصل دے تو جس کو چاہے تو میں لے گا۔

مَا أَسْرَأَىٰ رَبِّكَ إِلَّا يَسَارِعٌ فِي هُوَ الْكَافِرُ۔

میں نہیں دیکھتی تیرے رب کو (یا رسول اللہ) مگر وہ جلدی کرتا ہے تیری

خواہش دے کے پورا کرنے میں۔

اس کو بخاری و مسلم نے روایت کیا۔ اس حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کی ایسی تعریف کی کہ اگر آج

ہم ایسا کہیں تو کفر و شرک کے فتوے لگ جائیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یا رسول اللہ تیری خواہش کے پورا کرنے میں اللہ تعالیٰ جلدی کرتا ہے۔ اسی طرح دوسری حدیث میں آیا ہے جب حضور علیہ السلام نے اپنے چچا کے لیے دعا و صحت فرمائی اور وہ اچھا ہو گیا تو اس نے کہا اِنَّ رَبَّكَ لَيَطِيْعُكَ کہ یا رسول اللہ تیرا رب تیرے کہنے پر چلتا ہے۔ تیری اطاعت کرتا ہے حضور علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا کہ ایسا نہ کہو۔ بلکہ فرمایا کہ چچا اگر تو مسلمان ہو جائے۔ تو خدا تیرے کہنے پر بھی چلے۔ سبحان اللہ کیا ہی شان ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جوان کا سچا فرما بھرا ہوا ہو جائے۔ خدا تعالیٰ اس کی دعا قبول فرماتا ہے اور جو مانگتا ہے اسے ملتا ہے۔

اسی طرح مسلم کی حدیث میں آیا ہے۔

رُبَّ اشْعَثٍ مَدْفُوعٍ الْاَبْوَابِ لَوْ اَتَسَدَّ عَلَيَّ اَمَلًا لَا بَدَّةَ۔

بہت پر اگندہ بالوں والے جن کو دروازوں سے دھکیل دیا جاتا ہے اگر اللہ کی کسی بات کی قسم کھالیں کہ اللہ تعالیٰ ایسا کرے گا، تو اللہ تعالیٰ ویسا ہی کرتا ہے۔

بخاری شریف میں قرب نوافل کی حدیث میں آیا ہے۔

وَ اِنْ سَاَلْتَنِي لَأُعْطِيَنَّكَ۔

اگر وہ بندہ مجھ سے مانگے، تو میں اسے ضرور دیتا ہوں۔

پس ایسے لوگوں کے پاس اپنی حاجتیں لے جانا چاہیے تاکہ وہ تمہاری حاجت کے لیے خدا سے دعا مانگیں اور خدا اپنے وعدہ کے مطابق ان کے سوال کو ہرگز رو نہ کرے گا اور تمہاری حاجت پوری ہو جائے گی۔

## حدیث نمبر ۱

مشکوٰۃ شریف کے ص ۵۳۳ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت

ہے کہ :-

ایک بھیڑیا ایک بکریاں چرانے والے کے ریوڑ میں آیا اور ایک بکری لے گیا۔ چرواہے نے اس کا تعاقب کیا اور بکری چھڑالی تو بھیڑیا ایک ٹیلے پر چڑھ کر کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے رزق دیا ہے اور میں نے لیا اور تو نے مجھ سے چھڑا لیا۔ وہ راعی بولا کہ میں نے بھیڑیا کلام کرتے نہیں دیکھا جیسے آج دیکھا ہے۔ تو بھیڑیا کہنے لگا۔

اعْجَبُ مِنْ هَذَا رَجُلٍ فِي النَّخْلَاتِ بَيْنَ الْحَرَّتَيْنِ يُخْبِرُكُمْ  
بِمَا هُنِي وَمَا هُوَ كَأَنَّ مِنْ بَعْدَا كُوْتَالٍ فَكَانَ الرَّجُلُ يَهُودِيًّا فَجَاءَ  
إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَبَرَهُ وَأَسْلَمَ فَصَدَّقَهُ  
النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (رداه فی الشرح السنۃ)

کہ اس سے زیادہ تعجب تو یہ ہے کہ ایک آدمی مدینہ شریف میں تمہیں خبر دیتا ہے جو کچھ گزر چکا ہے اور جو کچھ تمہارے بعد ہونے والا ہے اور تم اس پر ایمان نہیں لاتے، ابو ہریرہ کہتے ہیں وہ شخص یہودی تھا، اس نے اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی اور مسلمان ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی تصدیق کی۔ اس حدیث کو امام احمد اور ابو نعیم نے بسند صحیح روایت کیا۔  
(حجۃ اللہ علی العالمین ص ۱۶۳)

پس اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حیوانات بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم ماکان دیا کیوں جانتے تھے لیکن آج کل کے انسانوں کو اس کے ماننے میں تامل ہے۔ واللہ الہادی۔

## حدیث نمبر ۱۱

بخاری شریف میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا  
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

وَاللّٰهُ مَا يَخْفَىٰ عَلَيَّ رَكُوعًا وَلَا خَشُوعًا وَإِنِّي لَأَسَاكِرُ وَمَا أَظْهَرُ  
خدا کی قسم مجھ پر تمہارا رکوع اور خشوع پوشیدہ نہیں ہیں پیٹھ کے پیچھے  
سے بھی تم کو دیکھتا ہوں۔

یہ معجزہ ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ آپ آگے پیچھے کیساں دیکھتے  
تھے اور ظاہر ہے کہ خشوع فعل قلب ہے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام سے  
لوگوں کے دلوں کی حالت بھی پوشیدہ نہ تھی (اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ)  
ہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ یہ حکم مقتدیوں کو فرمایا۔ نہ صرف پہلی صف والوں کو  
جس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کے اقتداء میں جتنی سعین ہوئیں سب کے  
رکوع و خشوع کو آپ دیکھتے تھے۔ فَلَلهِ الْحَمْدُ۔

## حدیث نمبر ۱۲

بخاری مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ۔  
ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی یا رسول  
اللہ! میں ہلاک ہو گیا کہ میں نے ماہ رمضان میں اپنی زوجہ سے جماع کیا۔ فرمایا  
غلام آزاد کر سکتا ہے، اس نے کہا کہ نہیں۔ فرمایا کہ دو مہینے کے روزے رکھ سکتا  
ہے، اس نے عرض کی نہیں۔ فرمایا ساٹھ مساکین کو کھانا کھلا سکتا ہے، اس  
نے عرض کی کہ نہیں۔ اتنے میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خڑے  
لائے گئے۔ فرمایا انہیں خیرات کر دے۔ اس نے عرض کی کہ مدینہ بھر میں مجھ سے

زیادہ کوئی محتاج نہیں۔ تو حضور علیہ السلام یہ سن کر ہنسے یہاں تک کہ دندان مبارک ظاہر ہو گئے اور فرمایا۔

اَذْهَبْ نَاطِعُهُ أَهْلَكَ -

جا اپنے گھر والوں کو کھلا دے۔

بحان اللہ! یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت ہے کہ سزا کو انعام سے بدل دیا۔ اس نے تو قصور کیا اور بجائے سزا کے فریادے کر آیا اور کفارہ بھی ادا ہو گیا بعض روایات میں آیا ہے، کہ یہ اسی کے لیے رحمت تھی۔ اگر آج کوئی ایسا کرے، تو کفارہ سے چارہ نہیں۔ (البو داؤد عن الزہری)

### حدیث نمبر ۱۳

بخاری شریف میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

قَالَ وَكَلَّمَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِحِفْظِ زَكَاةِ رَمَضَانَ  
فَاتَانِي أَنْتِ فَبَعَلِي يَحْمِسُونِي مِنَ الطَّعَامِ فَأَخَذْتُهَا وَقُلْتُ لَأَدْنَسَنَّكَ  
إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنِّي مُحْتَاجٌ وَعَلَى عِيَالٍ  
وَلِي حَاجَةٌ شَدِيدَةٌ فَخَلَيْتُ عَنْهُ وَاصْبَحْتُ فَقَالَ لِي النَّبِيُّ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَبَاهِرِيرَةَ مَا فَعَلَ اسِيرُكَ الْبَارِحَةَ  
قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ شَكَاهَا حَاجَةٌ شَدِيدَةٌ وَعِيَالٌ فَزَحِجْتُهُ وَ  
خَلَيْتُ سَبِيلَهُ قَالَ أَمَا إِنَّهُ تَدَاكَ ذَنْبٌ وَسَيَعُودُ نَعْرَانُتُ  
أَنْتِ سَيَعُودُ فَزَصِدَاتُهَا نَجَاءٌ يَحْتَوِي مِنَ الطَّعَامِ فَأَخَذْتُهَا  
فَقُلْتُ لَأَدْنَسَنَّكَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ  
دَعْنِي فَإِنِّي مُحْتَاجٌ وَعَلَى عِيَالٍ لَا أَعُودُ فَزَحِجْتُهُ وَخَلَيْتُ سَبِيلَهُ  
فَاصْبَحْتُ فَقَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا فَعَلَ

أَسِيرُكَ الْبَارِحَةَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ شَكَاحًا جَاءَهُ وَعِيَالًا  
فَرَحِمْتَهُ وَخَلَيْتُ سَبِيلَهُ قَالَ أَمَا إِنَّكَ قَدْ كَذَبْتَ  
وَسَيَعُودُ فَرَمَدًا قَالَتِ الثَّالِثَةُ فَاغْرَبُوا مِنْ الطَّعَامِ نَلَخْنَا  
فَقُلْتُ لَأَدْنَعَنَّكَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهَذَا  
أَخْرَأْتُ لِمَا تَزْعُمُ أَنَّكَ لَا تَعُودُ ثُمَّ تَعُودُ فَقَالَ دَعْنِي  
أَعْلَيْكَ كَلِمَاتٍ يَنْفَعُكَ اللَّهُ بِهَا إِذَا أَوَيْتَ إِلَى فِرَاشِكَ  
فَأَقْرَأِ آيَةَ الْكُرْسِيِّ حَتَّى يَخْتِمَهَا فَإِنَّهُ لَنْ يُزَالَ عَلَيْكَ مِنَ  
اللَّهِ حَافِظٌ وَلَا يَقْرُبُكَ شَيْطَانٌ حَتَّى تَصْبِحَ نَاخِبَرْتُ  
النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَمَا إِنَّكَ قَدْ صَدَّقْتَ  
وَهُوَ كَذُوبٌ تَعْلَمُ مَنْ تَخَاطَبُ مِنْذَلْتُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ  
قُلْتُ لَا قَالَ ذَلِكَ شَيْطَانٌ - (بخاری شریف)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے  
صدقہ فطر کی محافظت کے لیے مقرر فرمایا۔ ایک آنے والا آیا۔ اس نے صدقہ  
لینا شروع کیا۔ میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا کہ میں تجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ  
وسلم کی خدمت میں لے جاؤں گا۔ وہ کہنے لگا کہ میں محتاج صاحب عیال ہوں اور  
مجھے سخت حاجت ہے (اس لیے لیتا ہوں) تو میں نے اُسے چھوڑ دیا۔ صبح کو رسول  
کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ابو ہریرہ آج رات کے آنے والے تیرے  
قتیدی نے کیا کیا۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ اس نے سخت حاجت اور  
عیال داری بیان کی مجھے رحم آیا تو میں نے اُسے چھوڑ دیا، آپ نے فرمایا اس نے  
تجھے چھوٹ کہا وہ پھر آئے گا۔ مجھے یقین ہوا کہ وہ ضرور آئے گا۔ تو میں اس کے  
انتظار میں رہا۔ آخر آیا اور اسی طرح صدقہ (طعام) سے مٹھی بھرا اٹھانے لگا۔ میں  
نے پکڑ لیا اور کہا کہ تجھے حضور علیہ السلام کے پاس ضرور لے جاؤں گا تو اس نے کہا  
مجھے چھوڑ دے۔ میں محتاج عیال دار ہوں۔ اب پھر نہیں آؤں گا۔ پھر مجھے رحم آیا اور

چھوڑ دیا۔ صبح کے وقت، پھر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ رات کے آنے والے نے کیا کیا۔ میں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ اس نے سخت حاجت و عیال داری کی شکایت کی۔ تو میں نے اس پر رحم کیا۔ اور چھوڑ دیا۔ آپ نے فرمایا اس نے جھوٹ بولا۔ وہ پھر آئے گا۔ میں پھر اس کے انتظار میں رہا۔ تو وہ آیا اور صدقہ اٹھانے لگا۔ میں نے پھر پکڑ لیا اور کہا کہ اب ضرور تمہیں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جاؤں گا۔ یہ تیسری بار ہے تو کہتا ہے کہ پھر نہ آؤں گا اور پھر آجاتا ہے اس نے کہا مجھے چھوڑ دے۔ میں تجھے ایسے کلمات سکھاتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تجھے ان کلمات کے سبب نفع دے گا۔ جب تو اپنے فرش پر سونے کے لیے آرام کرے تو آیتہ الکرسی پڑھ کر سو جا۔ اللہ کی طرف سے ہمیشہ محافظ رہے گا اور شیطان تیرے نزدیک نہ پھٹکے گا۔ یہاں تک کہ تو صبح کرے گا میں نے یہ واقعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ اس نے سچ کہا ہے حالانکہ وہ بڑا جھوٹا ہے۔ کیا تو جانتا ہے اسے اب ہریرہ کہہ تو ہیں دن سے کس شخص کے ساتھ مخاطب رہا ہے۔ میں نے عرض کی کہ نہیں جانتا۔ فرمایا وہ شیطان تھا۔ بخاری شریف، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کل کی بات بھی جانتے تھے۔ اب ہریرہ نے رات کے آنے والے کا ذکر نہیں کیا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پہلے ہی پوچھا کہ رات کے آنے والے نے کیا کیا۔ پھر فرمایا۔ کہ وہ پھر آئے گا۔ پھر تیسری بار بھی فرمایا کہ پھر آئے گا اور اسی طرح ہی ہوا۔ پھر یہ بھی فرما دیا۔ کہ وہ شیطان تھا۔ یہ ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم، اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بڑا جھوٹا بھی کبھی سچ بولتا ہے۔

محدثین نے اسی سے استدلال کیا ہے۔

ان الکذاب قدا یصدق۔

معلوم ہوا کہ حدیث ضعیف میں احتمال ہے کہ ضعیف راوی نے سچ بولا ہو اس لیے وہ مطلقاً متروک نہیں ہوتی۔ تا وقتیکہ کہ کوئی صحیح حدیث اس کے معارض



نہ ہو یہی وجہ ہے کہ فضائل اعمال میں حدیث ضعیف مقبول ہوتی ہے۔

## حدیث نمبر ۱۲

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا اعْتَرَفْنَا آدَمَ الْخَطِيئَةَ قَالَ يَا رَبِّ اسْأَلْكَ  
بِحَقِّ مُحَمَّدٍ يَا غَفْرَتِي لِي فَقَالَ اللَّهُ يَا آدَمُ وَكَيْفَ عَرَفْتُ مُحَمَّدًا  
وَلَوْ أَخْلَقْتَهُ قَالَ لِأَنَّكَ يَا رَبِّ لَمَّا خَلَقْتَنِي بِيَدِكَ وَنَفَخْتَ  
فِيَّ مِنْ رُوحِكَ رَفَعْتُمَا أَسِي فَرَأَيْتُ عَلَى تَوَالِيهِ الْعَرْشِ  
مَكْتُوبًا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ فَعَلِمْتُ أَنَّكَ لَوْ تَضِيفُ  
إِلَى اسْمِكَ إِلَّا أَحَبَّ الْخَلْقِ إِلَيْكَ فَقَالَ اللَّهُ تَعَالَى صَدَقْتَ يَا آدَمُ  
إِنَّمَا لَأَحَبُّ الْخَلْقِ إِلَيَّ وَإِذَا سَأَلْتَنِي بِحَقِّهِ تَدْعُ غَفْرَتِي لَكَ  
وَلَوْلَا مُحَمَّدٌ لَمَّا خَلَقْتُكَ - رواه البيهقي في الدلائل والحاكم وصححه

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ  
علیہ وسلم نے فرمایا جب آدم علیہ السلام سے لغزش ہوئی۔ تو آپ نے دعا کی کہ  
یا اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں مجھے  
بخش دے۔ یعنی وہ خطا جس کے سبب سے میں جنت سے نکالا گیا معاف فرما  
تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم علیہ السلام، تو نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے پہچانا  
حالانکہ میں نے اسے پیدا نہیں کیا۔ آدم علیہ السلام نے کہا کہ اے رب! جب تو نے  
مجھے اپنے دست قدرت سے پیدا کیا اور اپنا روح مجھ میں پھونکا میں نے سراٹھایا تو دیکھا  
عرش کے بالوں پر لا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ لکھا ہوا تھا۔ میں نے معلوم  
کیا کہ جس شخص کے نام کو تو نے اپنے نام کے ساتھ ملایا ہے۔ یہ کوئی تیرے نزدیک  
سب خلقت سے زیادہ عزیز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے آدم تو نے سچ کہا۔

وہ مجھے سب خلقت سے زیادہ پیارا ہے۔ اب تو نے اس کے صدقہ میں دعا کی ہے۔ میں نے تجھے بخش دیا ہے اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کرنا نہ ہوتا تو میں تجھے پیدا نہ کرتا۔

اس کو بہیقی نے دلائل میں اور حاکم نے مستدرک میں روایت کیا اور حاکم نے اس کو صحیح کہا اور طبرانی نے معجم صغیر میں بھی اس کو روایت کیا ہے۔ اس حدیث سے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوا کہ دعائیں وسیلہ پیش کرنا بالخصوص سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ صرف جائز ہے بلکہ باعث قبولیت دعا ہے۔

## حدیث نمبر ۱۵

عَنْ مَالِكِ الدَّارِيِّ وَكَانَ خَازِنُ عُمَرَ قَالَ أَصَابَ النَّاسَ تَحْطُّوْفِي فِي زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَنَجَّأَ رَجُلٌ إِلَى قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ اسْتَسْقِ لِأُمَّتِكَ فَإِنَّهُمْ قَدْ هَلَكُوا فَاتَاهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَنَامِ فَقَالَ أَيُّتِ عُمَرَ فَأَقْرَبَهُ السَّلَامَ وَأَخْبَرَهُ أَنَّهُمْ يُسْقُونَ وَ قُلْ لَهُ عَلَيْكَ الْكَيْسُ فَأَتَى الرَّجُلُ عُمَرَ فَأَخْبَرَهُ فَبَكَى عُمَرُ قَالَ يَا رَبِّ مَا أَلَوْ إِلَّا مَا عَجَّرْتُ عَنْهُ۔

مالک دار جو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خازن تھے کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں قحط پڑا۔ تو ایک آدمی یعنی بلال بن عمار صحابی رضی اللہ عنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر آئے اور عرض کی یا رسول اللہ اتنی امت کے لیے پانی مانگیے۔ وہ ہلاک ہوئی جاتی ہے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو خواب میں فرمایا کہ عمر کے پاس جاؤ اور اسے سلام کہو اور اس کو خبر دو۔ کہ میں نے

برسے گا اور اُسے کہو کہ زیر کی کا التزام کرو وہ شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور انہیں خبر دی۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بولے اور کہا۔ اسے پروردگار میں کوتاہی نہیں کرتا مگر اس چیز میں کہ میں اس سے عاجز ہوں۔  
اس حدیث کو سہیقی نے طریق اعمش عن ابی صلح عن مالک الدار سے روایت کیا ہے۔

علامہ نہبانی نے ثواب الحق ص ۱۱ میں فرمایا کہ اس حدیث کو ابن ابی شیبہ نے بسند صحیح روایت کیا ہے اور تصریح کی کہ قبر شریف پر آکر عرض کرنے والا بلال بن حارث صحابی تھا رضی اللہ عنہ۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری ج ۲ ص ۵۲۳ میں اس حدیث کی سند کو بروایت ابن ابی شیبہ صحیح فرماتے ہیں اور یہ بھی تصریح کرتے ہیں کہ وہ قبر پر آنیوالا اور خواب میں حضور علیہ السلام کو دیکھنے والا بلال بن حارث صحابی تھا۔  
پس ایک صحابی کا حضور علیہ السلام کی قبر پر حاضر ہو کر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ندا کر کے عرض کرنا یا رسول اللہ امت کے لیے پانی مانگیے دلیل ہے اس امر کے جواز پر اور دلیل ہے حضور علیہ السلام کے سن لینے پر اور دلیل ہے حضور علیہ السلام کے توسل سے حاجت کے پورا ہونے پر صلی اللہ علیہ وسلم یا رسول اللہ۔

## حدیث نمبر ۱۶

حَدَّثَنِي أَبُو زَيْدٍ قَالَ صَلَّى بِنَا رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
الْفَجْرَ وَمَعِيَ الْمِنْبَرُ فَنُطِبْنَا حَتَّى حَضَرَتِ الظُّهُمُ فَنَزَلَ  
وَصَلَّى ثُمَّ مَعِيَ الْمِنْبَرُ فَنُطِبْنَا حَتَّى حَضَرَتِ الْعَصْرُ ثُمَّ نَزَلَ  
فَصَلَّى ثُمَّ مَعِيَ الْمِنْبَرُ فَنُطِبْنَا حَتَّى غَرَبَتِ الشَّمْسُ فَأَخْبَرْنَا

بِمَا كَانَتْ وَبِمَا هُوَ كَائِنٌ فَأَعْلَمْنَا أَحْفَظْنَا -

ابوزید کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں فجر کی نماز پڑھانی۔ آپ منبر پر چڑھے اور ہمیں خطبہ دیا یہاں تک کہ ظہر کا وقت ہو گیا تو آپ اترے اور نماز ظہر پڑھی پھر منبر پر چڑھ گئے اور خطبہ پڑھا یہاں تک کہ عصر ہو گئی پھر اتر کر نماز پڑھی پھر منبر پر چڑھے اور خطبہ پڑھا یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا پس خبر دی ہم کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتھ اس خبر کے جو ہو چکی ہے اور جو آئندہ ہوگی پس ہم میں سے زیادہ علم والا وہ شخص ہے جو ہم میں سے زیادہ یاد رکھنے والا ہے۔ اس کو مسلم نے روایت کیا۔

معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام ماکان وما یكون کے عالم تھے۔

## حدیث نمبر ۱۷۱

عَنْ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ لَمَّا بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْيَمَنِ خَرَجَ مَعَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُؤْهِئُهُ وَمَعَاذُ رَأَيْتُكَ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَبِيحُ تَحْتِ رَأْسِهِ فَلَمَّا نَزَعَ قَالَ يَا مَعَاذُ إِنَّكَ عَسَى أَنْ لَا تَلْقَانِي بَعْدَ عَامِي هَذَا أَوْ لَعَلَّكَ أَنْ تَمُرَّ بِسُجْدِي هَذَا أَوْ قَبْرِي فَبَكَى مَعَاذٌ جَسَعًا لِيْضًا رَأَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَلَّى النَّفْتِ نَاقِبًا بِوَجْهِهِ ثُمَّ الْمَدَائِنَةَ فَقَالَ إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِبِي الْمُتَّقُونَ مَنْ كَانُوا وَحَيْثُ كَانُوا (رواه احمد)

(مشکوٰۃ ص ۲۲۰ مسند احمد جلد ۵ ص ۲۳۵)

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یمن کی طرف بھیجا تو حضور علیہ السلام ان کے ساتھ وصیت فرماتے ہوئے

نکلے معاذ رضی اللہ عنہ سوار تھے اور حضور علیہ السلام ان کی سواری کے نیچے پیادہ چلتے تھے جب آپ فارغ ہوئے تو (یعنی وصیت سے) فرمایا اے معاذ قریب ہے کہ تو نہ ملے گا۔ مجھے میرے اس سال کے بعد اور شاید تو میری مسجد اور میری قبر پر گزرتے یہ سن کر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کے فراق کے غم سے رولے لگے تو آپ نے ادھر سے التفات کر کے مدینہ طیبہ کی طرف منہ کیا اور فرمایا کہ میرے بہت قریب اور متصل وہ لوگ ہیں جو متقی ہیں کوئی بھی ہوں اور جہاں بھی ہوں۔ اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا۔

اس حدیث سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انکسار اور تواضع معلوم ہوا کہ آپ معاذ رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیادہ چل رہے تھے اور معاذ سوار تھے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو اپنے وصال شریف کا علم تھا۔ اسی واسطے معاذ رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ شاید تو مجھے نہ ملے اور میری قبر پر آئے۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی زندگی کا بھی علم تھا کہ فرمایا کہ شاید تو میری مسجد اور قبر پر گزرتے۔ یعنی میرے وصال کے بعد تو زندہ ہے گا اور میری قبر پر آئے گا چنانچہ آپ نے جو فرمایا ویسا ہی ہوا۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ حضور کے فراق میں رونے لگے۔ اس لیے کہ ان کو حضور علیہ السلام کی جدائی کا یقین ہو گیا

یہ بھی معلوم ہوا کہ متقی لوگ حضور علیہ السلام کے پاس ہی ہیں۔ اگرچہ صورتاً پاس

نہ ہوں۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی بھی ہو اور کہیں بھی ہو۔ شام میں ہو یا روم میں پنجاہ میں ہو یا ہندوستان میں، جہاں بھی ہو۔ حضور علیہ السلام اس کے پاس ہی ہے۔ بشرطیکہ وہ متقی ہو۔ حضور علیہ السلام نے حضرت معاذ کو تسلی دی کہ رونے کی ضرورت نہیں۔

تقویٰ اختیار کرو۔ پھر جہاں رہو میرے پاس ہی ہو۔

اللَّهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ۔

## حدیث نمبر ۱۸

علامہ یوسف نہمانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب حجة اللہ علی العالمین کے ص ۱۳۷  
میں لکھتے ہیں -

ردی الطبرانی عن ابی الدرداء قال قال رسول الله صلى الله عليه  
وسلم أكثروا الصلوات على يوم الجمعة فإنه يوم مشهود  
تشهداه الملائكة ليس من عبدا يصلي على إلا بلغني صوته حيث  
كان قلنا وبعد وفاتك قال وبعد وفاتي إن الله عز وجل حرم  
على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء -

فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مجھ پر بکثرت درود پڑھا کرو۔ دن جمعہ  
کے کیونکہ جمعہ کا دن مشہود ہے یعنی اس میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور کوئی بندہ  
نہیں جو مجھ پر درود بھیجے مگر مجھے اس کی آواز پہنچتی ہے جہاں بھی وہ ہو۔ ہم نے  
عرض کی کہ یا رسول اللہ آپ کی وفات کے بعد بھی فرمایا۔ میری وفات کے  
بعد بھی بیشک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسم کو کھائے۔  
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ درود شریف پڑھنے والا جہاں درود پڑھے حضور  
علیہ السلام کی خدمت میں اس کی آواز پہنچ جاتی ہے۔ ولله الحمد۔

## حدیث نمبر ۱۹

عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّي  
أَرَأَيْ مَا لَا تَرَوْنَ وَأَسْمَعُ مَا لَا تَسْمَعُونَ (الْحَدِيثُ -)

(رواه احمد والترمذی وابن ماجہ مشکوٰۃ ص ۷۷۹)

ابو ذر کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں دیکھتا ہوں جو

تم نہیں دیکھتے اور سنتا ہوں جو کہ تم نہیں سنتے آخر حدیث تک اس کو احمد ترمذی ابن ماجہ نے روایت کیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کا سننا، ہماری طرح نہ تھا۔ بلکہ آپ وہ سب کچھ دیکھتے ہیں جسے ہم نہیں دیکھتے اور وہ سنتے ہیں جسے ہم نہیں سنتے ہم دور کی آواز نہیں سنتے، حضور سنتے ہیں، ہم پر وہ میں کوئی چیز نہیں دیکھتے حضور دیکھتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی بشریت ہماری بشریت کی طرح نہیں ہے۔ اب جو لوگ حضور علیہ السلام کو اپنے جیسا سمجھ کر حضور علیہ السلام کی سمع و بصر کا انکار کرتے ہیں وہ اس حدیث میں غور کریں۔

## حدیث نمبر ۲۰

مواہب لدنیہ جلد اول ص ۹ اور حجة التذلی العالمین ص ۲۸ میں بحوالہ عبد الرزاق جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ بِأَبِي أَنْتَ وَارْحَمِي أَخْبَرَنِي عَنْ أَوَّلِ شَيْءٍ خَلَقَهُ تَعَالَى تَبْلُ الْأَشْيَاءِ قَالَ يَا جَابِرُ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى خَلَقَ تَبْلُ الْأَشْيَاءِ نُورًا نَبِيَّكَ مِنْ نُورِهِ فَجَعَلَ ذَلِكَ النُّورَ يَدًا وَمَا بِالْقُدْرَةِ حَيْثُ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى وَلَوْ يَكُنْ فِي ذَلِكَ الْوَقْتِ نُوحٌ وَلَا قَلَمٌ وَلَا نَارٌ وَلَا مَلَكٌ وَلَا سَمَاءٌ وَلَا أَرْضٌ وَلَا شَمْسٌ وَلَا قَمَرٌ وَلَا جِبُّ وَلَا نَسٌّ (المحدث -)

کہا جابر نے میں نے عرض کی یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے سب چیزوں سے پہلے کس چیز کو پیدا کیا؟ مجھے اس کی خبر دیں۔ آپ نے فرمایا اے جابر اللہ تعالیٰ نے سب چیزوں سے پہلے تیرے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نور اپنے نور سے پیدا کیا۔ پھر وہ نور جہاں اللہ تعالیٰ

نے چاہا۔ قدرت سے پھرتا رہا اور اس وقت نہ لوح تھی نہ قلم نہ جنت نہ دوزخ  
 نہ فرشتہ تھا۔ نہ آسمان نہ زمین نہ سورج نہ چاند نہ ہن نہ انسان۔ آخر حدیث تک۔  
 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سب سے پہلے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور  
 پیدا ہوا۔ پھر سارا جہاں اور یہ جو فرمایا ہے اپنے نور سے، یہ اضافت تشریحی ہے۔  
 اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے معاذ اللہ اپنے ایک ٹکڑا کاٹ کر رسول  
 کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بنایا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ قدیم ہے، اس کا نور بھی قدیم رسول  
 کریم صلی اللہ علیہ وسلم حادث ہیں آپ کا نور بھی حادث ہے۔

## حدیث نمبر ۲۱

مشکوٰۃ شریف ص ۶۲ میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ  
 ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز میں دیر کی رہاں تک کہ قریب  
 تھے ہم کہ سورج نکل آیا۔ تو آپ جلدی نکلے اور آپ نے نماز میں تخفیف کی نماز  
 کے بعد آپ نے سب کو فرمایا کہ اپنی صفوں پر بیٹھے رہو۔ پھر ہماری طرف متوجہ  
 ہوئے اور فرمایا۔

أَمَا إِنِّي سَاحِدٌ تُكْرَمُ مَا حَسَبِي عَنْكُمْ الْعَدَايَةُ إِنِّي قُمْتُ مِنَ  
 اللَّيْلِ فَتَوَضَّأْتُ وَصَلَّيْتُ مَا قَدَّرَ لِي فَتَعَسَّتُ فِي صَلَاتِي حَتَّى  
 اسْتَشَقَلْتُ فَإِذَا أَنَا بِرَبِّي تَبَارَكَ وَتَعَالَى فِي أَحْسَنِ صُورَةٍ فَقَالَ  
 يَا مُحَمَّدُ قُلْتُ لَبَّيْكَ رَبِّ قَالَ رَبِّمَا يَخْتَصِمُ الْهَلَاءُ الْأَعْلَى  
 قُلْتُ لَا أَدْرِي قَالَهَا ثَلَاثًا قَالَ فَرَأَيْتَهُ وَضَعَ كَفَّهُ بَيْنَ كَتِفِي  
 حَتَّى وَجَدَاتُ بَرْدًا أَنَا مِلْهُ بَيْنَ شِدَائِي فَتَجَلَّى لِي كُلُّ شَيْءٍ وَ  
 عَرَفْتُ وَأَرَأَيْتَ رَوَيْتَ فِي آيَاتِهِ فَعَلِمْتُ مَا فِي السَّمَوَاتِ  
 وَالْأَرْضِ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ قُلْتُ لَبَّيْكَ رَبِّ قَالَ فَيُؤَخِّصُ



السَّلَاءِ اَلَا عَلٰی تُلَّتْ فِي الْكُفَّارَاتِ الْحَدِيثُ -

کہ تم کو صبح کی نماز میں دیری کی وجہ بیان کرتا ہوں۔ میں نے رات کو قیام کیا وضو کر کے جو مقدر تھا نماز پڑھی پھر مجھے نماز میں اونگھ آگئی۔ یہاں تک کہ میں بو جھل ہو گیا ناگاہ مجھے پروردگار جل شانہ بہت اچھی صورت (بلا کیفیت) میں نظر آئے اور فرمایا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے عرض کی حاضر ہوں۔ اے میرے رب۔ فرمایا جماعت اعلیٰ کس امر میں جھگڑتی ہے۔ میں نے عرض کی کہ میں نہیں جانتا اللہ تعالیٰ نے تین بار اسی طرح فرمایا۔ پھر حق سبحانہ تعالیٰ نے اپنا (بلا کیفیت) ہاتھ میرے کندھوں کے درمیان رکھا۔ یہاں تک کہ میں نے اپنے سینے میں اس مبارک ہاتھ کی ٹھنک محسوس کی۔ پھر میرے لیے ہر چیز ظاہر ہو گئی اور میں نے پہچان لیا ایک روایت میں ہے کہ جو کچھ زمینوں آسمانوں میں تھا۔ میں نے معلوم کر لیا، پھر فرمایا۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے عرض کی کہ حاضر ہوں یا رب، فرمایا کس چیز میں جھگڑتی ہے جماعت اعلیٰ میں نے عرض کی کہ کفارات میں۔ آخر حدیث تک۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر

چیز کا علم عطا ہوا۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ!

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ اشعۃ اللمعات میں اس حدیث کی شرح

میں فرماتے ہیں۔

”پس دانستم ہر چیز اور آسمانہا و ہر چیز در زمین بود عبارتست از حصول تمامہ علوم

جزوی و کلی و احاطہ آں“

پس جان لیا میں نے جو کچھ کہ آسمانوں اور زمینوں میں ہے۔ عبارت ہے تمام

علوم جزوی و کلی کو حاصل کرنے اور اس کے احاطہ سے۔

## حدیث نمبر ۲۲

مواہب صلاہ میں بحوالہ طبرانی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت

ہے۔ فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى قَدَرَفَعَ لِي الدُّنْيَا فَمَا أَنَا النَّظَرُ إِلَيْهَا وَإِلَى مَا هُوَ  
كَابِتٌ فِيهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ كَأَنَّمَا أَنُظَرُ إِلَى كَفْتِي هَذِهِ۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے میرے لیے دنیا کو نظر فرمایا۔ پس میں دنیا کی طرف اور  
جو کچھ اس میں ہونے والا ہے۔ قیامت تک اس طرح دیکھ رہا ہوں جیسے اپنی  
اس ہتھیلی کی طرف۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی کائنات کے  
ذرہ ذرہ پر نظر ہے۔

## حدیث نمبر ۲۳

زر قانی شرح مؤطا کے ص ۶۰ میں بحوالہ بزار روایت ہے کہ رسول کریم  
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

حَيَاتِي خَيْرٌ لَّكُمْ وَمَمَاتِي خَيْرٌ لَّكُمْ تَعَرَّضْ عَلَيَّ أَعْمَالَكُمْ فَمَا  
كَانَ مِنْ حَسَنٍ حَبَّاتُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَمَا كَانَ  
مِنْ سَيِّئٍ اسْتَعْفَرْتُ اللَّهَ لَكُمْ رَوَاهُ الْبُزَارِيُّ بِإِسْنَادٍ جَيِّدًا

کہ میری زندگی تمہارے لیے بہتر ہے اور میری وفات بھی تمہارے لیے  
بہتر ہے، تمہارے اعمال میرے اوپر پیش کیے جاتے ہیں۔ پس جو اچھے ہوتے  
ہیں میں اللہ کی حمد کرتا ہوں اور جو بُرے ہوتے ہیں تو تمہارے لیے استغفار  
کرتا ہوں۔

علامہ نہبانی نے حجۃ اللہ علی العالمین ص ۱۳۷ میں اس حدیث میں زیادہ کیا  
ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر  
قربان یہ کیسے ہے تو آپ نے فرمایا میری زندگی تمہارے لیے اس لیے بہتر ہے

کہ مجھ پر وحی آتی ہے تو میں تمہیں حلال حرام کی خبر دیتا ہوں اور میری موت اسی لیے بہتر ہے کہ ہر جمعرات کو تمہارے اعمال میرے اوپر پیش کیے جاتے ہیں پس جو اچھے ہوتے ہیں میں اللہ کی حمد کرتا ہوں اور جو بُرے ہوتے ہیں میں اللہ سے بخشش مانگتا ہوں۔“

معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام اس وقت بھی ہمارے حال سے بے خبر نہیں ہمارے اچھے کام دیکھ کر آپ خوش ہوتے ہیں اور بُرے دیکھ کر ہمارے لیے بخشش مانگتے ہیں۔ اس حدیث کو ہزار نے سند جدید کے ساتھ روایت کیا۔

## حدیث نمبر ۲۴

عَنْ جَابِرِ بْنِ سُرَّةَ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي لَيْلَةِ أَضْحْيَانَ فَجَعَلَتْ أَنْظُرُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ حُلَّةٌ حُمْرَاءُ فَإِذَا هُوَ أَحْسَنُ عِنْدِي مِنَ الْقَمَرِ -

(رواه الترمذی والدارمی مشکوٰۃ ص ۵۱)

جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چاندنی رات میں دیکھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سرخ رنگ کا حُلّہ تھا۔ ناگاہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے نزدیک چاند سے بہت خوبصورت تھے۔ اس کو ترمذی و دارمی نے روایت کیا۔

## حدیث نمبر ۲۵

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِي يَدَيْهِ كِتَابَانِ فَقَالَ أَتَدْرُونَ مَا هَذَا الْكِتَابَانِ

قُلْنَا لَا يَأْتِي رَسُولَ اللَّهِ إِلَّا أَنْ تُخْبِرَنَا فَقَالَ لِلَّذِي فِي يَدِهِ  
 الْيُسْنَى هَذَا كِتَابٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ فِيهِ أَسْمَاءُ أَهْلِ  
 الْجَنَّةِ وَأَسْمَاءُ آبَائِهِمْ وَتَبَائِلِهِمْ ثُمَّ أُجْمِلَ عَلَىٰ آخِرِهِمْ  
 فَلَا يَزَادُ فِيهِمْ وَلَا يَنْقُصُ مِنْهُمْ أَبَدًا ثُمَّ قَالَ لِلَّذِي فِي شِمَالِهِ  
 هَذَا كِتَابٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ فِيهِ أَسْمَاءُ أَهْلِ النَّارِ وَأَسْمَاءُ  
 آبَائِهِمْ وَتَبَائِلِهِمْ ثُمَّ أُجْمِلَ عَلَىٰ آخِرِهِمْ فَلَا يَزَادُ فِيهِمْ وَلَا  
 يَنْقُصُ مِنْهُمْ أَبَدًا الْحَدِيث - (ترمذی) (مشکوٰۃ ص ۱۳)

عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نکلے اور آپ کے ہاتھوں  
 میں دو کتابیں تھیں۔ آپ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو۔ یہ دو کتابیں کتابیں کیا ہیں؟  
 ہم نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! ہم نہیں جانتے بجز اس کے کہ آپ ہمیں خبر دیں۔  
 تو آپ نے اس کتاب کے متعلق فرمایا جو آپ کے دائیں ہاتھ میں تھی کہ یہ کتاب  
 ہے رب العالمین کی طرف سے اس میں اہل جنت کے اور ان کے باپوں کے  
 نام اور ان کے قبائل کے نام مذکور ہیں۔ پھر اس کے آخر میں کل جمع کی میزان  
 لکھی گئی۔ اس میں سے نہ کم ہوگا نہ زیادہ کیا جائے گا۔ پھر فرمایا بائیں ہاتھ والی کتاب کو  
 یہ کتاب ہے رب العالمین کی طرف سے اس میں دوزخیوں کے نام اور ان کے  
 باپوں کے نام اور قبیلوں کے نام درج ہیں۔ پھر آخر میں کل جمع ہے۔ اس میں نہ  
 زیادہ ہوگا نہ کم۔ آخر حدیث تک اس کو ترمذی نے روایت کیا۔ (مشکوٰۃ ص ۱۳)  
 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر ایک جنتی اور  
 دوزخی کا علم دیا گیا تھا۔ حضور علیہ السلام ہر ایک جنتی اور دوزخی کو اور اس کے باپ  
 اور قبیلہ کو جانتے ہیں۔ یہ دونوں کتابیں اسی لیے آپ کو دی گئیں کہ جنتی اور دوزخی  
 کا علم ہو جائے۔

## لطیفہ

کوٹلی لوہاراں میں ایک منکر علم غیب نے حضور علیہ السلام کے علم کے متعلق مجھ سے سوال کیا۔ کہ کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا علم بھی ہے کہ کوٹلی میں ایک فلاں نام کا آدمی ہوگا۔ میں نے کہا ہاں حضور نبیہ السلام کو نہ صرف تیرا بلکہ تیرے باپ اور تیرے قبیلہ کا بھی علم ہے۔ اس نے کہا کہ کس حدیث میں یہ پتہ درج ہے۔ میں نے مشکوٰۃ سے یہی حدیث دکھائی اور کہا کہ دونوں کتابیں جو حضور علیہ السلام کے پاس تھیں۔ ان میں سے اگر وہ ہاتھ والی میں تمہارا نام نہ ہو تو بائیں ہاتھ والی میں ضرور ہوگا۔ وہ دونوں کتابیں لاؤ۔ میں نکال دوں گا۔ تو وہ مبہوت ہو کر رہ گیا۔

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری ص ۱۸۷ جلد ۱۳ میں اس حدیث کی سند کو حسن فرمایا اور لکھا کہ یہ دونوں کتابیں صحابہ کو نظر آتی تھیں۔ واللہ اعلم۔

## حدیث نمبر ۲۶

عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ جَبْرِئِلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ قَلْبْتُ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا فَلَوْ أَحَدًا رَجُلًا أَفْضَلَ مِنْ مُحَمَّدٍ وَلَوْ أَرَبْنِي أَبِ الْأَفْضَلِ مِنْ بَنِي هَاشِمٍ قَالَ الْحَافِظُ ابْنُ حَجْرٍ لَوَائِحُ الْمَصَّةِ ظَاهِرَةٌ أَخْرَجَهُ ابْنُ أَبِي عَرِينَةَ وَالطَّبْرَانِيُّ -

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم جبرئیل علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں۔ کہا جبرئیل نے میں مشرق مغرب پھر کسی شخص کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل نہیں پایا۔ اور کوئی قبیلہ بنی ہاشم سے افضل نہیں دیکھا۔ اس کو ابوالنعیم و طبرانی نے

روایت کیا۔ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے صحت کے آثار ظاہر ہیں۔  
(حجۃ الشریعہ علی العالمین للبنہانی ص ۲۹)

## حدیث نمبر ۲

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ حَسَّ نَاسٌ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَرَجَ حَتَّى دَنَا مِنْهُمْ سَبْعَهُمْ مَا يَتَذَكَّرُونَ قَالَ بَعْضُهُمْ إِنَّ اللَّهَ اتَّخَذَ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا وَقَالَ آخَرُ مُوسَى كَلِمَةً تَكَلِيمًا وَقَالَ آخَرُ نَعِيسَى كَلِمَةً اللَّهُ وَرُوحَهُ وَقَالَ آخَرُ آدَمُ اصْطَفَاهُ اللَّهُ فَخَرَجَ عَلَيْهِمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ قَدْ سَمِعْتُ كَلَامَكُمْ وَعَجَبَكُمُ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلُ اللَّهِ وَهُوَ كَذَا أَيْكَ وَمُوسَى نَجِيُّ اللَّهِ وَهُوَ كَذَا أَيْكَ وَعِيسَى رُوحَهُ وَكَلِمَتُهُ وَهُوَ كَذَا أَيْكَ وَآدَمُ اصْطَفَاهُ اللَّهُ وَهُوَ كَذَا أَيْكَ الْوَاحِدُ جَيْبُ اللَّهِ وَلَا تَخْرُونَ أَنَا حَامِلٌ لِيَوْمِ الْحَمْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تَحْتَهُ آدَمُ نَمْنٌ دُونَهُ وَلَا تَخْرُونَ أَنَا أَوَّلُ شَائِعٍ وَأَوَّلُ مُسْتَفْعٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا تَخْرُونَ أَنَا أَوَّلُ مَنْ يَحْرِكُ تَخْلُقُ الْجَنَّةَ يَنْفُتِحُ اللَّهُ لِي فَيَدْخِلُنِيهَا وَمَعِيَ نَقَرَاءُ الْمُؤْمِنِينَ وَلَا تَخْرُونَ أَنَا أَكْرَمُ الْأَوْلِيَيْنِ وَالْآخِرِينَ عَلَى اللَّهِ وَلَا تَخْرُونَ (رواه الترمذی والدارمی)

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام بیٹھے ہوئے تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نکلے۔ ان کے قریب ہو کر سنا جو کہ مذکورہ کر رہے تھے، بعض کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا۔ دوسرا کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام نے کلام کیا

ایک کہتا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے کلمہ اور روح ہیں دوسرے نے کہا۔ آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے جن لیا۔ حضور علیہ السلام ان پر داخل ہوئے اور فرمایا کہ میں نے تمہارے کلام کو سنا ہے۔ اور تمہارے تعجب کو بھی۔ بے شک ابراہیم علیہ السلام اللہ کے خلیل ہیں اور موسیٰ بنی اللہ میں اور عیسیٰ اللہ کا کلمہ اور روح ہیں اور آدم کو اللہ تعالیٰ نے جن لیا۔ آگاہ ہو جاؤ کہ میں اللہ تعالیٰ کا حبیب ہوں اور کوئی فخر نہیں میں لو، الحمد کو قیامت کے دن اٹھانے والوں اور آدم اور اسوا اس کے سب میرے جھنڈے کے ماتحت ہوں گے اور اس میں کوئی فخر نہیں۔ میں سب سے پہلے جنت کے دروازہ کو کھٹکھاؤں گا۔ تو اللہ تعالیٰ میرے لیے کھول دے گا اور مجھے سب سے پہلے جنت میں داخل کرے گا اور میرے ساتھ فقر امونین ہوں گے اور کوئی فخر نہیں (واقعی بات ہے، اور میں سب اولین و آخرین سے اکرم ہوں اور کوئی فخر نہیں) اس کو ترمذی و دارمی نے روایت کیا۔

## حدیث نمبر ۲۸

روى ابو داود عن سعد بن سعد رضى الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال انى سالت رابى وشفعت لى متى فاعطانى ثلث امتى فخررت ساجدا شكرا لربى ثورفت رابى فسالت رابى لى متى فاعطانى ثلث امتى فخررت ساجدا لربى شكرا ثورفت رابى فسالت رابى لى متى فاعطانى الثلث الاخر فخررت ساجدا لربى -

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے سوال کیا اور اپنی امت کی سفارش کی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے تیسرا حصہ امت کا دیا یعنی

تیسرا حصہ بخش دینے کا فرمایا تو میں اپنے رب کے شکر یہ میں سجدہ میں گر پھر سر اٹھا کر اُمت کے لیے دعا کی۔ تو اللہ تعالیٰ نے تیسرا حصہ اُمت کا اور منظور فرمایا پھر میں سجدے میں گر اور شکر یہ ادا کیا پھر سر اٹھایا اور پھر اُمت کے لیے دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے اور تیسرا حصہ بھی منظور فرمایا پھر میں اللہ کے لیے سجدہ میں گر۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی ساری اُمت انشاء اللہ بخشی جائے گی۔ اللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ آمِينَ۔

(حجۃ اللہ العالمین ص ۲۳)

## حدیث نمبر ۲۹

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أُتَيْتُ بِدَايَةِ فَوْقِ الْجِمَارِ دُونَ الْبُغْلِ خَطْوَهَا عِنْدَ مَنْتَهَى طَرَفِهَا فَرَكِبْتُ وَمَعِيَ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَسِيتُ فَقَالَ أَنْزِلْ فَصَلِّ نَفَعَلْتُ فَقَالَ أَتَدْرِي أَيْنَ صَلَّيْتَ بِطَيْبَةٍ وَإِلَيْهَا الْبَهَائِرُ ثُمَّ قَالَ أَنْزِلْ فَصَلِّ نَفَعَلْتُ فَقَالَ أَتَدْرِي أَيْنَ صَلَّيْتَ صَلَّيْتَ بِطُورِ سَيْنَاءَ حَيْثُ كَلَّمَ اللَّهُ مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ ثُمَّ قَالَ أَنْزِلْ فَصَلِّ نَفَعَلْتُ فَقَالَ أَتَدْرِي أَيْنَ صَلَّيْتَ صَلَّيْتَ بِبَيْتِ لَحْمٍ حَيْثُ وُلِدَ عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ ثُمَّ دَخَلْتُ إِلَى بَيْتِ الْمُقَدَّاسِ فَجِئْتُ إِلَى الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ فَقَدَّامَنِي جِبْرِيلُ حَتَّى أَمْسَتْهُمْ ثُمَّ صَعِدَ بِي إِلَى سَمَاءِ الدُّنْيَا فَاذَافِيهَا أَدَمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ ثُمَّ صَعِدَ بِي إِلَى السَّمَاءِ الثَّانِيَةِ فَاذَافِيهَا إِبْنُ الْمَرْثَةِ عِيسَى وَحَيْثُ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ ثُمَّ صَعِدَ بِي إِلَى السَّمَاءِ الثَّلَاثَةِ فَاذَافِيهَا



فِيهَا يُوسُفُ عَلَيْهِ السَّلَامُ ثُمَّ صَعِدَ بَنِي إِلَى السَّمَاءِ الرَّابِعَةَ  
 فَإِذَا فِيهَا هَارُونَ عَلَيْهِ السَّلَامُ ثُمَّ صَعِدَ بَنِي إِلَى السَّمَاءِ الْخَامِسَةَ  
 فَإِذَا فِيهَا آدَمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ ثُمَّ صَعِدَ بَنِي إِلَى السَّمَاءِ السَّادِسَةَ  
 فَإِذَا فِيهَا مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ ثُمَّ صَعِدَ بَنِي إِلَى السَّمَاءِ السَّابِعَةَ  
 فَإِذَا فِيهَا إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ ثُمَّ صَعِدَ بَنِي إِلَى نَوْتِ سَبْعِ  
 سَمَوَاتٍ فَاتَيْنَا سِدْرَةَ الْمُنْتَهَى فَغَشِيَتْنِي صَبَابَةٌ فَخَرَّتْ  
 سَاجِدًا فَقِيلَ لِي إِنِّي يَوْمَ خَلَقْتُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ  
 نَرَضْتُ عَلَيْكَ وَعَلَى أُمَّتِكَ خَمْسِينَ صَلَاةً فَقُمْتُ بِهَا أَنْتَ  
 وَأُمَّتُكَ فَرَجَعْتُ إِلَى إِبْرَاهِيمَ فَلَمَّا لَسْتُ لِي عَنْ شَيْءٍ ثُمَّ  
 أَتَيْتُ عَلَى مُوسَى فَقَالَ كَمْ نَرَضَ عَلَيْكَ وَعَلَى أُمَّتِكَ قُلْتُ  
 خَمْسِينَ صَلَاةً قَالَ فَإِنَّكَ لَا تَسْتَطِيعُ أَنْ تَقُومَ بِهَا أَنْتَ  
 وَلَا أُمَّتُكَ فَارْجِعْ إِلَى رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ التَّخْفِيفَ فَرَجَعْتُ  
 إِلَى رَبِّي فَخَفَّفَ عَنِّي عَشْرًا ثُمَّ أَتَيْتُ إِلَى مُوسَى فَأَمَرَنِي  
 بِالرَّجُوعِ فَرَجَعْتُ فَخَفَّفَ عَنِّي عَشْرًا ثُمَّ أَتَيْتُ مُوسَى  
 فَأَمَرَنِي بِالرَّجُوعِ فَرَجَعْتُ فَخَفَّفَ عَنِّي عَشْرًا ثُمَّ رَأَيْتُ  
 إِلَى خَمْسِ صَلَوَاتٍ قَالَ فَارْجِعْ إِلَى رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ  
 التَّخْفِيفَ فَإِنَّهُ نَرَضَ عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ صَلَوَاتَيْنِ فَمَا  
 قَامُوا بِهِمَا فَرَجَعْتُ إِلَى رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ فَسَأَلْتُهُ التَّخْفِيفَ  
 فَقَالَ إِنِّي يَوْمَ خَلَقْتُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ نَرَضْتُ عَلَيْكَ  
 وَعَلَى أُمَّتِكَ خَمْسِينَ صَلَاةً فَخَمْسِينَ بِخَمْسِينَ فَقُمْ بِهَا  
 أَنْتَ وَأُمَّتُكَ فَعَرَنْتُ أَنَّهَا مِنْ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ مِثْرَى  
 فَرَجَعْتُ إِلَى مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ ارْجِعْ فَعَرَنْتُ  
 أَنَّهَا عَزَّ وَجَلَّ مِثْرَى يَقُولُ حِثُّوْهُ فَلَمَّا رَجَعْتُ -

«رواہ النسائی ورواہ البخاری و مسلم مطولاً»

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس ایک چوپایہ لایا گیا جو گدھے سے بڑا اور چھڑ سے کم تھا۔ اس کا قدم نظر کے منتہی تک تھا۔ میں اس پر سوار ہو گیا۔ میرے ساتھ جبریل علیہ السلام تھے چلتے ہوئے ایک جگہ پر جبریل علیہ السلام نے کہا کہ اترو۔ نماز پڑھو۔ میں اترا اور نماز پڑھی۔ جبریل نے کہا کہ کیا آپ جانتے ہیں کہ آپ نے کہاں نماز پڑھی، آپ نے طیبہ (مدینہ) میں نماز پڑھی۔ جہاں آپ کی ہجرت ہے، پھر چلے اور کہا اترو۔ نماز پڑھو۔ میں اترا اور نماز پڑھی۔ کہا آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے کہاں نماز پڑھی آپ نے طور سینا پر نماز پڑھی۔ جہاں موسیٰ علیہ السلام نے خدا کے ساتھ کلام کی ہے۔ پھر چلے اور کہا اترو نماز پڑھو۔ میں اترا نماز پڑھی۔ کہا کیا آپ جانتے ہیں آپ نے کہاں نماز پڑھی۔ آپ نے بیت لحم میں نماز پڑھی۔ جہاں عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے پھر بیت المقدس میں داخل ہوا۔ تو سب انبیاء علیہم السلام میرے لیے جمع ہوئے۔ جبریل نے مجھے آگے کیا۔ میں نے ان سب کو نماز پڑھانی۔ پھر مجھے پہلے آسمان پر لے گیا۔ وہاں آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ پھر دوسرے پر عیسیٰ علیہ السلام و یحییٰ علیہما السلام سے ملاقات ہوئی۔ پھر تیسرے آسمان پر یوسف علیہ السلام اور چوتھے پر ہارون علیہ السلام اور پانچویں پر ادریس علیہ السلام، چھٹے پر موسیٰ علیہ السلام اور ساتویں پر ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ پھر جبریل مجھے ساتویں آسمانوں کے اوپر لے گئے۔ تو ہم سدرۃ المنتہی میں پہنچے۔ پھر مجھے بادل نے ڈھانپ لیا پھر میں سجدہ میں گرا۔ تو مجھے کہا گیا کہ میں نے جب سے آسمان اور زمین پیدا کیے ہیں۔ تیرے اور تیری امت پر پچاس نمازیں فرض کی ہیں۔ پس تو اور تیری امت اسے ادا کیا کرو۔ پھر میں ابراہیم علیہ السلام کے پاس واپس آیا۔ انہوں نے مجھ سے کچھ نہ پوچھا۔ پھر میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس واپس آیا تو انہوں نے کہا کہ تجھ پر اور تیری امت پر کیا فرض ہوا۔ میں نے کہا پچاس نمازیں۔ انہوں نے

نے کہا کہ تو اسے ادا نہیں کر سکے گا اور نہ تیری اُمت ادا کر سکے گی۔ تو پھر اپنے رب کے پاس جا اور جا کر تخفیف کا سوال کر تو میں واپس اپنے رب کے پاس آیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے دس نمازیں کم کر دیں۔ پھر میں نے آکر موسیٰ علیہ السلام سے ذکر کیا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ پھر جا اور کمی کا سوال کر۔ میں پھر گیا۔ تو اللہ نے دس اور کم کر دیں۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا۔ تو انہوں نے پھر کہا کہ پھر جا۔ میں پھر گیا۔ پھر خدا نے دس اور تخفیف کیں۔ پھر بار بار جانے سے پانچ نمازیں رہ گئیں۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ پھر اپنے رب کے پاس جاؤ اور کمی کا سوال کرو۔ کیونکہ بنی اسرائیل پر صرف دو نمازیں فرض کی گئی تھیں۔ وہ دو بھی نہیں پڑھ سکے۔ پھر میں گیا اور تخفیف کا سوال کیا۔ تو اللہ نے فرمایا۔ میں نے جب سے آسمان و زمین پیدا کیے۔ تجھ پر اور تیری اُمت پر پچاس نمازیں فرض کی تھیں۔ پس اب پانچ نمازیں بجائے پچاس کے ہیں۔ یعنی تو اب پچاس ہی کا ملے گا۔ پس آپ اور آپ کی اُمت پانچ نمازیں قائم کرو۔ تو میں نے معلوم کر لیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہی حکم عزیمت سے یعنی جتنی ہے۔ پھر میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا۔ انہوں نے پھر کہا کہ جا اور تخفیف کراؤ۔ تو میں نے معلوم کر لیا۔ کہ یہ حکم اللہ کی طرف سے لازمی ہے۔ پھر میں نہ گیا۔ اس حدیث کو نسائی نے روایت کیا۔ بخاری و مسلم نے اس روایت کو مطول روایت کیا ہے۔

اس حدیث سے چند امور مستفاد ہوئے۔

(۱) یہ کہ حضور علیہ السلام کو معراج اسی جسم شریف کے ساتھ ہوا۔ کیونکہ براق پر سوار ہونا روح کا کام نہیں۔ یہ روح مع الجسم کا کام ہے۔

(۲) یہ کہ کسی متبرک مقام کی زیارت کے موقع پر اس مقام میں دو رکعت نفل پڑھنا جائز بلکہ مسنون ہے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے طور سینا مدینہ طیبہ بیت اللحم اور بیت المقدس میں نفل پڑھے۔

(۳) یہ کہ حضور علیہ السلام امام الانبیاء ہوئے اور ظاہر ہے کہ امام مقتدیوں سے

افضل و اعلم ہوتا ہے۔ اگر انبیاء علیہم السلام میں سے کوئی نبی یا رسول ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہوتا تو وہی امام ہوتا چونکہ جبریل علیہ السلام نے حضور علیہ السلام کو آگے کیا۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام ہی سب انبیاء سے افضل ہیں۔

(۴) یہ کہ انبیاء علیہم السلام سیر کرتے ہیں۔ چلتے پھرتے ہیں، ایک جگہ مجبوس نہیں ہیں۔ بیت المقدس میں پہلے حاضر ہوئے اور حضور علیہ السلام کے پیچھے نماز پڑھی پھر آپ آسمانوں پر تشریف لے گئے تو وہاں ملے، کوئی پہلے آسمان پر کوئی دوسرے پر کوئی تیسرے پر۔

(۵) یہ کہ ان کی سیر نہایت سریع ہے۔ بیت المقدس میں نماز پڑھی پھر حضور علیہ السلام کے تشریف لے جانے سے پہلے آسمان پر پہنچ گئے۔

(۶) یہ کہ حضور علیہ السلام سب انبیاء سے اعلم ہیں۔ مخلوقات میں سے کوئی چیز حضور علیہ السلام کے علم سے باہر نہیں۔ اعلم تو اس لیے کہ وہی امام ہوئے اور امامت کا حق اعلم و اقر کا ہے، جب یہ ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام کا علم سب انبیاء سے زیادہ تھا۔ تو اب آدم علیہ السلام کا علم بھی ملاحظہ ہو۔ اللہ فرماتا ہے۔ **وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا**۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو تمام اسماء کا علم عطا کیا۔ اسماء جمع ہے۔ پھر اس پر الف لام استغراق کا پھر کلہا اس کی تاکید ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ کوئی چیز جس کا کچھ نام ہے۔ آدم علیہ السلام کے علم سے باہر نہیں ہے اور یہ نہیں کہ صرف نام سکھائے اور مسمیات کا علم عطا نہیں کیا۔ کیونکہ جب ان اشیاء کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا گیا۔ تو انہوں نے اپنی لاعلمی بیان کی اور آدم علیہ السلام نے سب اشیاء کے نام بتا دیئے۔ جس سے معلوم ہوا کہ آدم علیہ السلام کو تمام مسمیات کا بھی علم تھا تو حضور علیہ السلام جکو آدم علیہ السلام سے بھی زیادہ علم تھا ان سے کوئی چیز کیسے پوشیدہ رہ سکتی ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا علم آیت **أَنْدِمْ كُؤِبَسَا**

تَاكْلُوْنَ وَمَا تَدَاخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ سَے ظاہر ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ جو کچھ تم کھاتے ہو اور جو ذخیرہ گھروں میں رکھتے ہو۔ میں تم کو اس کی خبر دیتا ہوں۔ یہ تو عیسیٰ علیہ السلام کا علم ہے لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے اعلم ہیں ان کے علم کا کیا کتنا۔

(۷) حضرت موسیٰ علیہ السلام جو کہ حضور علیہ السلام سے پہلے دنیا میں تشریف لائے اور وقت مقررہ تک رہ کر ہم سے پوشیدہ ہو گئے۔ انہوں نے سب مسلمانوں کو یہ فائدہ پہنچایا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بار بار اللہ تعالیٰ کے پاس بھیج کر چھ ماہوں سے پانچ گناہیں جس سے معلوم ہوا کہ دنیا سے رحلت فرما جانے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کے مقبولین نفع پہنچا سکتے ہیں۔

### حدیث نمبر ۳۰

حدیث شفاعت ہے کہ سب لوگ آدم علیہ السلام کی خدمت میں بیٹھیں شفاعت جائیں گے۔ وہ نوح علیہ السلام کی طرف بھیجیں گے۔ وہ ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں بھیجیں گے۔ وہ موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں بھیجیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں آئیں گے تو حضور فرمائیں گے۔ انا انہا میں شفاعت کے لیے ہوں۔ یعنی یہ کام میں کروں گا حضور فرماتے ہیں۔

اَسْتَاذِنُ عَالِي رَأْيِيْ نِيُوْزُنِيْ وَيُلْهِمُنِيْ مَجِيْدًا اَحْمَدًا بِهَالَا  
تَحْضُرِيْ اِلَيْنِ فَاَحْمَدَاكَ بِتِلْكَ الْجَامِدِ وَ اَخْرُجْ لِيْ سَاجِدًا نِيْقَالَ  
يَا اَحْمَدُ اِرْفَعْ رَأْسَكَ وَقُلْ تَسْمَعُ وَ سَلْ تُعْطِ وَ اَشْفَعْ تُشْفَعُ  
فَاَقُوْلُ يَا رَبِّ اُمَّتِيْ اُمَّتِيْ نِيْقَالَ اِنْطَلِقْ فَاُخْرِجْ مَنْ كَانَ فِيْ

قَلْبِهِ مِثْقَالَ شَعِيرَةٍ مِنْ اِيْمَانٍ

(الحديث متفق عليه بم)

میں اپنے پروردگار سے اجازت مانگوں گا۔ پس مجھے اجازت دی جائے گی۔ اور مجھے اللہ تعالیٰ کے محامد (یعنی تعریفیں ایسے الہام ہوں گے جو آج مجھے مستحضر نہیں تو میں ان محامد سے اللہ کی تعریف کروں گا اور میں سجدہ کروں گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر مبارک اٹھاؤ اور فرماؤ جو فرماؤ گے سنا جائے گا۔ اور مانگو جو مانگو گے ویسا جائے گا اور سفارش کرو تمہاری سفارش قبول کی جائے گی تو میں کہوں گا یا اللہ میری امت، میری امت، حکم ہو گا جاؤ۔ جس کے دل میں برابر جو کہ بھی ایمان ہے اسے نکال لو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قیامت کے روز سب لوگ، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے خواہاں ہوں گے اور حضور علیہ السلام کی شفاعت سے جنت میں جائیں گے جس سے ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام کے وسیلہ کی بڑی ضرورت ہے۔ جو لوگ وسیلہ کے منکر ہیں انہیں چاہیے کہ اس روز بھی سیدھے خدا کی طرف جائیں۔ انبیاء علیہم السلام کے دروازوں پر امداد و شفاعت کے لیے کیوں جائیں گے پس جب قیامت میں حضور کی خدمت میں جانا ہے تو آج ہی حضور علیہ السلام کی امداد کے طالب رہیں ایسا نہ ہو کہ قیامت میں حضور فرمائیں کہ تو میری امداد کا منکر تھا۔ پھر آج کیسے آگیا۔ ولتعوها قیل۔ آج لے آئی پناہ آج مدد مانگ ان سے پوچھ لے نہیں گے قیامت میں اگر مان گیا

### حدیث نمبر ۳۱

معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

مَنْ يُرِدِ اللهُ بِهَا خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ وَإِنَّمَا أَنَا نَاقِسٌ  
وَاللَّهُ يُعْطِي - (متفق عليه)

کہ جس شخص کے حق میں اللہ تعالیٰ بہتری کا ارادہ کرتا ہے۔ اسے دین میں سمجھ دے دیتا ہے یعنی اسے شریعت و طریقت و حقیقت کا عالم بنا دیتا ہے اور سوائے اس کے نہیں میں تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ دینے والا اس کو بخاری و مسلم نے روایت کیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز دینے والا ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تقسیم کرنے والے ہیں پس جو کچھ کسی کو اللہ تعالیٰ دیتا ہے وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم سے ملتا ہے۔ یہاں معطی کا مفعول مذکور نہیں جس سے معلوم ہوا کہ وہ ہر چیز جس کا دینے والا خدا ہے۔ اس کے تقسیم کرنے والے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ سبحان اللہ! کیا شان سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ مبارک ہیں وہ لوگ جنہوں نے حدیث کے مطابق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قاسم مانا اور افسوس ہے ان لوگوں پر جنہوں نے آپ کو نہ پہچانا۔

## حدیث نمبر ۳۲

عَنْ طَارِقِ بْنِ شَهَابٍ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ يَقُولُ قَامَ فِينَا  
اللَّيْلُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقَامًا فَأَخْبَرَنَا عَنْ بَدْءِ الْخَلْقِ  
حَتَّى دَخَلَ أَهْلُ الْجَنَّةِ مَنْزِلَهُمْ وَرَأَى أَهْلَ النَّارِ مَنْزِلَهُمْ حَفِظَ ذَلِكَ  
مَنْ حَفِظَهُ، وَكَسِيَهُ مَنْ نَسِيَهُ - (بخاری)

بخاری شریف میں طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے میں نے سنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کہ فرماتے تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان کھڑے ہوئے تو ابتدا خلقت سے در بیان

فرماتے ہوئے یہاں تک بیان فرمایا کہ جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں اپنی اپنی جگہ پر پہنچے ہم میں سے جس نے یاد رکھا اس نے یاد رکھا جو بھول گیا وہ بھول گیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے، ابتداء آفرینش سے اخیر جنت و دوزخ کے دخول تک تمام حالات بیان فرما دیئے، کسی کو یاد رہے کسی کو بھول گئے۔ جس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو ابتداء آفرینش سے آخر دخول جنت و دوزخ تک سارے حالات معلوم تھے۔

ابن حجر فتح الباری جزو ۱۳ ص ۱۸۶ میں فرماتے ہیں۔

ولهذا لك على انه اخبرني المجلس الواحد بجميع احوال  
المخلوقات منذ ابتدئت الى ان تقى الى ان تبعث فسئل  
ذالك الاخبار عن المبدأ والمعاش والمعاد وفي تيسير  
ايراد ذلك كله في مجلس واحد من خوارق العادة امر عظيم  
حضور عليه السلام نے جو کہ تمام مخلوقات کے تمام حالات ایک مجلس میں فرمائے  
یہ آپ کا معجزہ تھا کہ تھوڑے وقت میں بہت کچھ بیان فرما دیا۔

### حدیث نمبر ۳۳۳

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَشُرْتُ  
بِجِوَامِعِ الْكَلِمِ نَفْسَاتٍ بِالرَّعْبِ وَبَيْنَا أَنَا بِهَرَمٍ مَا أَيْتَنِي بِمَفَاتِيحِ  
حَزَائِنِ الْأَرْضِ فَوَضَعْتُ فِي يَدَيَّ رَمَقًا عَلَيْهِ مَشْكُورَةٌ (۵۰۲)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں جو امع الکلم کے ساتھ مبعوث کیا گیا یعنی مجھے کلمات جامدہ عطا کیے گئے جن کے الفاظ محو طے اور معانی بہت ہیں، رعب کے ساتھ مدو کیا گیا اور میں سوچا ہوا تھا کہ اپنے آپ کو دیکھتا ہوں کہ میرے پاس زمین کے نزالوں کی کنجیاں لائی گئیں اور میرے ہاتھ میں رکھی گئیں۔ اس کو



بخاری مسلم نے روایت کیا۔  
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زمین کے خزانوں کی کنجیاں رسول کریم صلی اللہ  
علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک میں ہیں۔ چوکہ انبیاء علیہم السلام کا خواب بھی مثل وحی  
کے ہے۔ اس لئے یہ عقیدہ ہونا چاہیے کہ آپ مالک نے آپ کو مالک بنایا ہے۔

### حدیث نمبر ۳

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ  
بَدْرٍ اللَّهُمَّ اَشْذِكْ عَهْدَكَ وَوَعْدَكَ اللَّهُمَّ اَنْ  
شَيْتَ لَوْ تَعْبَدْنَا نَأْخُذَ الْبُؤُكَرِ بِيَدِهِ نَقَالَ حَسْبُكَ بَحْرَج  
وَهُوَ يَقُولُ سَبِيهِنَّاهُمُ الْجَمْعُ وَيُؤْتُونَ الذَّابِرَ دُبَّارِي شَرِيف

ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر  
کے دن دعا کی کہ یا اللہ میں تجھ سے تیرے عہد اور وعدہ کو مانگتا ہوں جو تو نے  
فتح و نصرت کا وعدہ فرمایا ہے، اسے خدا اگر تو چاہتا ہے یعنی جماعت اہل اسلام  
کی ہلاکت، پھر تیری عبادت نہیں کی جائے گی۔ یعنی زمین میں پھر کوئی تیری پوجا  
نہ کرے گا۔ بلکہ ہمیشہ لوگ مشرک رہیں گے جو غیر اللہ کی پرستش کریں گے یہ آپ  
کو معلوم تھا کہ آپ خاتم النبیین ہیں۔ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں پس اگر آپ اور  
آپ کے ساتھی شہید ہو جاتے تو پھر اس شریعت کے مطابق اس زمین پر  
کون عبادت کرتا۔ نبی تو اور کوئی سمجھتا نہیں ہونا تھا پھر کون لوگوں کو ایمان  
کی طرف بلاتا۔ تو ابو بکر رضی اللہ عنہ آئے انہوں نے اگر حضور علیہ السلام کو  
پینے ہاتھ سے پیرا کر عرض کی کہ یا رسول اللہ! آپ کی مناجات اپنے رب کے  
ساتھ کافی ہو گئی۔ پھر نکلے اور بہ پڑتے تھے کہ جلدی بھگانی جائے گی۔ یہ جماعت  
اور پھیر دیں گے پیٹھیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

اس حدیث سے قبولیت دعا کے علاوہ یہ امر قابل غور ہے کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ یا اللہ اگر یہ جماعت اہل اسلام کی تو ہلاک کر دے تو زمین میں تیری پرستش نہ ہوگی۔ کیا اللہ تعالیٰ کی پرستش انہیں چند لوگوں پر موقوف تھی نہیں حضور علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے دربار میں ایک نماز کے انداز میں دعا فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے آپ کی امداد کی۔

### حدیث نمبر ۳۵

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَأْتِي ابْنَ آدَمَ الشَّدَاؤُ بِنَيْبِي لَوْ أَكُنْتُ تَدَارِيئَهُ - (بخاری شریف)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آدم کے بیٹے کو نذر کوئی شے نہیں لاتی جسے میں نے اس کی تقدیر میں نہ کیا ہو۔ یعنی جو چیز اس کی تقدیر میں ہوتی ہے وہ ہی ہوتی ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تقدیر کو بھی حضور علیہ السلام نے ہی مقدر کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ حدیث قدسی ہے۔ لیکن اس کی کسی سند اور روایت میں یہ تصریح نہیں آئی کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، یہ حدیث ابو داؤد میں بھی ہے اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی نسبت نہیں۔ نیز نسائی میں بھی ہے اس میں بھی یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا فرمایا ہے۔ اس حدیث میں ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس چیز کو میں نے مقدر نہیں کیا وہ نذر سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ اگر ہم محدثین کے قول کو مان لیں کہ یہ حدیث قدسی ہے تو اتنا ماننا بھی ضرور ہوگا کہ محدثین جو فرمائیں اگرچہ حدیث کے الفاظ میں نہ ہو وہی صحیح ہوگا حالانکہ بجز خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے کسی دوسرے کا قول ماننا ہم پر واجب نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

## حدیث نمبر ۳۹۳

عَنْ حَدِيفَةَ بْنِ الْيَمَانِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَقُولُ غَابَ عَنَّا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا فَلَوْ يَخْرُجُ حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ لَنْ يَخْرُجَ فَلَمَّا خَرَجَ سَجَدًا سَجْدَةً فَظَنَنَّا أَنَّ نَفْسَهُ تَدَا قُبُضَتْ مِنْهَا فَلَمَّا رَفَعَ رَأْسَهُ قَالَ إِنَّ رَبِّي تَبَارَكَ وَتَعَالَى اسْتَشَارَنِي فِي أُمَّتِي مَاذَا أُنْعَلُ بِهِمْ فَقُلْتُ مَا شِئْتُ أَمْ رَبِّ هُمْ خَلْقُكَ وَعِبَادُكَ فَاسْتَشَارَنِي فِي الثَّانِيَةِ فَقُلْتُ لَهُ كَذَلِكَ نَقَالَ لَا أَحْزُنُكَ فِي أُمَّتِكَ يَا مُحَمَّدًا وَبَشَرِي أَنْ أَوَّلَ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِي سَبْعُونَ الْقَامِعُ كُلُّ الْقَامِعِ سَبْعُونَ الْقَالِيْنَ عَلَيْهِمْ حِسَابٌ ثُمَّ أُرْسِلَ إِلَيَّ فَقَالَ ادْعُ تُجِبْ وَسَلْ تُعْطَى فَقُلْتُ لِرَسُولِي أَوْ مُعْطَى رَبِّي سَوِي فَقَالَ مَا أُرْسَلَنِي إِلَيْكَ إِلَّا لِيُعْطِيَكَ وَلَقَدْ أَعْطَانِي رَبِّي عِزًّا وَجَلًّا وَلَا خَرَّ وَغَفَّرَ لِي مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِي وَمَا تَأَخَّرَ وَأَنَا أَمْشِي حَيًّا مَحِيحًا وَأَعْطَانِي الْكُوثرَ نَهْرًا مِنَ الْجَنَّةِ لِيَسِيلَ فِي حَوْفِي وَأَعْطَانِي الْعِزَّ وَالنَّصْرَ وَالرُّعْبَ لِيَسْعَى بَيْنَ يَدَيْ أُمَّتِي شَهْرًا وَأَعْطَانِي أَوَّلَ الْأَنْبِيَاءِ أَدْخَلَ الْجَنَّةَ وَطَيَّبَ رِئَاسَتِي وَالْقِيَمَةَ وَأَحَدًا لَنَا كَثِيرًا مِمَّا وَعَلَى مَنْ تَبَلْنَا وَلَمْ يُجْعَلْ

عَلَيْنَا مِنْ حَرَجٍ (مسند امام احمد جلد ۳ ص ۳۹۳)

اس حدیث کی سند میں ابن لہیعہ ہے جس کو مسند احمد کے اسی جلد کے صفحہ ۳۹۳ میں حسن فی حدیث لکھا ہے کہ وہ اپنی حدیث میں حسن ہے۔  
 حدیث رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز ہم سے غائب ہو گئے اور ہم نے گمان کیا کہ وہ نہ آئیں گے تو جب آپ آ گئے تو آپ

نے ایک سجدہ کیا یہاں تک لمبا سجدہ کیا کہ ہم نے گمان کیا کہ شاید آپ کی روح مبارک قبض کی گئی جب آپ نے سر مبارک اٹھایا تو فرمایا کہ میرے رب تعالیٰ نے مجھ سے میری امت کے بارہ میں مشورہ کیا اور پوچھا ہے کہ میں تیری امت کے ساتھ کیا معاملہ کروں۔ میں نے عرض کی کہ اے خدا وہ تیرے بندے تیری مخلوق ہیں جو تو چاہے کر۔ پھر دوبارہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے مشورہ لیا۔ تو میں نے اسی طرح عرض کی کہ تیرے بندے ہیں جو تو چاہے کر۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں تجھے تیری امت کے بارہ میں غمناک نہ کروں گا۔ اور مجھے اللہ نے خوشخبری دی کہ سب سے پہلے میری امت کے ستر ہزار اور ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار آدمی جنت میں داخل ہوں گے۔ ان پر کوئی حساب کتاب نہ ہوگا۔ پھر میری طرف قاصد بھیجا گیا اور فرمایا کہ دعا کر تیری دعا قبول ہوگی اور مانگ تجھے دیا جائے گا تو میں نے قاصد کو کہا کہ اللہ تعالیٰ مجھے میرا سوال عطا کرے گا۔ اُس نے کہا کہ مجھے تیری طرف اسی لیے بھیجا کہ تجھے اللہ تعالیٰ عطا کرے (جو تو مانگے) اور مجھے اللہ نے دیا اور اس میں کوئی فخر نہیں یعنی میں فخر نہیں کرتا اور اللہ میرے اگلے پچھلے گناہ (جو حضور کی شان کے مطابق گناہ) سے سب معاف فرمائے اور میں زندہ تندرست چلتا ہوں اور مجھے اللہ نے یہ بھی عطا کیا کہ میری امت بھوک کے عذاب سے ہلاک نہ ہو اور (کفار سے) مغلوب نہ ہو اور مجھے اللہ تعالیٰ نے پھر کوثر عطا فرمائی اور مجھے اللہ تعالیٰ نے عزت اور نصرت عطا فرمائی اور ایک مہینہ کی مسافت سے میرا رعب پیدا کیا اور میں سب انبیاء سے پہلے جنت میں داخل ہوں گا اور میرے اور میری امت کے لیے مال غنیمت حلال کیا اور جو پہلے لوگوں پر سختیاں تھیں وہ ہم پر حلال کی گئیں اور اللہ نے ہم پر کوئی دشمنی نہیں کی۔

اس حدیث کو امام احمد نے مسند میں روایت کیا۔ اس حدیث سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کا پتہ چلتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ حضور علیہ السلام سے ان کی امت کے بارہ میں مشورہ لیتا ہے۔ پھر خوش خبری دیتا ہے کہ سب سے پہلے

آپ کی امت کے کئی ہزار لوگ بلا حساب جنت میں داخل ہوں گے۔  
(اللہوا جعلنا منهم)

### حدیث نمبر ۳۷

سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ يَضْمِنُ لِي مَا بَيْنَ لِحْيَتَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَضْمِنُ لَهُ  
الْجَنَّةَ - (بخاری شریف)

یعنی جو شخص میرے لیے اپنی زبان اور شرم گاہ کا ضامن ہو اور یعنی ان دونوں عضو سے میری نافرمانی نہ کرے گا تو میں اس کے لیے جنت کا ضامن ہوں۔  
معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام خدا تعالیٰ کی تملیک سے جنت کے مالک ہیں اور کارخانہ الہی کے مختار ضمانتیں فرماتے ہیں اپنے ذمہ لیتے ہیں ہر شخص جانتا ہے کہ ضمانت وہی و تیل ہے جس کا اختیار ہو۔ مالک ہو یا مالک کی طرف سے ماذون۔ ورنہ فضولی ہے جس کا عقوبتے کا رہے۔

### حدیث نمبر ۳۸

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَنَا أَوْلَى  
بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ فَمَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ وَلَمْ يَتْرِكْ  
وَحَاءَ فَعَلَيْنَا قَضَاؤَهُ (رواه البخاری) و فی روایة فَمَنْ تُوِّفِيَ مِنَ  
الْمُؤْمِنِينَ فَتَرَكَ دَيْنًا عَلَيَّ قَضَاؤُهُ وَمَنْ تَرَكَ مَالًا فَلَوْ شِئْتُ

(بخاری شریف)

حنو علیہ السلام نرہاتے ہیں میں مومنوں کا ان کی جان سے زیادہ مالک ہوں  
 دکنز الایمان ترجمہ اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہ (پس جو شخص مرحلے اور اس کے  
 سر پر قرض ہو اور مال نہ ہو جس سے قرض ادا کیا جائے تو آپ فرماتے ہیں کہ اس  
 کا قرض میرے ذمہ ہے۔ (میں ادا کروں گا) اور جو شخص مال چھوڑ جائے وہ اس کے  
 وارثوں کا حق ہے۔

بجان اللہ! کوئی ایسا شفیق ہے جو میت کا قرض اپنے ذمہ لے اور مال  
 وارثوں کو دے دے۔ یہ حنو علیہ السلام کی ہی عنایت و شفقت ہے اور یہ جو فرمایا  
 کہ میں مومنوں کی جانوں کا ان سے زیادہ مالک ہوں۔ اس کا مطلب یہ کہ دنیا اور  
 دین کے تمام امور میں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم مسلمانوں پر نافذ اور آپ کی اطاعت  
 واجب یا یہ معنی ہیں کہ نبی مومنین پر ان کی جانوں سے زیادہ رافت و رحمت اور  
 لطف و کرم فرماتے ہیں اور نافع تر ہیں، یا یہ مطلب ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم  
 زیادہ حق رکھتے ہیں کہ آپ جس طرف بلائیں۔ اسی کو اختیار کیا جائے

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ جو مسلمان خدا تعالیٰ کا قرض  
 ادا نہ کریں اور فوت ہو جائیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کا بھی تذکرہ فرمائیں  
 گے۔ اگرچہ شفاعت سے ہو۔

### حدیث نمبر ۳۹

عَنْ النَّسِّ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ  
 اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا يُؤْمِنُ أَحَدٌ كَرُ  
 حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدَيْهِ وَوَلَدَيْهِ وَالنَّاسِ  
 أَجْمَعِينَ - (متفق علیہا)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے سنا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص تم میں سے کامل مومن نہیں ہوتا جب تک میں اسے اس کے باپ اور اولاد بلکہ سب لوگوں سے زیادہ پیارا نہ ہوں۔  
 معلوم ہوا کہ اصل ایمان رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہے۔ اگر محبت نہیں تو کچھ نہیں۔ اگرچہ لمبی لمبی نمازیں پڑھے اور اگر محبت ہے تو لقیقتاً اپنے محبوب کے ساتھ اس کا شریک ہوگا اگرچہ اعمال میں قصور ہو۔

## حدیث نمبر ۲۰

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ عُمَرَ أَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَكْتَابٍ أَصَابَهُ مِنْ بَعْضِ أَهْلِ الْكِتَابِ فَقَرَأَهُ عَلَيْهِ فَغَضِبَ فَقَالَ لَقَدْ جُنْتُكُمْ بِبَيْضَاءِ تَقِيئْتُمْ لَهَا لَوْ هُمْ عَنْ شَيْءٍ نِيحُوا وَكُفُّوا بِحَقِّ نَتَكُنَّا بُوَابَ الدَّيْءِ نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ أَنَّ مُوسَى كَانَ حَيًّا مَا وَسِعَهُ إِلَّا أَنْ يَتَّبِعَنِي - (رواه الامام احمد)

جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک کتاب لے کر آئے جو ان کو ایک اہل کتاب سے ملی تو انہوں نے پڑھنا شروع کیا۔ تو حضور علیہ السلام ناراض ہوئے اور فرمایا کہ میں تمہارے پاس سفید اور ستھری شریعت لے کر آیا تم ان سے کچھ نہ پوچھو کہ وہ سچی بات کہیں تو تم تکذیب کرو یا باطل کہیں تو تم تصدیق کرو قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو میرے تابع رہتے۔ اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا۔  
 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دوسرے مذاہب کی کتابیں مطالعہ میں رکھنا

جائز نہیں۔ ممکن ہے کہ انسان بے علمی کے سبب کسی غلط مسئلہ کو صحیح سمجھ لے  
یا صحیح کو غلط۔ اس لیے اپنے مذہب کی کتاب کے سوا اور کسی بد عقیدہ و بد  
مذہب کی کتاب نہ دیکھے نہ سُنے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تورات کے  
اوراق پڑھنے پر ناراضگی فرمائی۔ دوسری کتاب کا کیا کہنا۔ یہاں بد مذہب لوگ  
دھوکا کھا جاتے ہیں کہ تحقیق کرنا چاہیے، یہ غلط ہے۔ آج تحقیق نہایت مشکل ہے  
حامی بے علم کیا تحقیق کرے گا۔ تحقیق نہایت دشوار ہے۔ جو اہل علم پر مخفی نہیں۔  
واللہ اعلم۔



## صحاح ستہ سے ماخوذ جو اہر پارے

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چند ارشادات جو ہر انسان کے لیے دینی و دنیوی ترقی اور فلاح داریں کے ضامن ہیں۔

### قال رسول الله صلى الله عليه وسلم

- ۱۔ إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ -  
اعمال کا مدار نیتوں پر ہے۔
- ۲۔ الْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيمَانِ -  
حیا و ایمان کا حصہ ہے۔
- ۳۔ الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَدِيَارِهِ -  
مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمانوں کو رنج نہ پہنچے۔
- ۴۔ مَنْ أَحَبَّ لِلَّهِ وَالْبِغْضَ لِلَّهِ -  
کامل ایمان والا وہ شخص ہے جو خدا واسطے دوستی اور خدا واسطے دشمنی رکھے  
گو یا اس کے ہر عمل میں رضا حق مقصود ہو۔
- ۵۔ لَا إِيْمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ -  
جو امانت دار نہیں وہ ایماندار بھی نہیں۔
- ۶۔ وَلَا دِينَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ -  
جو وعدے کا پابند نہیں وہ دیندار بھی نہیں۔
- ۷۔ إِذْ سَرْتِكَ حَسَنَتِكَ وَسَاءَتِكَ سَيِّئَتِكَ فَأَنْتَ مُؤْمِنٌ -  
تو نیک کام کرنے سے خوش اور بُرا کام کرنے سے رنجیدہ ہو تو جان لے  
کہ تو مومن ہے۔
- ۸۔ لَا يَزِيْنِي الزَّانِي حِينَ يَزِيْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَسْرِقُ الشَّارِقُ حِينَ

لَيْسُ رِقٌّ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَشْرِبُ الْخَمْرَ حِينَ يَشْرِبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ  
وَلَا يَغْلُ أَحَدًا كَمَا كَرِهَ يَغْلُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَقْتُلُ حِينَ يَقْتُلُ  
وَهُوَ مُؤْمِنٌ -

زانی زنا کرنے کے وقت، چور چوری کرنے کے وقت، شرابی شراب پینے  
کے وقت، خائن خیانت کرنے کے وقت اور قاتل قتل کرنے کے وقت ایمان  
والا نہیں ہوتا۔ گویا جو مومن ہے وہ نہ زنا کرتا ہے نہ چوری کرتا ہے نہ شراب پیتا  
ہے نہ خیانت کرتا ہے اور نہ قتل کرتا ہے۔

۹۔ أَرْبَعٌ مِّنْ كُنْ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا وَمَنْ كَانَتْ فِيهِ خَصَلَةٌ  
مِنْهُنَّ كَانَتْ فِيهِ خَصَلَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ حَتَّى يَدَّعَاهَا. إِذَا  
أَوْمِنَ خَانَ وَإِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا عَاهَدًا غَدَاً وَإِذَا  
خَاصَمَ فَجَرَ -

وہ شخص پورا منافق ہے جو امانت میں خیانت کرے اور جھوٹ بولے  
اور بات کہہ کر پھیر جائے اور تکرار میں گالیاں دے اور جو ان چاروں میں  
سے ایک خصلت رکھتا ہو۔ جب بھی اس میں منافق کی نشانی ہے جب  
تک اسے نہ چھوڑے۔

۱۰۔ كَفَى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ -  
وہ آدمی جھوٹا ہے جو سنی ہوئی باتیں جن کا جھوٹ سچ معلوم نہ ہو کہتا پھرے۔  
۱۱۔ مَنْ دَلَّ عَلَى خَيْرٍ فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِ فَاعِلِهِ -

جو کسی کو نیک کام بتائے اسے اس کام کے کرنے والے کے برابر ثواب  
ملتا ہے۔

۱۲۔ طَلَبُ الْعِلْمِ ذَرِيْعَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ وَمُسْلِمَةٍ -

علم کی تلاش ہر مسلمان مرد اور عورت کے لئے ضروری ہے۔

۱۳۔ مَنْ أَسَارَ عَلَى أَخِيهِ بِأَمْرٍ يَعْلَمُ أَنَّ الرُّشْدَ فِي غَيْرِهِ فَقَدْ خَانَ -

جو جان بوجھ کر نیکی و صلاح کے برخلاف فساد کی راہ بتائے وہ خیانت کا رہے۔  
۱۴۔ لَهَىٰ عَنِ الْأَعْلُوٰطَاتِ -

پچھیدہ باتیں کرنے سے باز رہو۔ ایسے پچھیدہ مسائل اپنی فزقت دکھلانے کے لیے بیان کرنا جن سے سنتے والے مغالطہ میں پڑ جائیں۔ منع ہیں۔  
۱۵۔ لَا تَقْبَلُ صَلَوةً بِنِيْرِ ظَهْرٍ مُّوْبِرٍ وَلَا مَدَاقَةَ مِنْ عُلُوٰی -

ناپاک حالت میں نماز قبول نہیں ہوتی اور مال حرام سے خیرات قبول نہیں ہوتی۔

۱۶۔ اتَّقُوا الْمَلَاعِنَ الثَّلَاثَةَ الْبُرَانُ فِي الْمَوْمِرِ دِقَارَعَةَ الظِّلِّ لِقِ وَالظِّلِّ -

تین قابل لعنت باتوں سے بچو۔ رفع حاجت کرنا اس جگہ جہاں آدمی پانی دیکھ کر ٹھہرتے ہوں۔ راستہ میں اور سائے میں۔

۱۷۔ مَرُوا صِبْيَانِكُمْ بِالصَّلَاةِ وَهَذَا بِنَاءُ سَبْعِ سِنِينَ وَافِرٌ بِهِمْ اَبْنَا عَشَرَ سِنِينَ -

اپنی اولاد کو سات برس کی عمر میں نماز کے لیے کہو اور دس برس کی عمر میں اس پر عمل نہ کرنے سے سزا کے طور پر انہیں مارو۔

۱۸۔ كُلُّ عَيْنٍ زَانِيَةٌ وَاِنَّ الْمَرَاةَ اِذَا سَتَّعَطَّرَ فَمَرَّتْ بِالْمَجْلِسِ فِيْهَا كَذَا وَاوَكَّذَا -

بد نظری بدکاری ہے جو عورت خوشبو لگا کر لوگوں میں پھرے وہ حرام کا رہے۔

۱۹۔ خذوا من الاعمال ما تطيقون -

اپنے ہی نیک کام کرو جتنے ہو سکیں۔

۲۰۔ احبب الاعمال الى الله اذومها وان قل -

خدا کو وہ نیک کام بڑے پسند ہیں جو ہمیشہ کیے جائیں اگرچہ چھوٹے ہی ہوں۔

ہوں۔

۲۱۔ اَطْعَمُوا الْجَائِعَ رَعَوِدُ وَالْمَرِيضَ -

بھوکے کو کھلاؤ اور بیمار کی غمخواری کرو۔

۲۲۔ كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَائِبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ -

دنیا میں مسافر کی مانند ہو یا تو راستہ چل رہا ہو۔

۲۳۔ اَكْثِرُوا هَادِمَ اللَّذَاتِ الْمَوْتِ -

موت جو لذتوں کو مٹانے والی ہے اُسے بہت یاد کرتے ہو۔

۲۴۔ اَلْبِسُوا مِنْ ثِيَابِكُمُ الْبَيَانَ فَإِنَّهُ مِنْ خَيْرِ ثِيَابِكُمْ -

سفید کپڑا تمام کپڑوں میں اچھا ہے۔ اسے ہی پہننا چاہیے جس میں سادگی ہو۔

۲۵۔ اذْكُرُوا مَحَاسِنَ مَوْتَاكُمْ وَكُفُّوا عَنِّمْ مَسَائِدِهِمْ -

مرے ہوؤں کی نیکیوں کو بیان کرو اور ان کی برائی سے رکو۔

آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی  
نجلیوں سے نفرت

## شیخ نجدی کون ہے؟

غیاث اللغات ص ۳۹۳ میں لکھا ہے :  
 شیخ نجدی شیطان کا لقب ہے، کفار مکہ نے جب حضور علیہ السلام کے قتل  
 کا مشورہ کیا تو اس میں شیطان ایک بوڑھے نجدی کی شکل میں آکر شریک مشورہ ہو گیا۔  
 ”پہن پر سیدند کہ کسیتی؟“  
 کفار مکہ نے جب پوچھا۔ ”تم کون ہو؟“  
 ”گفت کہ من قحیم از ملک نجد آمدہ ام۔“  
 تو شیطان بولا کہ میں شیخ ہوں، ملک نجد سے آیا ہوں۔ پھر شیطان خود  
 کہنے لگا۔

”و دریں مشورہ با شما شریکیم۔“  
 قتل کے اس مشورہ میں تمہارے ساتھ برابر کا شریک ہوں۔  
 معلوم ہوا کہ نجدی حضور کے برخلاف تھے۔ اسی لیے شیطان نے اس گروہ  
 اور اس سر زمین کا نام لیا جس کی نسبت کفار کو یقین تھا کہ نجدی لوگ ہمارے  
 ساکتی ہیں۔  
 معلوم ہوا کہ نجد کے ساتھ شیطان کا گہرا تعلق ہے اس تعلق کی نشان دہی خود منجبر صلو  
 علی اللہ علیہ وسلم نے فرمادی تھی۔

هناك الزلازل والفتن وبها يطلع قرن الشيطان  
 وہاں (نجد میں) زلزلے اور فتنے ہوں گے اور وہیں سے شیطان کا  
 سینک نکلے گا۔

یہی وجہ تھی کہ حضور نے نجد کے حق میں دعائے خیر نہ فرمائی تھی۔  
 صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ووقع

کما اخبر

## نجد کہاں واقع ہے؟

نجد، عرب میں ایک ملک کا نام ہے۔ مجمع البحار میں لکھا ہے۔  
 هو اسم خاص لمادون الحجاز مما يلي العراق  
 ما سوائے حجاز کو، جو عراق سے متصل ہے، نجد کہتے ہیں۔  
 معلوم ہوا کہ عراق اور نجد مختلف ہیں۔ عراق اور ہے اور نجد اور دونوں  
 ایک نہیں۔ ہاں نجد عراق سے متصل ضرور ہے۔

حافظ ابن حجر فتح الباری ص ۵۲۲ پ ۲۹ میں بحوالہ خطابی لکھتے ہیں:  
 اصل النجد ما ارتفع من الارض وهو خلافت الغور فانه ما  
 انخفض منها وتهامة كلها من الغور ومكة من تهامة۔  
 'نجد' اصل میں بلند جگہ کو کہتے ہیں اور وہ 'غور' کی ضد ہے۔ غور پست جگہ کو  
 کہتے ہیں۔ اور تہامہ سب کا سب غور سے ہے اور مکہ تہامہ سے ہے۔  
 اس عبارت سے معلوم ہوا کہ تہامہ، نجد نہیں بلکہ غور ہے اور مکہ بھی تہامہ  
 سے ہے۔

لیکن مولوی ابراہیم صاحب سیالکوٹی نے اپنی رسالہ "آنحضرت کی نجدیوں  
 سے محبت" میں تہامہ کو بھی نجد میں داخل کیا ہے۔ اسی طرح ایڈیٹر آل حدیث لائبریری  
 نے بھی تہامہ اور یمن کو داخل نجد سمجھا ہے۔ یہ دونوں باتیں صحیح نہیں۔ کیوں کہ رسول  
 کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یمن و شام کے لیے دعا فرمائی تو ایک نجدی نے  
 کہا تھا۔

'دنی نجدنا' اور ہمارے نجد کے حق میں بھی دعا فرمائیے! تو اس کے جواب  
 میں حضور فرمادیتے کہ یمن و شام بھی تو نجد ہے۔ جب یمن و شام کے لیے دعا  
 کرتا ہوں تو نجد کے لیے بھی دعا ہوگئی۔

اگر فی الواقع حجاز کے ماسوا، سب نجد تھا تو آپ صرف نجد کے لیے دعا

فرمادیتے تو سب ملک اسی میں آجاتا۔ حالانکہ کہ حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ آپ نے یمن و شام کے لیے دعا فرمائی، لیکن نجد کے لیے نہیں۔

## عراق اور تھامہ، نجد میں داخل نہیں

### غیاث اللغات

نجد نام ملکہ از عرب میان حجاز و عراق و میان بصرہ و مکہ کہ زمین آن بلند است بہ نسبت یمامہ و حجاز،

نجد عرب کے ایک ملک کا نام ہے، جو حجاز و عراق اور بصرہ و مکہ کے درمیان ہے۔ اور یمامہ و حجاز کی نسبت اس کی زمین بلند ہے۔ معلوم ہوا کہ نجد، عراق نہیں ہے۔

### منتہی الارب

نجد بالفتح زمین بلند۔ انجدا کافلس و نچار ک کتاب و نجد اکتب جمع راہ روشن بربالا۔

واز بلاد عرب و آن چہ بر خلاف غور است کہ تھامہ باشد و گاہے چیم راضمہ دہندہ۔

اعلائے نجد تھامہ و یمن است و اسفل آن عراق و شام و اول آن از جانب حجاز ذات عرق۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ تھامہ نجد میں سے نہیں۔ اس کی ایک طرف تھامہ و یمن ہے اور دوسری طرف عراق و شام۔ یعنی تھامہ، یمن، شام، حجاز اور عرق سب کے سب نجد میں سے نہیں۔ ان تمام ملکوں سے نجد الگ ہے جو آج کل سعودی عرب کا صوبہ ہے۔



## قاموس

النجد ما اشرف من الارض والطريق الواضح المرتفع وما  
خالف الغور وبضم جيم مذاكر اعلاه تهامه واليمن و  
اسفله العراق والشام وادنه من جهة الجاز ذات عراق -

اس عبارت کا مطلب وہی ہے جو غنتی الارب کا ہے۔

خود صاحب قاموس نجد کی تعریف میں -

ما خالف الغور یعنی تھامہ کتنا ہے۔

یعنی نجد وہ ہے جو تھامہ کے خلاف ہے اور تھامہ غور ہے۔

پھر اعلاہ تھامہ سے یہ سمجھتا کہ تھامہ بھی نجد ہے۔ اور اسفله العراق

سے عراق کو بھی داخل نجد سمجھنا۔ توجیہ القول بما لا یرضی بہ قائلہ کے

قبیل سے ہے۔

پس معلوم ہوا کہ تھامہ اور عراق نجد ہیں داخل نہیں۔ نجد ان دونوں سے

الگ ہے۔

## صراح

”نجد ایضاً من بلاد العرب وهو خالف الغور والغور

هو تھامہ وكل ما ارتفع من تھامہ الى ارض العراق

نہو نجد -

نجد بلاد عرب سے ہے اور وہ غور کے خلاف ہے اور غور تھامہ ہے۔

تھامہ سے لے کر عراق تک جو زمین اونچی ہے وہ نجد ہے۔

صاحب صراح نے صاف ظاہر کر دیا کہ تھامہ سے لے کر عراق تک جو اونچی

زمین ہے، وہ نجد ہے، معلوم ہوا کہ تھامہ اور عراق نجد نہیں۔

## نواب صدیق حسن بھوپالوی

اپنی کتاب ہدیۃ المسائل کے ص ۱۲۳ میں لغات کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔  
 "مراد در این جا نجد، بلاد عرب ما دون حجاز متصل عراق است  
 محمد بن عبد الوہاب نجدی ہما جا بود۔"

اس جگہ نجد سے مراد عرب کا وہ علاقہ ہے جو ما سوائے حجاز کے عراق سے  
 متصل ہے۔ محمد بن عبد الوہاب نجدی اسی جگہ کا تھا۔

## اپنے گھری گواہی تو مان جائیے

نواب صدیق حسن بھوپالوی جو کہ وہابیوں کے لیے نزل الابرار اور ہدیۃ المسائل  
 جیسی کتابیں مرتب کرنے والے ہیں۔ وہ خود کہہ رہے ہیں کہ نجد اور عراق دو الگ  
 ملک ہیں۔ نجد کا جو حصہ عراق سے متصل ہے، محمد بن عبد الوہاب اسی جگہ کا تھا۔

## حضور علیہ السلام کا فیصلہ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا میقات، اہل نجد کے لیے قرن منازل  
 مقرر فرمایا (دیکھئے بخاری شریف) اہل یمن کے لیے یلم، اہل شام کے لیے حنہ اور  
 اہل مدینہ کے لیے ذوالحلیفہ۔

اور دارقطنی میں ہے۔

اہل عراق کے لیے ذات عرق کو حج کا میقات مقرر فرمایا۔

معلوم ہوا کہ نجد، الگ ملک ہے جس کا میقات بھی الگ مقرر فرمایا گیا۔ اگر

عراق بھی نجد ہی ہوتا تو عراق کا میقات الگ مقرر نہ کیا جاتا۔

## حدیث قرن شیطان

جو لوگ حدیث قرن شیطان میں نجد سے مراد عراق لیتے ہیں ان کو لازم ہے

کہ عراق کے کسی قبیلہ مضر یا ربیعہ سے ثابت کریں۔ کیونکہ بخاری کی حدیث میں 'بنی ربیعہ و مضر' آیا ہے۔ کہ وہ قرن شیطان ربیعہ اور مضر کے لوگوں میں ہوگا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ محمد بن عبدالوہاب نجدی اور ابن سعود دونوں قبیلہ مضر سے ہیں۔ ان دونوں کے سوا حدیث کا مصداق اور کون ہو سکتا ہے۔

### جب یہ ثابت ہو چکا

کہ یمن اور عراق، نجد نہیں ہیں تو اب یمن کی تعریف میں احادیث کا پیش کرنا ابن سعود کے حق میں مفید نہیں۔ کیونکہ ابن سعود یمنی نہیں اور عراق کی تعریف میں احادیث پیش کرنا محمد بن عبدالوہاب کے حق میں مفید نہیں۔ کیوں کہ وہ عراقی نہ تھا۔

### ابن سعود قبیلہ مضر سے ہے یا تمیم سے؟

عامیان ابن سعود اڑھائی چوٹی کا زور لگا کر ابن سعود کو قبیلہ بنی تمیم سے ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بنی تمیم سے محبت رکھنا ضروری ہے۔ میں کہتا ہوں کہ نواب صدیق حسن بدیع المسائل ص ۱۱۴ میں لکھتے ہیں۔ "محمد بن عبدالوہاب بن سلیمان... از مضر یا از بنی تمیم است" نواب صاحب نے محمد بن عبدالوہاب کو قبیلہ مضر سے یا بنی تمیم سے لکھا ہے۔ اب ملاحظہ فرمائیے یہ دونوں قبیلے حدیث اور تاریخ کی روشنی میں۔

### قبیلہ مضر

قبیلہ مضر کے متعلق بخاری شریف میں حدیث ہے کہ حضور مضر کے بارے میں بددعا فرمایا کرتے تھے۔

اللہم اشد وطاقت علی مضر واجعلہا علیہم سنین

کسنی یوسف (بخاری پہلا)

اور حدیث میں آیا ہے۔

اهل المشرق يومئذ من مضر مخالفون له

قبیلہ مضر سے اہل مشرق کے لوگ، ان دنوں حضور کے مخالف تھے۔

پس اگر یہ نجدی قبیلہ مضر سے ہے تو مضر کو اس حدیث میں اہل مشرق فرمایا

کیا اور اسی قبیلہ کو حضور کا مخالف کہا گیا معلوم ہوا کہ یہ قبیلہ شروع سے رسول کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کا مخالف رہا اور اسی کو اہل مشرق فرمایا گیا۔ پھر اسی مشرق کی جانب

اشارہ کر کے فرمایا گیا۔

الفتنة هاهنا فتنة و هي ہوگا۔ اور اسی کے متعلق فرمایا۔

رأس الكفر المشرق كفر كما سر غنة مشرق ہے۔ کیا اب بھی شک باقی رہا

کہ ابن سعود اور اس کے آباد حدیث قرن شیطان کے مصداق نہیں۔

## حدیث کے الفاظ

بخاری شریف کے پارہ ۱۳ میں حدیث قرن شیطان اس طرح آئی ہے۔

حيث يطلع قرن الشيطان في ربيعة ومضر

یعنی قرن شیطان ربيعة اور مضر کے لوگوں سے نکلے گا۔

پس قبوں کو گرانے والے، رسول کے دربار سے ہٹانے والے بات بات

پر مسلمانوں کو مشرک بنانے والے، اور مسلمانوں کے خون کو بے دریغ بہانے

والے ابن سعود اور اس کے حواری بھی قبیلہ مضر سے ہیں۔

فَوَقَّعَ كَمَا أَخْبَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

## قبیلہ مضر کی رسول دشمنی

قبیلہ مضر کے لوگ قدیم سے ہی لوگوں کو رسول پاک کی حاضری سے روکا

کرتے تھے۔ چنانچہ بخاری شریف پ اپنی حدیث وفد عبد القیس آئی ہے اس وفد نے حضور کی خدمت میں عرض کیا کہ ہم آپ تک بڑی ہی وقت سے پہنچے ہیں کیونکہ  
 بیننا و بینک هذا الحی من کفار مضر  
 آپ کے اور ہمارے درمیان کفار مضر ہیں۔

### قبیلہ بنی تمیم

ابن عبد الوہاب ابن سعود کو اگر قبیلہ بنی تمیم سے کہا جائے تو ملاحظہ فرمائیے کہ۔

### قبیلہ بنی تمیم، مضر ہی کی تہذیب ہیں

حافظ ابن حجر فتح الباری ص ۱۷۲ میں فرماتے ہیں۔

ان الذین ذکر وافی مقابلہم و ہر تمیم و اسد عطفان

و ہوازن جمیعہم من مضر بالاتفاق۔

جن لوگوں کا ان کے مقابلہ میں ذکر ہوا ہے یعنی تمیم، اسد عطفان، اور ہوازن

یہ سب کے سب بالاتفاق قبیلہ مضر سے ہیں۔

معلوم ہوا کہ تمیم بالاتفاق قبیلہ مضر سے ہیں۔ لہذا ابن عبد الوہاب اور ابن سعود

کا تمیمی ہونا بھی ان کا قبیلہ مضر سے ہونا ہے۔ نطف کی بات تو یہ ہے کہ حدیث

میں قرنا الشیطان آیا ہے۔ قرمان تثنیہ ہے۔ اضمات کی وجہ سے نون سا قاط

ہوا ہے، جس کا معنی ہے شیطان کے دو سینگ، جو کہ ابن عبد الوہاب اور ابن

سعود ہی ہیں۔

### بنو تمیم گستاخ اور بے عقل تھے۔

وہ بنو تمیم ہی تو تھے جن کو خدا نے فرمایا۔

اکثر ہولاً یعقلون۔

ان کی اکثریت بے عقل ہے۔

حافظ ابن حجر فتح الباری پ ۲ ص ۳۳۹ میں فرماتے ہیں کہ آیت:

ان الذین ینادونک من وراء الحجرات الخردی الطبری عن

طریق مجاہد قال هو اعراب بنی تمیم،

طبری نے روایت کیا ہے، مجاہد کہتے ہیں کہ یہ آیت بنو تمیم کے اعراب کے

حق میں ہے۔

فتح الباری کے ص ۳۳۸ میں ہے۔

قال ابن عطیة الصحیح ان سبب نزول هذه الآية كلام

جفاة الاعراب وجفاة الاعراب الذین نزلت فیہم هو

من بنی تمیم

ابن عطیہ نے کہا کہ صحیح یہی ہے کہ آیت کے نزول کا سبب جفاة الاعراب

کا کلام ہے۔ اور ظالم بدوی جن کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی وہ بنو تمیم تھے۔

معلوم ہوا کہ بنو تمیم میں سے کچھ لوگ ایسے تھے جو آداب رسول صلی اللہ علیہ

وسلم سے ناواقف تھے۔ اسی وجہ سے انہوں نے حضور کا ادب نہ کیا تو اللہ تعالیٰ

نے فرمایا۔

اکثرھم لا یعقلون

بنو تمیم کی بے ادبی اور گستاخی ابن عبد الوہاب اور ابن سعود کو ورثہ

میں منتقل ہوئی۔

بنو تمیم نے رسول پاک کو ناراض کیا

صحیح بخاری میں ایک حدیث ہے۔

جاء نفر من بنی تمیم الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال

یا بنی تمیم البشر داء فقالوا البشر تنافنا عن ادنی رواية

موتین افتخیر وجہہ فجاءہ اهل الیمن فقال یا اهل الیمن

اقبلوا البشری اذلو یقبلها بنو تمیم قالوا اقبلنا -

بنو تمیم کی ایک جماعت حضور کی بارگاہ میں آئی۔ تو حضور نے فرمایا۔ اے بنو تمیم خوش ہو جاؤ، انہوں نے کہا، آپ نے بشارت تو دی پس ہمیں کچھ دوا ایک روایت میں دوبارہ کا لفظ آیا ہے، تو آپ کا چہرہ متغیر ہو گیا۔

پھر یمن کے لوگ آئے تو آپ نے فرمایا۔ اے اہل یمن! خوش خبری قبول کرو۔ بنو تمیم نے اس کو قبول نہیں کیا۔ اہل یمن نے عرض کیا کہ ہم نے قبول کی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور نے بنو تمیم کو بشارت دینا چاہی لیکن انہوں نے قبول نہ کی۔ تو حضور ناراض ہو گئے اور اہل یمن نے وہ بشارت قبول کر لی۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ اہل یمن بنو تمیم نہیں۔

پس اگر ابن سعود نجدی بنو تمیم سے ہے تو صاف ظاہر ہے کہ وہ اہل یمن سے نہیں۔ کیونکہ اس حدیث میں اہل یمن اور بنو تمیم کو الگ الگ بیان کیا گیا ہے۔ لہذا جو حدیثیں اہل یمن کی فضیلت میں آئی ہیں وہ ابن سعود پر کیسے منطبق ہو سکتی ہیں؛ البتہ وہ بنو تمیم کی اس جماعت سے منسوب ہے جس نے رسول پاک کو "اعدل" کہا تھا۔

حضور کو "اعدل" کہنے والا کون تھا؟

بخاری شریف کی وہ حدیث جس میں ایک شخص نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا تھا۔

اعدل - الفصاف کیجئے۔

تو حضرت عمر نے حضور سے اجازت چاہی تھی کہ یہ شخص گستاخ ہے مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کو قتل کر ڈالوں،

تو حضور نے فرمایا تھا۔

اے عمر! اس کو چھوڑو۔ اس کی نسل سے ایسے لوگ ہوں گے کہ تم اپنی نمازوں اور روزوں کو ان کے آگے حقیر سمجھو گے۔

وہ لوگ دین سے ایسے لکھے ہوں گے جیسے کہ تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔ وہ گستاخ انسان جس نے حضور کی گستاخی کی تھی اور حضرت عمر نے اس کے قتل کی اجازت چاہی تھی، بخاری کی حدیث میں تصریح موجود ہے کہ وہ شخص بنو تمیم میں سے تھا۔

معلوم ہوا کہ بنو تمیم میں شروع سے ہی ترکِ ادب تھا۔

### بنو تمیم کے حق میں

ابو القاسم تبارسی نے اہل حدیث ۳۲ نومبر ۱۹۲۵ء میں لکھا ہے۔

”بنو تمیم قوم رسول اللہ ہیں اور بنو تمیم اولادِ اسماعیل ہیں۔“

میں کہتا ہوں کہ بالکل بجا ہے کہ بنو تمیم، مضر سے ہیں اور مضر اور ریبیعہ بلیک اولادِ اسماعیل ہیں۔ لیکن حضور نے جس ”قرنِ شیطان“ کے ظہور کی خبر دی تھی وہ بھی قبیلہ ریبیعہ اور مضر سے ہی نمودار ہونا تھا چنانچہ وہ ہو کر رہا صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

البتہ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ریبیعہ و مضر کا اولادِ اسماعیل ہونا مفق علیہ ہے البتہ یمن کا بنی اسماعیل سے ہونا مختلف فیہ ہے (دیکھو فتح الباری) تو اس سے بھی معلوم ہوا کہ ابن سعود یمنی نہ تھا بلکہ تمیمی نجدی تھا۔ چونکہ حامیان ابن سعود کو بنو تمیم اور اولادِ اسماعیل سے مانتے ہیں اس لیے ثابت ہوا کہ وہ یمن کا باشندہ نہ تھا۔

اور شیخ ابی صبح بخاری ۱۲۷۱ھ میں حضور نے قبیلہ حمینہ، مزینہ، اسلم اور غفار کے بارے میں فرمایا۔



ہو خیر من بنی تمیم و من بنی اسد  
 کہ بنو تمیم اور بنو اسد سے (جہنمیہ، مزنیہ، اسلم اور غفار کے لوگ) بہتر ہیں۔  
 ابن حجر فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ حضور کے اس ارشاد کا مفہوم آپ کے  
 وصال کے بعد ظاہر ہو گیا کہ قبیلہ بنو تمیم کے لوگ سحاح کے ساتھ مرتد ہو گئے۔  
 علامہ عینی ج ۴ ص ۲۱ میں فرماتے ہیں۔

وارتدات عامة بنی تمیم  
 بنو تمیم کی اکثریت مرتد ہو گئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نجدیوں سے نفرت

آخر میں ہم فتح الباری پ ۱ ص ۱۸ سے ایک حدیث نقل کرتے ہیں۔  
 ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لعینہ بن حصین ای  
 الرجال خیر؟ قال اهل نجد۔ قال کذبت بل هم اهل اليمن  
 حضور علیہ السلام نے عینیہ بن حصین سے دریافت فرمایا کہ کون لوگ بہتر  
 ہیں۔ اس نے عرض کیا اہل نجد۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے جھوٹ کہا وہ (بہتر) اہل  
 یمن ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یمنی، نجدی نہیں اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ اہل  
 نجد بہتر نہیں۔ بلکہ جس نے بہتر کہا حضور نے اسے فرمایا کذبت۔ تم نے جھوٹ کہا۔  
 آج بھی جو لوگ نجدیوں کی تعریفوں میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتے ہیں  
 ہم انہیں بھی کہیں گے، تم جھوٹ کہتے ہو کیونکہ جنتیں رسول خدا فرمائیں کہ بہتر نہیں  
 وہ لوگ کس طرح بہتر ہو سکتے ہیں۔

قابل غور

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ رسول کریم سائل کا سوال رد نہ فرمایا کرتے

تھے، مگر جیب نجدی نے تین دفعہ نجد کے حق میں دعا کا سوال کیا تو حضور نے انکار فرمایا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور کو نجدیوں سے نفرت تھی، حالات نے ثابت کر دیا ہے کہ حضور نے نجدیوں سے نفرت کیوں فرمائی؟ وہ کون لوگ تھے جنہوں نے مکہ اور مدینہ پر لشکر کشی کی؟ وہ کون تھے جنہوں نے روضہ رسول پاک کو صنم اکبر کہا؟ وہ کون تھے جنہوں نے اکابر صحابہ و اہل بیت کے مزارات کو پامال کیا؟

## ایک علامت

اس قوم کی ایک علامت حضور نے بیان فرمائی ہے۔ فتح الباری پ ۴۵ میں ہے۔

یقتتلون اهل الاسلام و یباعدون اهل الاوثان  
وہ مسلمانوں کے ساتھ تو جنگ تو کریں گے لیکن بت پرستوں کو چھوڑ دینگے۔  
اہل نظر انصاف کریں کہ وہ نجدی ہی تو تھے، جنہوں نے مسلمانوں کے خون کو بے دریغ بہایا اور انگریزوں سے صلح رکھی۔

اللہم خرب دیار نجدیین و شنت شملہم و خرق جمعہم  
و طہر ارض الحرمین الشریفین عن نجاسة اقدامہم  
امین یا رب العالمین

إِبَاحَةُ السَّلَفِ النَّاءِ  
عَلَى قُبُورِ الْمُشَاحِخِ وَالْعُلَمَاءِ

اولیاء اور علماء کے مزارات  
پر قبے بنانے کے جواز میں



الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِهِ مُحَمَّدٍ  
وَالِهِ وَآصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ۔

اها بعد فقیر الیوسف محمد شریف حنفی نقشبندی کوٹلوی اہل اسلام کی خدمت  
میں عرض کرتا ہے کہ مکہ معظمہ میں جیب سے نجدیوں نے مزارات محترمہ و مساجد  
مترکہ و دیگر متبرک مقامات کی بے حرمتی کی، قتبے گرائے اور قتل و غارت سے زمین حرم  
کو پامال کیا ہے۔ اسلامی دنیا میں ایک شور عظیم پیدا ہوا ہے۔ ملک نے اس کام کو  
حقارت کی نظر سے دیکھا اور جا بجا نجدیوں کی مخالفت میں جلسے ہوئے۔ ریزولوشن  
پاس ہوئے۔ مگر وہ لوگ جو اس حادثہ فاجحہ سے پہلے نجدیوں سے اپنی بریت ظاہر  
کیا کرتے تھے۔ ان کو مقلد مذہب جنسلی کہہ کر خفیہ کرام کے چازاد بھائی سمجھتے تھے۔  
اور ان کے مزاج کی شدت اور ان کے قتل بے گناہ وغیرہ افعال کو بری نگاہ سے  
دیکھتے تھے۔ آج ان کو موحد متبع سنت مان کر ان کے غلبہ پر غلیں بجاتے اور  
خوشیاں مناتے ہیں اور ان کے ہر ایک کام کو موافق سنت سمجھ کر ان کی حمایت و  
امداد میں کسی صورت میں اختیار کرتے ہیں۔ کوئی تو ان مشاہد و مزارات و مساجد کو جو ابن

۱۔ دیکھو اخبار المحدثین ۱۸ جنوری ۱۹۰۴ء ص ۵ و ۳ مئی ۱۹۰۴ء ص ۳ و ۲۸ دسمبر ۱۹۰۶ء ص ۹

۲۸ اپریل ۱۹۲۲ء و ۲۸ مارچ ۱۹۲۷ء میں لکھتا ہے ہمارے نزدیک جیسے حنفی ویسے

نجدی۔ ۲۶ ستمبر ۱۹۲۷ء میں لکھتا ہے ہر ہم نجدی غیر مقلد تک نہیں ہم جنسلی ہیں ۲۸ مارچ ۱۹۲۷ء میں ابو القاسم بناری

لکھتا ہے فرقہ دہلیہ قدیم زمانہ خارجیوں کا ایک فرقہ تھا۔ نواب صدیق حسن بھی ترجمان دہلیہ میں ایسا ہی اپنی بریت

ظاہر کرتا ہے۔ ۱۰ دیکھو ہدایت السائل مؤلفہ صدیق حسن ص ۱۱۲ منہ ۳ دیکھو اہل حدیث ۲۰ نومبر ۱۹۲۵ء ص ۳ اور تحریک  
دہلیت ص ۱۲ منہ۔

سعود نے گرائی ہیں۔ فرضی قرار دینے پر زور لگانا ہے۔ کوئی مکہ فنڈ کھول کر جذبہ جمع کر کے اس کے ظلم میں امداد دیتا ہے کوئی قبوں کے گرانے کے ثبوت میں مضامین لکھ رہا ہے۔ کوئی قبوں کے بنانے کی ممانعت میں اشتہار اور رسالے شائع کر رہا ہے۔ کوئی دعائیں مانگ رہا ہے کہ ابن سعود ہندوستان بھی آئے اور آکر وہی مظالم شروع کرے۔ عرض ایڑھی چوٹی تک اس کی امداد میں زور لگا رہے ہیں۔ مگر افسوس کہ قتل بے گناہ، لوٹ مار، ہدم مساجد و ہدم قبہ مولد النبی علیہ السلام کے جواز پر کسی صاحب نے کچھ نہیں لکھا۔ اگر ابن سعود کی امداد کا بیڑا اٹھایا تھا تو اس کا دامن ان آلودگیوں سے بھی پاک کرنا لازم تھا۔ جیسا کہ ہدم مقابر میں اس کو حق بجانب سمجھا گیا۔ یا اظہار اللہ حق اس کے ان افعال پر پلامت کرتے مگر ایسا نہیں کیا گیا۔ جس سے ہو سکا اس نے صرف مزارات صلحاء کے قبوں کے گرانے پر ہی زور دیا اور ابن سعود کے اس فعل کو کبھی تو اس کے لشکر کا فعل سمجھ کر اس کو برمی کیا گیا۔ کبھی قبوں کو مندر سو منات سے تشبیہ دے کر گرانے کو عین اتباع سنت سمجھ کر ابن سعود کو معذور سمجھا گیا۔ مگر افسوس ان مدعیان سنت نے یہ نہ سوچا کہ ابن سعود نے اپنے اس فعل میں کتنی احادیث صحیحہ کا خلاف کیا ہے۔

پہلی حدیث

يَا عَائِشَةُ لَوْلَا أَنَّ تَوْمَكَ حَدِيثُ عَهْدٍ بِجَاهِلِيَّةٍ لَأَمَرْتُ  
بِالْبَيْتِ فَهَدِمَ مَا دَخَلَتْ فِيهِ مَا أُخْرِجَ مِنْهُ وَالزَّقْتُ  
بِالْأَرْضِ وَجَعَلْتُ لَهُ بَابَيْنِ بَابًا شَرِيفًا وَبَابًا غَرِيبًا.

(بخاری شریف پ ۲۵۱ ص ۱۰)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا کہ اے عائشہ اگر تیری قوم زمانہ جاہلیت کے قریب نہ ہوتی تو میں بیت اللہ شریف کے گرانے کا حکم دیتا اور گرایا جاتا اور جو زمین اس سے نکالی گئی اس کو اس میں داخل کرتا اور زمین کے ساتھ اس کو اس کے دروازہ کو لپٹ کرتا، ملا دیتا اور اس کے

دروازے کر دیتا۔ ایک دروازہ شرقی دوسرا غربی۔  
 دیکھو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال مبارک تھا کہ مکہ معظمہ گر کر وہ جگہ کہ خارج  
 کی گئی ہے، یعنی حطیم اس کو داخل بیت کیا جاوے اور دروازہ زمین کے قریب  
 لگے اور دو دروازے ہوں ایک شرقی دوسرا غربی۔ لیکن حضور علیہ السلام نے  
 اس لیے یہ کام نہ کیا کہ قوم کے خیالات نہ بگڑ جائیں اور یہ خیال نہ کریں کہ ایسا  
 رسول آیا ہے جس نے خدا کے گھر کو ڈھا دیا ہے یا اس کو اس کے بنانے میں  
 اپنے فخر کا خیال ہے۔

حافظ ابن حجر فتح الباری صفحہ ۲۰۲ جلد ۲ میں لکھتے ہیں۔

فِيهِ اجْتِنَابُ رَأْيِ الْأَمْرِ مَا يَتَسَرَّعُ النَّاسُ إِلَى انْكَارِهِ وَمَا يَخْشَى  
 مِنْهُ تَوَلُّدُ الضَّرْرِ عَلَيْهِمْ فِي دِينٍ أَوْ دُنْيَا۔

کہ اس حدیث میں دلیل ہے کہ حاکم ایسے امر کے کرنے میں پرہیز کرے جس  
 کے انکار پر لوگ جلدی کریں اور جس سے ان کے دین اور دنیا میں ان پر ضرر پیدا ہونے  
 کا خوف ہو۔

پس اگر ابن سعود کے مذہب میں قبۃ جات کا گرانا ہی ضروری تھا تو اتنی جلدی  
 کیا تھی۔ ایسے موقعہ میں جہاں قوم میں کسی مفسدہ کے پیدا ہونے کا احتمال ہو وہاں  
 ایسے امور کا ترک ہی اتباع سنت ہے۔ لیکن اس لئے تو یہی سوچا کہ میں شاید کس  
 وقت حرمین شریفین سے نکالا جاؤں۔ سب سے پہلے جو مجھ سے بے ادبی ہو  
 سکے کر لوں۔ فَاَنَا لِلَّهِ وَاَنَا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

دوسری حدیث

لَنْ يَسْتَحِلَّ هَذَا الْبَيْتَ إِلَّا أَهْلُهُ فَإِذَا اسْتَحَلُّوهُ فَلَا تَسَلُّ  
 عَنْ هَلَكَةِ الْعَرَبِ تَوَجَّحِي الْحُبْشَةَ فَيُخْرِجُونَ خَرَابًا لَا  
 يَعْمُرُ بَعْدَآءَ أَبَدًا (مسند احمد)

بیت اللہ شریف (کے حرم شریف) کو اہل قبلہ ہی حلال کریں گے پس

جب حلال کریں گے اس کو تو نہ پوچھو عرب کی ہلاکت سے پھر جیستی آویں گے اور اس کو ایسا خراب کریں گے کہ اس کے بعد وہ تعمیر ہی نہیں ہوگا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مکہ شریف کی بے حرمتی کرنے والے اہل قبلہ ہی ہوں گے تو ابن سعود کا اہل قبلہ ہونا کیا مفید ہو سکتا ہے۔ اگر ابن سعود اس حدیث کو نیاں میں لانا تو ہرگز بیت اللہ شریف کی بے حرمتی پر مستعد نہ ہوتا۔

تیسری حدیث

لَوْ جِلَّ الْقِتَالُ فِيهِ لِأَحَدٍ قَبْلِيَّ وَلَوْ جِلَّ لِي إِلسَاعَةً مِنْ  
ذَهَابِهِ وَحَرَامٌ بِجُرْمَةِ اللَّهِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔

(صحیح بخاری جزو ۱، صفحہ ۷۴)

حضور نے فرمایا کہ مکہ معظمہ میں مجھ سے پہلے کسی کو جنگ کی اجازت نہیں ہوئی اور میرے لیے بھی ایک ساعت دن میں سے لڑائی حلال ہوئی۔ اور وہ مکہ قیامت تک اللہ تعالیٰ کی حرمت سے حرام ہے۔

ابن سعود نے اس حدیث کا بھی خلاف کیا۔ مکہ شریف جس کو قیامت تک رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام فرمایا اس نے اس کی حرمت کو توڑا۔

چوتھی حدیث

لَا يَجِلُّ لِأَحَدٍ كُرْآنٌ يَحْمِلُ بِكَلَّةِ السَّلَاحِ

(رواہ مسلم ص ۲۳۹ مشکوٰۃ ص ۲۳)

مشکوٰۃ ص ۲۳

کسی آدمی کو حلال نہیں کہ مکہ شریف پر ہتھیار اٹھاوے۔ ابن سعود نے اس حدیث کا بھی خلاف کیا۔ کہ اس نے مکہ معظمہ پر ہتھیار اٹھائے فالی اللہ المشتکی۔

پانچویں حدیث

إِنِّي حَرَّمْتُ الْمَدَائِنَةَ حَرَامًا مَا بَيْنَ مَارْمِيهَا أَنْ لَا يَهْرَبَنَّ  
فِيهَا دَمٌ وَلَا يَحْمَلُ فِيهَا سَلَاحٌ يُقْتَالُ وَلَا تُحْبَطُ فِيهَا شَجَرَةٌ

الْأَعْلَفِ (مسلم ص ۲۲۳ جلد ۱)

حضور نے فرمایا کہ میں نے مدینہ کو حرام کیا اس کے دونوں پہاڑوں کے درمیان اس میں کوئی خونریزی نہ کی جائے۔ کوئی ہتھیار نہ اٹھایا جائے۔ کوئی درخت نہ جھاڑا جائے مگر واسطے چارے کے۔

ابن سعود نے اس حدیث کا بھی خلاف کیا کہ مدینہ شریف میں خونریزی کی ہتھیار اٹھائے۔ محاصرہ کیا۔

چھٹی حدیث

لَا يَكِيدُ أَهْلَ الْمَدِينَةِ أَحَدٌ إِلَّا انْمَاعَ كَمَا يَنْمَاعُ الْمَلْحُ فِي الْمَاءِ

(بخاری ص ۲۵۲)

فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مدینہ شریف والوں کے ساتھ جو شخص برا ارادہ کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ اس طرح کا لیکا جس طرح نمک پانے میں گل جاتا ہے۔

ساتویں حدیث

مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِهَا سُوءًا إِذَا بَهُ اللَّهُ كَمَا يَذُوبُ الْمَلْحُ فِي الْمَاءِ

(مسلم ص ۲۲۵)

جو شخص مدینہ والوں کے ساتھ برا ارادہ کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ ایسا گلوائے گا جس طرح نمک پانی میں گل جاتا ہے۔

ابن سعود نے ان دونوں حدیثوں کا بھی خلاف کیا اور کچھ پرواہ نہ کی۔ محاصرہ کر کے اہل مدینہ پر آنا جانا کھانا وغیرہ بند کر دیا جس سے وہ لوگ نہایت تنگ ہوئے اور انہوں نے اپنی تنگی اور تکالیف کی ہندوستان میں تاریخیں بھیجیں مگر اس موخداہد قبیح سنت نے ان لوگوں کو تکلیف پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔

آٹھویں حدیث

مَنْ أَخَافَ أَهْلَ الْمَدِينَةِ ظَالِمًا لَهُمْ أَخَافَهُ اللَّهُ وَكَانَتْ



عَلَيْهِ لَعْنَةُ اللَّهِ - نسائی شریف فتح الباری پک صفحہ ۲۳۵  
 فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص اہل مدینہ کو ڈرائے۔ در آنحال کہ ان  
 پر ظلم کرنے والا ہو۔ اللہ تعالیٰ اس کو ڈراتا ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوگی۔  
 ابن سعود نے اس حدیث کا بھی خلاف کیا ہے۔ چونکہ رسول کریم صلی اللہ  
 علیہ وسلم نے ایسے فعل والے پر لعنت کی ہے۔ اس لیے بعض اخبارات نے  
 بھی اس پر ایسے ایسے الفاظ استعمال کیے ہیں۔

### نویں حدیث

أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَدُوا أَنَّ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ  
 وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ فَإِذَا  
 فَعَلُوا ذَلِكَ عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ لَابِحًا إِلَّا حَقَّ الْأَسْلَمِ  
 وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللَّهِ (متفق علیہ)

فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے لوگوں کے ساتھ لڑانی کرنے کا امر کیا  
 گیا ہے یہاں تک کہ وہ گواہی دیں کہ کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے اور محمد صلی اللہ  
 علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں پس جب انہوں نے  
 ایسا کیا تو انہوں نے مجھ سے اپنا خون اور مال بچا لیا مگر اسلامی حق کے ساتھ اور  
 حساب ان کا اللہ پر ہے۔

اس حدیث کی رو سے مکہ و مدینہ کے رہنے والوں سے بلکہ کسی مسلمان کے  
 ساتھ جو نماز پڑھتا ہو۔ زکوٰۃ دیتا ہو۔ لڑانی کرنے کی اجازت نہیں تو ابن سعود نے مسلمانوں  
 پر چڑھائی کر کے اس حدیث کا خلاف کیا۔

### دسویں حدیث

مَنْ صَلَّى صَلَاتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَآكَلَ ذَيْمَتَنَا فَذَلِكَ الْمُسْلِمُ  
 الدَّائِمِيُّ لَهُ ذِمَّةُ اللَّهِ وَرَسُولِهِ. (مشکوٰۃ)

فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص ہماری نماز پڑھے اور ہمارے قبلہ کی

طرف منہ کرے اور ہمارا زچہ کھالے روہ ایسا مسلمان ہے جو اللہ اور اس کے رسول کی پناہ میں ہے۔ پس اللہ کی پناہ کو نہ توڑو۔

ابن سعود نے اس حدیث کا بھی خلاف کیا۔  
گیارہویں حدیث

صحیح مسلم کے صفحہ ۱۶۶ جلد ۱ میں ہے کہ حضور علیہ السلام اگر کسی گاؤں میں اذان کی آواز سنتے تو وہاں لوٹ مار نہ کرتے۔

ابن سعود نے اس حدیث کا بھی خلاف کیا۔

بارہویں حدیث

صحیح مسلم صفحہ ۱۲۸ جلد ۲ میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے امراء و خلفاء پر بسبب ظلم و فسق خروج منع فرمایا ہے صحابہ کرام نے ایسے امراء کے بارہ میں جہاد کی اجازت طلب کی تو حضور علیہ السلام نے فرمایا اَلَا هَا صَلُّوا یعنی جب تک وہ نماز پڑھتے ہیں ان پر خروج کی اجازت نہیں۔

ابن سعود نے اس حدیث کا بھی خلاف کیا۔

تیرہویں حدیث

كُلُّ ذَنْبٍ عَسَىٰ اللَّهُ أَنْ يَغْفِرَهُ الرَّجُلُ يَمُوتُ مُشْرِكًا أَوْ يُقْتَلُ  
هُ مِنْهُ مُتَعْتِدًا - (ابوداؤد ابن جبان ترغیب ص ۲۵۳)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ہر گناہ کے بخشا جانے کی امید ہے مگر جو شخص مشرک مر گیا یا جس نے کسی مومن کو عداقت کی یا قتل کیا (اس کے بخشا جانے کی بالکل امید نہیں،

ابن سعود نے اس حدیث کا بھی خلاف کیا کہ طائف میں بے گناہ مردوں عورتوں بلکہ بچوں کو ذبح کیا۔

# قرآن مجید

## پہلی آیت

وَمَنْ يُرِدْ فِيهِ بِالْحَادِ بِظُلْمٍ نَذَاهُ مِنْ عَذَابِ أَلِيٍّ -

جو شخص مکہ شریف میں ظلم کے ساتھ الحاد کا ارادہ کرے گا ہم اس کو دردناک عذاب چکھائیں گے۔

ابن سعود نے اس آیت کی بھی پرواہ نہیں کی۔

## دوسری آیت

مَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا -

جو شخص مکہ معظمہ میں داخل ہوا وہ امن میں آگیا۔

ابن سعود نے اس آیت کی بھی پرواہ نہ کرتے ہوئے اہل مکہ کو بے امن کیا۔

ان آیات و احادیث کے ہوتے ہوئے معلوم نہیں کہ نجدیوں کو باوجود دعویٰ

عمل بالحدیث کیوں اتنی جسرات پیدا ہوئی کہ انہوں نے حسین شریفین کی

توہین روارکھی۔

نجدی سے کہتے ہیں کہ قبوں کا بنانا خلاف شرع اور ناجائز ہے۔ رسول کریم صلی

اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی منع فرمایا۔ اس لیے قبور پر

سے تپتے آمارے گئے۔

میں سے کہتا ہوں، صرف قبور کا پختہ بنانا اور اس پر گنبد تعمیر کرنا خلاف شرع ہے

یا مطلقاً مکانات کا پختہ بنانا ہی منع ہے۔ اگر ہر مکان کا خواہ وہ سکونتی ہو پختہ بنانا منع ہے

تو مکہ شریف و مدینہ شریف کے کل مکانات گرا سٹے ہوتے۔ بلکہ بیت اللہ شریف بھی

داخلہ بدہن، گرا دیا جاتا کہ وہ بھی پختہ ہے۔ اور اگر صرف قبور کا ہی پختہ بنانا منع ہے تو

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مولد مبارک کو کیوں تہ و بالا کیا گیا، مقام ولادت سیدنا

ابوبکر رضی اللہ عنہ اور مسجد بن مسجد بلال، مسجد جبل البقیع مسجد کوثر مقام شق قمر مقام شرح

صدر وغیرہ مقامات متبرکہ کو کیوں بے نشان کیا۔  
نجد مکہ کہتے ہیں کہ ان مقامات میں شرک ہوتا تھا اور بعض کہتے ہیں اس لیے  
گرائے گئے کہ مصنوعی تھے۔

میرے کتنا ہوں لاجول ولا قوۃ الا باللہ۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے  
کہ شیطان ناامید ہو گیا ہے کہ اب جزیرہ عرب میں اس کی پرستش ہو چنانچہ صحیح مسلم  
کے صفحہ ۲۶۶ جلد دوم میں حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں۔

إِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ آيَسَ أَنْ يُعْبَدَهُ الْمُصَلُّونَ فِي جَزِيرَةِ الْعَرَبِ وَلَكِنْ  
فِي التَّحْرِيشِ بَيْنَهُمْ (مسلم) اور فرمایا۔

إِنِّي وَاللَّهِ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمُ أَنْ تَشْرِكُوا بَعْدِي (صحیح بخاری صفحہ ۶۹، جلد ۱)  
یعنی مجھے خوف نہیں کہ تم میرے بعد شرک کرو گے۔

یہ لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیش گوئی کے برخلاف کہتے ہیں کہ ان  
مقامات پر شرک ہوتا تھا۔ بفضلہ تعالیٰ یہ خاکسار دو مرتبہ مکہ معظمہ کی زیارت سے مشرف  
ہوا ہے۔ دو نو دفعہ ان مقامات متبرکہ میں کوئی شرک کرتا نہیں دیکھا۔ یہ باروں کا خانہ  
ساز شرک ہے اور ابن سعود کی بے جا حمایت۔ العیاذ باللہ۔

جن قبور کے قبے گرائے گئے اگر وہ مصنوعی قبور تھیں۔ فی الحقیقت وہ قبور نہ تھیں  
تو ان پر جو بنا تھی وہ بنا علی القبور نہ ہوئی۔ جب بنا، علی القبور نہ ہوئی۔ تو منع بھی نہ ہوئی۔  
پھر قبوں کو کیوں منہدم کیا گیا؟ غائتہ ما فی الباب اگر منہدم کرنا تھا تو قبوں کا نشان مٹا  
دیا جاتا اور وہ قبے چار دیواری باقی رہنے دیتے۔ حالانکہ ابن سعود نے ایسا نہیں کیا۔ جس  
سے معلوم ہوا کہ اس کا منشاء محض بے حرمتی کرنا تھا اور بس۔

## قبوں کے بنانے کا جواز

میں آگے چل کر بفضلہ تعالیٰ مفصل بیان کروں گا کہ قبوں کا کرنا اور سزرات کا ڈھانا  
بے ثبوت ہے، قرآن شریف یا حدیث صحیح میں ان کے گرانے کا کوئی حکم نہیں بلکہ قبوں

مسلمین کی توہین ہے جو بالاتفاق ممنوع ہے۔  
 سروسٹ قبوں کے بنانے کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ مزار صالحین پر  
 قبے بنانا جائز بھی ہے یا نہیں۔ لیکن اس سے پہلے کہ میں اصل مسئلہ پر کچھ عرض کروں  
 اس مسئلہ کو صاف کرنا چاہتا ہوں کہ زمانہ اور مکان کے تغیر سے احکام متغیر ہو جاتے  
 ہیں یا نہیں۔

پس شیخ فقہاء علیہم الرحمۃ نے اس مسئلہ کو صراحتاً ذکر فرمایا ہے چنانچہ فتاویٰ عالمگیری  
 جلد ۴ کے صفحہ ۱۲۳ میں لکھا ہے۔

كَوْمٍ شَيْءٍ كَانَ إِحْدَاثًا وَهُوَ بِدْعَةٌ حَسَنَةٌ وَكَوْمٍ شَيْءٍ يَخْتَلِفُ

بِاخْتِلَافِ الزَّمَانِ وَالْمَكَانِ - كَذَا فِي جَوَاهِرِ الْأَخْلَاطِ -

یعنی بہت چیزیں ہیں کہ نئی پیدا کی گئی ہیں اور وہ بدعت حسنہ ہیں اور بہت چیزیں  
 زمانہ اور مکان کے اختلاف سے بدل جاتی ہیں جیسا کہ جوہر الاخلاطی میں ہے۔

علامہ شامی رد المحتار صفحہ ۲۶۰ جلد پنجم میں لکھتے ہیں۔

وَكَوْمٍ شَيْءٍ يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الزَّمَانِ وَالْمَكَانِ كَمَا لِبَسَطِهِ

الزِيلَعِيِّ وَغَيْرِهِ -

یعنی بہت شے بسبب اختلاف زبان و مکان مختلف ہو جاتی ہیں۔ زیلعی  
 وغیرہ نے اس کو بسط سے بیان کیا ہے۔

علامہ عید المسی لکھنوی نفع المفتی میں بحوالہ تبیین المقاتل شرح کنز الدقائق لکھتے

ہیں۔

وَلَا يَبْكُرُ تَغْيِيرَ الْأَحْكَامِ بِتَغْيِيرِ الزَّمَانِ كَفَلْتَقِ الْمَسَاجِدِ يَجُوزُ فِي

زَمَانِنَا عَلَى مَا يَأْتِي بَيَانُهُ (نفع المفتی)

بسبب تین زمان احکام کے متغیر ہونے سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ جیسے مساجد کے

دروازوں کا بند کرنا کہ ہمارے زمانہ میں جائز ہے اور اس کا بیان آگے آئے گا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

اتَّكُرُ فِي زَمَانٍ مَنْ تَرَكَ مِنْكَ عَشْرًا مَا أُهْرِبَهُ هَلَاكَ لِقَائِي زَمَانٌ  
مَنْ عَمِلَ مِنْهُمْ بِعَشْرٍ مَا أُهْرِبَهُ نَجَا - (رواه الترمذی مشکوٰۃ ص ۲۳)

تم لوگ (یعنی صحابہ) ایسے زمانہ میں ہو جو شخص تم میں سے مامورات کا دسواں حصہ بھی چھوڑ  
دے گا ہلاک ہوگا۔ پھر ایک زمانہ آئے گا جو شخص ان میں سے مامورات کا دسواں حصہ  
بھی بچا لائے گا نجات پا جائے گا۔

اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بسبب تغیر  
زمان حکم متغیر ہو جاتا ہے۔

علامہ ابن القیم اعلام الموقعین جلد ۱ صفحہ ۵۱ میں اس مسئلہ میں خاص فصل لکھتے ہیں  
اور فرماتے ہیں۔

فَصَلُّ فِي تَغْيِيرِ الْفِتْوَى وَ اخْتِلَافِهَا بِحَسَبِ تَغْيِيرِ الْأَرْضِ مِنْتِ وَالْإِمْكِنَةِ  
ذَالِ الْأَحْوَالِ وَالنِّيَّاتِ وَالْعَوَائِدِ وَ هَذَا أَفْضَلُ عَظِيمِ النِّفْعِ جِدًّا الْحَمْدُ

یہ فصل اس بیان میں ہے کہ فتویٰ بسبب تغیر زمان اور مکان کے اور بسبب  
تغیر احوال و نیات و فوائد مختلف و متغیر ہو جاتا ہے اور یہ فصل بہت عظیم النفع ہے۔  
علامہ موصوف نے اس فصل میں کئی مثالیں لکھی ہیں جو مفصل دیکھنا چاہیے۔ وہ  
اعلام الموقعین کو دیکھیے۔ مختصر اہم بھی چند مثالیں لکھتے ہیں تاکہ واضح ہو جائے کہ زمان یا مکان  
کے تغیر سے احکام متغیر ہو جاتے ہیں۔

پہلی مثال۔ مسجدوں کا چونہ گچ کرنا اور انہیں سرخ زرد رنگ کرنا صدر اول میں نہ تھا  
امام بخاری فرماتے ہیں۔

أَمْرٌ عَمَّرَ بِنَاءَ الْمَسْجِدِ أَلَا كُنَّ النَّاسُ مِنَ الْمَطْرِ وَإِيَّاكَ أَنْ تَحْتَمِرَ أَوْ  
تُصْفَرًا فَتَفْتِنَ النَّاسُ دِخَارِي بَابِ بِنَاءِ الْمَسْجِدِ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی کی بنا کا حکم فرمایا اور فرمایا کہ میں لوگوں کو  
بارش سے چھپانا ہوں۔ پھر بنانے والے کو یا اپنے نفس کو مخاطب کر کے فرماتے  
ہیں کہ سرخ یا زرد کرنے سے بچنا کہ تو (ایسا کرنے سے) لوگوں کو فتنہ میں ڈال دے گا

بالوگ فتنہ میں پڑ جائیں گے یعنی صرف بارش سے بچنے کے لیے معمولی چھت چاہیے  
سرخ زندنگ سے نمازیوں کے حضور و خشوع میں فرق آجائے گا۔

(۲) امام بخاری فرماتے ہیں۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَمْ تَزُخْرِفْتَهَا كَمَا زُخْرِفَتْ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى

(بخاری شریف)

کہا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے البتہ تم مسجدوں کو مزخرف (منقش و آراستہ)  
کر دے جیسے کہ یہود و نصاریٰ نے کیا۔ اس حدیث کو ابو داؤد و ابن حبان نے  
بھی روایت کیا ہے۔

(۳) ابو داؤد میں ہے۔ فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

مَا أُبْرِتْ بِتَشْيِيدِ الْمَسَاجِدِ أَمْ يَرْفَعُهَا وَإِعْلَافِ بِنَائِهَا أَوْ

بِتَجْصِيفِهَا لِأَنَّهَا زَائِدَانِ عَلَى قَدْرِ الْحَاجَةِ (مرقاۃ صفحہ ۲۵۹ جلد اول)

مجھے مساجد کے پختہ کرنے کا امر نہیں کیا گیا۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اسکی شرح  
میں تشیید کے معنی کرتے ہیں کہ مساجد کا رفع اور اس کی بنیاد کا بلند کرنا یا چونہ کچ کرنا  
کہ یہ کام قدر حاجت سے زائد ہیں۔ اس لیے رفع بناؤ تجصیف مساجد کا امر  
نہیں کیا گیا۔

(۴) ملا علی قاری نے مرقاۃ میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک حدیث لکھی  
ہے کہ انہوں نے فرمایا۔

نَهَانَا أَنْ نُهَيِّنَا أَنْ نُصَلِّيَ فِي مَسْجِدٍ مُشْرِفٍ

ہم منع کیے گئے ہیں کہ مسجد بلند میں نماز پڑھیں۔

(۵) مرقاۃ کے اسی صفحہ میں ہے۔

مَرَّ ابْنُ مَسْعُودٍ بِمَسْجِدٍ مَزْخَرَفٍ فَقَالَ لَعَنَ اللَّهُ مَنْ فَعَلَ هَذَا (مرقاۃ)

ابن مسعود رضی اللہ عنہ ایک مسجد میں گذرے جو کہ مزخرف یعنی مزین و آراستہ  
تھی۔ فرمایا خدا تعالیٰ اس شخص پر لعنت کرے جس نے یہ کام کیا یعنی جس نے مسجد کو

مزین و آراستہ کیا۔

(۶) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

أَرَأَيْتُمْ نَوْنَ مَسَاجِدَ كَوْ بَعْدِي كَمَا شَرَفْتِ الْيَهُودَ كُنَّا لَهَا  
وَكَمَا شَرَفْتِ النَّصَارَى بِبَيْعِهَا (ابن ماجہ ص ۵۲)

میں دیکھتا ہوں تم کو کہ تم میرے بعد اپنی مسجدوں کو بلند کرو گے جیسے کہ یہود نے اپنے کنیسے اور نصاریٰ نے اپنے گرجے بلند کیے۔

(۷) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

مَا سَاءَ عَمَلُ قَوْمٍ قَطُّ إِلَّا ذَخَرُوا مَسَاجِدَهُمْ (ابن ماجہ ص ۵۲)

کسی قوم کا عمل برا نہیں ہوا۔ مگر اس نے اپنی مسجدوں کو مزخرف کیا۔

اور صدیق حسن بھوپالومی ہدایۃ السائل میں تشدید مساجد کو بدعت لکھتے ہیں۔

ان احادیث سے صاف ظاہر ہے کہ مساجد کی آرائش اور رفع بنا اور سونے

چاندی کا نقش و نگار اور چونہ گچ کرنا صدر اول میں نہ تھا۔ یہاں تک کہ حضرت عمر رضی

اللہ عنہ نے باوجود وسعت مال کے مسجد نبوی کو اسی ہیئت پر جو زمانہ نبوی میں تھی

بنا کیا۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ذرا منقوش پتھر لگائے اور ساج کا چھت بنایا۔

جو زخرفہ کی حد تک نہ تھا۔ پھر بھی بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے انکار کیا چنانچہ حافظ

ابن حجر فتح الباری جز ثانی ص ۲۷۱ میں فرماتے ہیں۔

كُنَّا أَرَادَ عُمَانُ بِنَاءَ الْمَسْجِدِ كَمَا كَرِهَ النَّاسُ ذَلِكَ وَ أَحَبُّوا أَنْ يَدْعُوهُ

عَلَى هَيْئَتِهِ أَيْ فِي عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ فَتَحَ الْبَارِي بِهَا

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی کے بنانے کا ارادہ فرمایا۔ تو

لوگوں نے اس کو اچھا نہ سمجھا۔ بلکہ یہ خواہش کی کہ مسجد نبوی کو اسی حالت پر چھوڑا جائے

جس حالت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھی۔



پھر آگے فرماتے ہیں کہ علامہ لغوی نے شرح السنۃ میں فرمایا ہے کہ شاید صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت عثمان کے منقوش پتھر لگانے پر کراہت ظاہر فرمائی۔ صرف وسیع کرنے پر کراہت نہ تھی۔

باوجود ان دلائل کے جو اوپر بیان ہوئے پھر بھی زمانہ کے تغیر کے سبب کہ ظاہری تزک و احتشام ہی قلوب عامہ پر اثرِ تعظیم پیدا کرتا ہے۔ آئمہ دین نے جواز کا حکم دیا۔ چنانچہ ہدایہ شریف میں ہے۔

لَا بَأْسَ بِأَنْ يُنْقَشَ الْمَسْجِدُ بِالْحَصَى وَالسَّاجِ وَمَاءِ الذَّاهِبِ۔  
مسجد کو چونہ اور آبنوس اور سونے کے پانی کے ساتھ منقش کرنے میں کوئی مضائقہ

نہیں۔

علامہ ابن الہمام فتح القدير میں فرماتے ہیں۔  
قوله قِيلَ هُوَ قُرْبَةٌ لِمَا نَبِيهِ مِنْ تَعْظِيمِ الْمَسْجِدِ (فتح القدير)  
کہا گیا ہے کہ وہ ثواب ہے اس لیے کہ اس میں (یعنی چونہ وغیرہ سے منقش کرنے میں) مسجد کی تعظیم ہے۔

پھر آگے اختلاف نقل کر کے فرماتے ہیں  
وَعِنْدَنَا لَا بَأْسَ بِهِ

کہ ہمارے نزدیک اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

تبیین الحقائق شرح کنز میں ہے۔

لَا يَكْرَهُ نَقْشُ الْمَسْجِدِ بِالْحَصَى وَمَاءِ الذَّاهِبِ۔

مسجد کو چونہ اور سونے کے پانی سے منقش کرنا مکروہ نہیں۔

اسی طرح فتاویٰ عالمگیری جلد ۲ ص ۱۲ میں ہے۔

أَمَّا التَّجْصِيفُ فَحَسَنٌ لِأَنَّهُ إِحْكَامٌ لِلْبِنَاءِ كَذَا فِي الْأَخْتِيَارِ شَرْحِ الْمُحْتَارِ

چونہ گچ کرنا اچھا ہے اس لیے کہ وہ بناؤ کا مضبوط کرنا ہے۔ ایسا ہی اختیار

شرح مختار میں ہے۔

علامہ ابن المنیر شرح جامع صحیح میں فرماتے ہیں۔

أَسْتَبْطَ مِنْهُ كَرَاهِيَةٌ زُخْرُفَةُ الْمَسَاجِدِ لِإِسْتِغَالِ قَلْبِ الْمُصَلِّي  
بِذَلِكَ أَوْ يَصْرَفِ الْمَالِ فِي غَيْرِ وَجْهِهِ - نَعْوًا إِذَا وَقَعَ ذَلِكَ عَلَى  
سَبِيلِ تَعْظِيمِ الْمَسْجِدِ وَلَوْ وَقَعَ الصَّرْفُ عَلَيْكَ مِنْ بَيْتِ الْمَالِ  
فَلَا بَأْسَ بِهِ وَلَوْ أَوْصَى بِتَشْيِيدِ مَسْجِدٍ وَتَحْمِيرِهِ وَتَصْغِيرِهِ  
نَفَدَتْ وَصِيَّتُهُ لِأَنَّهُ قَدْ حَدَّثَ لِلنَّاسِ فِتَاوَى بِقَدْرِ مَا أَخَذُوا  
وَقَدْ أَخَذَتْ النَّاسُ مِنْهُمْ وَكَافَرُوا هُمْ تَشْيِيدًا بِبُيُوتِهِمْ وَتَرْبِيئًا  
وَلَوْ بَيْنَنَا مَسَاجِدَنَا بِاللَّيْنِ وَجَعَلْنَا مَطَامِنَةً بَيْنَ النَّوْمِ وَالشَّاهِقَةِ  
وَمَا كَانَتْ لِأَهْلِ الدِّمَةِ كَانَتْ مُسْتَهَانَةً -

اس حدیث سے مستنبط ہے کہ مسجدوں کی زینت و آرائش مکروہ ہے کہ نمازی کا دل اس طرف مشغول ہوگا۔ یا اس لیے کہ مال بے وجہ خرچ ہوگا۔ ہاں اگر مسجد کی تعظیم کے لیے آرائش ہو اور خرچ بیت المال سے نہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں۔ اگر کوئی شخص وصیت کرے کہ اس کے مال سے مسجد کی گچکاری یا سرخ زرد رنگ کریں تو وصیت نافذ ہوگی۔ کیونکہ لوگوں میں جس طرح کہ ننٹی ننٹی بانیں پیدا ہوئیں اسی طرح ان کے لیے فتاویٰ بھی نئے نئے ہوئے۔ مسلمان اور کافر سب نے اپنے گھروں کی گچکاری شروع کر دی۔ اگر ہم مسجد کو بڑے بڑے گھروں کے درمیان چچی اینٹ سے ان سے پست بنائیں تو مسجد کی بے وقعتی ہوگی۔

پس حامیان ابن سعود کو لازم ہے کہ بڑی بڑی مسجد جو گچکاری اور طرح طرح کے رنگوں سے مزین ہیں سب کی سب گرا کر صاف کر دیں اور ایسی مسجدیں تیار کریں جو عہد نبوی میں تھیں۔ جب یہ کام کر چکیں تو پھر مزارات صلحاء کے گرانے کا فکر کریں۔ رَدُّوْنَهُ خَرَطَ الْقِتَادَ - وَالْأَفْنَا هُوَ جَوَابُ كَوْنِ تَجْصِيصِ الْمَسَاجِدِ وَ تَشْيِيدِهَا وَ زُخْرُفَتِهَا فَ هُوَ جَوَابُ بِنَاعِنِ تَجْصِيصِ الْقُبُورِ -

## دوسری مثال

حدیث شریف میں آیا ہے فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

اِبْنُوا الْمَسَاجِدَ جَمَادٍ رَوَاهُ ابْنُ سَيِّدٍ وَالْبَيْهَقِيُّ

مسجدیں منڈی بناؤ۔ یعنی ان میں کنگرے اور منار نہ رکھو۔

مگر اب بڑے بڑے منارے اور کنگریدار مسجدیں رائج ہیں محض اس لیے

کہ اس میں مساجد کی تنظیم ہے فَلْيَكُنْ بِنَاءُ الْقُبُورِ كَذَلِكَ -

## تیسری مثال

لَا تَنْعَوْا أُمَّةَ اللَّهِ مَسَاجِدَ اللَّهِ (صحیح مسلم)

اللہ تعالیٰ کی باندیوں کو اللہ کی مسجدوں سے منع نہ کرو۔

یعنی عورتیں اگر مسجدوں میں نماز پڑھنے کے لیے جانا چاہیں تو منع نہ کرو پھر

بھی آئمہ دین نے نظر بحال زمانہ جو حکم فرمایا وہ اہل علم سے مخفی نہیں۔

علامہ ابن الہمام فتح القدر میں فرماتے ہیں۔

عَتَمَ الْمُتَأَخِّرُونَ الْمَنَعَ لِلْعَجَائِزِ وَالشَّوَابِ فِي الصَّلَاةِ كُلِّهَا غَلْبَةً

الْفُسَادِ فِي سَائِرِ الْأَوْقَاتِ - رَفَعِ الْقَدِيرُ ج ۱ ص ۱۵۸

متاخرین نے عام طور پر بوجہ بوجہ یا جوان کوئی بھی کسی نماز

میں نہ نکلے۔ اس لیے کہ سب وقتوں میں فساد کا غلبہ ہے پھر اس کے آگے لکھتے

ہیں وَالْمُعْتَمَدُ مَنَعَ الْكُلِّ فِي الْكُلِّ یعنی معتد (معتبر) یہی ہے کہ سب عورتیں سب

نمازوں میں حاضر نہ ہوں یعنی کسی عورت کو کسی نماز کے لیے بھی نکلنے کی اجازت نہ

دی جائے۔ تو اس سے بھی ثابت ہوا کہ زمانہ کے تغیر کے سبب حکم بھی متغیر ہو گیا۔

لِأَنَّ الْأَحْكَامَ تَدْوُرُ مَعَ الْعِلَّةِ -

## چوتھی مثال

گھر میں نماز پڑھنے سے مسجدوں میں نماز کا زیادہ ثواب ہونا۔ مسجد نبوی مسجد

حرام میں اس سے بھی زیادہ ثواب کا ہونا اس امر پر پتہ دلیل ہے کہ مکان متغیر ہونے

سے حکم بھی متغیر ہو جاتا ہے۔

پانچویں مثال

رمضان شریف میں اعمال صالحہ بہ نسبت دوسرے مہینوں کے کیوں فضیلت رکھتے ہیں اسی واسطے کہ بسبب تغیر زمان حکم متغیر ہو جاتا ہے۔

چھٹی مثال

ابتداءً اسلام میں قرآن مجید کو بلا حرکات و علامات رکوع وغیرہ لکھنا ضروری تھا۔ پھر برعایت عجم حرکات و سکونات کا لکھنا و علامات رکوع و علامات آیات کا لکھنا ضروری ہو گیا۔

ساتویں مثال

ابتداءً میں قرآن مجید کو فروخت کرنا اور اس کے لکھنے کی اجرت لینا برا سمجھا جاتا تھا۔ مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اخیر زمانہ میں سب جواز کے قائل ہو گئے (عزیزی) اس میں بھی بسبب تغیر زمانہ حکم متغیر ہو گیا۔

آٹھویں مثال

تعلیم قرآن و اذان و امامت کی اجرت متقدمین ناجائز سمجھتے تھے متاخرین نے بسبب تغیر زمانہ جواز کا فتویٰ دیا۔ کما هو مبسوط فی کتب الفقہ۔

نویں مثال

تشویب قبل اذان فجر بعد زمانہ صحابہ رضی اللہ عنہم بسبب تغیر حالات علمائے کوفہ نے شروع کی پھر امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے سب نمازوں کے واسطے بسبب تغیر زمانہ اجازت دیدی۔

دسویں مثال

اذان اول بروز جمعہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بسبب تغیر زمانہ زیادہ کی تو معلوم ہوا کہ احکام بسبب تغیر زمانہ متغیر ہو جاتے ہیں۔

گیارہویں مثال: شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ انصاف میں فرماتے

ہیں کہ سلف حدیثوں کو لکھا نہیں کرتے تھے۔ لیکن آج کتابت حدیث واجب ہو گئی اور علماء سلف نحو و لغت میں مشغول نہیں ہوتے تھے۔ لیکن آج معرفت لغت عربیہ واجب ہے۔ پھر فرماتے ہیں و شواہد ما نحن فیہ کثیر جدا یعنی اس کے بہت شواہد ہیں۔

### بارہویں مثال

علامہ ابن القیم اعلام الموقعین میں فرماتے ہیں کہ تین طلاقیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک ہوتی تھیں۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بسبب تغیر زمانہ و بسبب تغیر حالات تین طلاقوں کو تین ہی شمار کیا گیا۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ احکام بسبب تغیر زمانہ و تغیر مکان بدل جاتے ہیں تو اب مسئلہ بناء علی القبور کو بھی اسی طرح سمجھیے کہ ابتداءً بناء علی القبور کی ممانعت ہوئی۔ مگر اب بسبب تغیر زمانہ اجازت ہو گئی۔ اس وقت قبور کی عزت و احتشام ہر ایک کے دل میں تھی۔ کوئی قبور کو پا مال نہیں کرتا تھا۔ آج زندوں کی عزت و توقیر دلوں سے اٹھ گئی ہے تو مردوں کی کون کرے۔ بندگان دین و مشائخ و علماء کی قبور بھی اسی طرح روندی جاتی ہیں جس طرح کہ عوام کی۔ اس لیے نظر بحال زمانہ متاخرین نے بناء کے جواز کا فتویٰ دیا۔ تاکہ عوام کے دلوں میں مقبور کی حرمت و عزت ہے اور اسلام کی شوکت نمایاں ہو۔ اس تقریب سے ان احادیث و عبارات فقہیہ کا جواب بھی آسان ہو گیا جو حامیان ابن سعود پیش کرتے ہیں۔

بعض لوگ یہ شبہ کرتے ہیں کہ اگر زمانہ کے تغیر سے احکام تغیر ہو جاتے ہیں تو چاہیے کہ زنا و سرقت بھی جائز ہو جائے اور نماز روزہ بھی معاف ہو جائے۔

میرے کہتا ہوں اس کے یہ معنی نہیں کہ آج کسی شخص کو احکام بدلنے کی اجازت ہے۔ بلکہ زمان و مکان کے تغیر سے حکم کے تغیر کی اجازت بھی شریعت نے ہی دی

سہ یہ فتاویٰ و اجازتیں آگے لکھی گئی ہیں۔

ہے لان الاحکام تداوم مع العلة پس زنا و سرقت جس علت کے سبب ممنوع ہو اور وہ علت آج بھی موجود ہے۔ اس میں کوئی تغیر نہیں ہوا۔ اس لیے حکم بھی متغیر نہیں۔ بخلاف بناو علی القبور کے کہ ابتداء میں لوگوں کے دلوں میں قبور کی عزت و حرمت بہت تھی۔ نیز اس وقت پیسہ کی کمی اور ضرورتیں بٹھار تھیں۔ اشاعت اسلام و جہاد کفار سے ہی فرصت نہیں ملتی تھی پھر ایسے وقت میں ان کے لیے یہی مناسب تھا کہ اپنے گھروں کو بھی معمولی بنا لیں جو گرمی سردی کو روک سکیں اور مسجدوں کو بھی معمولی بنانے کا ارشاد تھا۔ اسی طرح قبروں کو بھی معمولی پتھروں سے نشان کر دینے کی اجازت تھی۔ لیکن آج نہ تو قبور کی عزت و حرمت ہے نہ پیسہ کی کمی۔ نہ جہاد وغیرہ کے لیے کوئی خرچ کی ضرورت اس لیے بسبب تغیر حالات زمانہ آج قبور کی عزت و حرمت برقرار رکھنے کے لیے قبور کے گرد چار دیواری اور اس پر قبۃ بنانا اسی طرح جائز ہے۔ جس طرح مساجد کو بلند و چونچ کرنا اور گھروں کی عالیشان عمارتیں بنانا۔

در صورت عدم تغیر بعض فقہاء نے حدیث جابر رضی اللہ عنہ میں جو نہی آئی ہے یا امام اعظم رحمہ اللہ سے جو کراہت بنا مروی ہے اس کو ظاہر پر حمل کر کے عدم جواز بنا دیا کہ فتویٰ دیا ہے۔ اور بعض نے بنا سے مراد بنا لکوننتہ مراد لی ہے کہ اپنی سکونت کے لیے قبور پر گھر وغیرہ بنا لینا درست نہیں۔ کہ اس میں اہل اسلام کی قبور کی اہانت ہے اور بعض نے علای کے حقیقی معنوں کے لحاظ سے نفس قبر پر بنا منع سمجھی ہے۔ نہ قول قبر اور ظاہر ہے کہ قبۃ حول قبر پر ہوتے ہیں۔ نہ نفس قبر پر اور بعض نے اسی نہی کو قبور عوام مسلمین پر حمل کیا۔ اور مشائخ و علماء صالحین کے قبور کو اس سے مستثنیٰ سمجھا اور وہ بھی بہ نیت فخر و تکبر و زینت و اظلال میت ہو۔ تو منع۔ اور اگر زائرین و قارئین کی استراحت کے لیے یا علامت کے لیے ہو۔ کہ لوگوں کو صلحاء کی مزار کا پتہ لگ جائے تو جائز و درست ہے اور بعض نے بنا سے وہ بنا مراد لی ہے جو مشرکین قبور صالحین پر بناتے تھے جن میں تصاویر ہوتی تھیں۔ اس قول کی صحیح بخاری کی حدیث سے تائید ہوتی ہے جس میں حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ۱۔

إِذَا مَاتَ فِيهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ بَنَوْا عَلَى قَبْرِهِ مَسْجِدًا وَصَوَّرُوا  
فِيهِ تِلْكَ الصُّوْرَ - (بخاری)

جب ان میں کوئی مرد صالح مر جاتا تو اس کی قبر پر مسجد تعمیر کرتے اور اس میں تصویریں  
بناتے۔

یہ حدیث اس حدیث کی تفسیر ہے جس میں بنا کی ممانعت ہے۔ اسی بنا سے  
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اور اسی بنا پر حضور علیہ السلام نے یہود و نصاریٰ  
پر لعنت فرمائی۔ نہ وہ بنا جو کہ مشائخ و علماء کی قبور پر بنائی جاتی ہیں۔ نہ اس میں تصویریں  
ہوتی ہیں۔ نہ کوئی مسلمان قبروں کی عبادت کرتا ہے۔ بلکہ یہ قبے اور بنا میں محض بطور علامت  
ہوتے ہیں کہ لوگوں پر اہل اللہ کی قبور کا نشان رہے اور علامت کارکھنا حدیث سے  
ثابت ہے اور آیت شریفہ ذلک اذنی ان یُعْرَکُنَّ فَلَآ یُؤْذِنَنَّ کی حکمت جلیلہ پر  
غور کیا جاوے تو صاف سمجھ آ جاوے کہ بنائے قبہ جات بھی اسی لیے ہے کہ اہل اللہ  
کا مزار پہچانا جائے اور روزِ نہ جانے جائے۔ علاوہ اس کے احادیث میں بیشتر تو ایسی  
وارد ہیں جو محض تنزیہی ہیں اور کئی ایسے امور ہیں جو بلفظ نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احادیث  
میں نہی آئی ہے لیکن محدثین میں سے کسی نے ان امور کو ناجائز و حرام نہیں کہا۔ مثلاً  
روزانہ کنگھا کرنا۔ جائے غسل میں پیشاب کرنا۔ کمر پہ پاتھ رکھنا۔ کھڑے ہو کر پانی پینا۔  
گرم طعام کھانا۔ پیاز لسن کچا کھانا اسی طرح بنا علی القبور ناجائز یا حرام نہیں۔ غنائتہ  
مافی الباب مکروہ تنزیہی کہو گے اور مکروہ تنزیہی جواز کے مخالف نہیں۔

(۱) علامہ علی قاری رحمہ اللہ نے مرقاة شرح مشکوٰۃ جلد ثانی صفحہ ۳۷۲ میں لکھا ہے۔

قَدْ أَبَاحَ السَّلَفُ الْبِنَاءَ عَلَى قَبْرِ الْمَشَائِخِ وَالْعُلَمَاءِ الْمَشْهُورِينَ

لِيُرْوَدَ مَا هُمْ النَّاسُ وَيَسْتَرْجُوا بِالْجُلُوسِ فِيهِ (مرقاۃ)

علماء و مشائخ مشہورین کی قبور پر تعمیر بنا، اس لیے کہ لوگ زیارت کریں اور

استراحت کریں۔ سلف اس کی اباحت کے قائل ہوئے ہیں۔ صاحب

علامہ مولانا عبد اللیم لکھنوی والد مولانا عبد الحمی نے اپنے رسالہ نور الایمان میں اسی طرح لکھا ہے۔ ۱۲۰

مجمع البحار نے جلد ۲ ص ۱۸۶ میں اور تکملہ ص ۱۴۰ میں علمائے سلف سے اسکی اباحت نقل کی۔ فَاَنْظُرْ ثَمَّ۔

(۲) امام بخاری صحیح میں لکھتے ہیں۔

لَمَّا مَاتَ الْحَسَنُ بْنُ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ خَرِبَتْ امْرَأَتُهُ الْقُبَّةَ عَلَى قَبْرِهِ  
سَنَةً ثُمَّ رَفَعَتْ فَسَمِعَتْ صَائِحًا يَقُولُ الْاَهْلُ وَجَدُوا مَا فَتَدَاوَا

فَاَجَابَهُ الْخَرِبِيُّ يَدْسُوْا فَاَنْقَلَبُوْا (بخاری شریف)

جب امام حسن بن حسن بن علی رضی اللہ عنہم فوت ہوئے تو اس کی زوجہ فاطمہ بنت حسین رضی اللہ عنہا نے اس کی قبر پر قبہ بنایا۔ ایک سال کے بعد اٹھا دیا۔ تو ہاتھ سے آواز سنا کہ کیا انہوں نے جو کچھ گم کیا تھا پالیا۔ دوسرے نے جواب دیا بلکہ تو مید ہوئے اور واپس ہو گئے۔

اس حدیث سے قبر پر قبہ لگانا جائز ثابت ہوتا ہے۔ اگر منع ہوتا تو امام حسین علیہ السلام کی دختر یہ کام ہرگز نہ کرتی اور ہاتھ کا پکار کر کہنا منع کی دلیل نہیں بلکہ تسلی و صبر کے لیے ہے کہ سال بھر قبر پر ڈیرہ لگانے سے کیا حاصل ہوا۔ آخر ناکام واپس ہونا پڑا۔ جو مردہ تھا وہ تو واپس نہ آسکا۔

(۳ و ۴) علامہ عینی شرح صحیح بخاری میں اس حدیث کے تحت میں لکھتے ہیں۔

وَضَرَبَ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَلَى قَبْرِ زَيْنَبِ بِنْتِ جَحْشٍ (عینی جلد ۴ ص ۱۲۹)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زینب بنت جحش کی قبر پر خمیہ لگایا پھر آگے

فرماتے ہیں۔

وَضَرِبَتْ عَائِشَةُ عَلَى قَبْرِ اخِيهَا فَنَزَعَهُ ابْنُ عُمَرَ۔

اے مستدرک عالم میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ زینب بنت جحش کی قبر کھودنے والوں پر گزرے وہ گری میں قبر کھود رہے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ اگر میں ان پر خمیہ لگا دوں (تو ہتر ہوگا) اور یہ پہلا خمیہ تھا جو قبور میں قبر پر لگایا گیا۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ کسی ضرورت کے لیے قبر پر خمیہ لگانا درست ہے۔ ۱۲۔



حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھائی کی قبر پر خمیر لگایا۔ تو ابن عمر نے

آمارویا۔

میرے کتا ہوں حضرت صدیقہ علم و اجتہاد میں بدرجہا افضل ہیں ان کے قول فعل کو ابن عمر کے قول و فعل پر ترجیح ہے۔

(۵) اسی عینی شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے۔

وَضَرَبَهُ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَنَفِيَّةِ عَلَى قَبْرِ ابْنِ عَبَّاسٍ -

محمد بن حنفیہ نے حضرت ابن عباس کی قبر پر قبہ بنایا۔

تو قبور پر قبہ بنانا امام حسین علیہ السلام کی دختر فاطمہ کے فعل اور حضرت عمرؓ کا فعل صدیقہ و محمد بن حنفیہ کے فعل سے اس کا جواز ثابت ہوا۔ اور وہ جو بحوالہ مجمع البحار و مرقاۃ سلف سے بنا علی القبور کی اباحت نقل کی گئی ہے۔ شاید اس سے یہی آثار مراد ہوں چونکہ علامہ قاری و صاحب مجمع و شیخ عبدالحق دہلویؒ ایسے شخص نہیں کہ سلف سے بغیر ثبوت کے اباح السلف کہیں۔ اس لیے ممکن ہے کہ ان آئمہ کے فعل کی انہوں نے اباح السلف سے تعبیر کیا ہو۔ یا ان کے سوا کسی اور سلف سے منقول ہو۔

شیخ عبد الغنی نابلسی رحمہ اللہ اپنے رسالہ کشف النور عن اصحاب القبور میں فرماتے

ہیں۔

فَبِنَاءِ الْقُبَابِ عَلَى قُبُورِ الْعُلَمَاءِ وَالْأَوْلِيَاءِ وَالصُّلَحَاءِ أَهْرُ جَائِزٌ

إِذَا تَصَدَّ بِذَلِكَ التَّعْظِيمِ فِي عَيْنِ الْعَامَّةِ حَتَّى لَا يَحْتَقِرُوا مَا حَبَّ

هَذَا الْقَبْرِ (روح البیان ص ۸۶۹ جلد ۱)

قبور کا علما، و اولیا و صلحا کی قبور پر بنا جانا جائز امر ہے۔ جبکہ اس میں عام لوگوں کی نظروں میں تعظیم کا قصد ہو تاکہ لوگ اس قبر والے کو حقیر نہ سمجھیں۔

(۶) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں۔

إِذَا أُغْلِيَ الْقَبْرُ لِعَرَضٍ مَجْبُوحٍ لَا يَقْصِدُ الْمُبَاهَاةَ جَازَ دَفْعُ الْبَدْيِ (ص ۲۹۹ پ ۵)

اگر قبر غرض صحیح کے لیے بلند کرے فخر و مباہات کا قصد نہ ہو تو جائز ہے۔

(۷) علامہ شامی رد المحتار جلد اول صفحہ ۲۶۱ میں فرماتے ہیں۔

وَفِي الْأَحْكَامِ عَنْ جَامِعِ الْفَتَاوَى وَقِيلَ لَا يَكْرَهُ الْبِنَاءُ إِذَا كَانَ الْمَيِّتُ  
مِنَ الْمَشَائِخِ وَالْعُلَمَاءِ وَالسَّادَاتِ الْخُلَّتْ لَكُنْ هَذَا فِي غَيْرِ الْمَقَابِرِ  
الْمُسَبَّلَةِ كَمَا لَا يَخْفَى (شامی)

احکام میں جامع الفتاویٰ سے ہے کہ کہا گیا ہے کہ جب میت مشائخ و علماء  
وسادات سے ہو تو ان کی قبور پر بنا کر وہ نہیں۔ میں کہتا ہوں لیکن یہ حکم قبرستان  
موقوفہ کے غیر میں ہے جیسا کہ مخفی نہیں۔

(۸) امام شافعی کتاب الام میں فرماتے ہیں۔

فَإِنْ كَانَتْ الْقُبُورُ فِي الْأَرْضِ يُبْلِكُهَا الْمَوْتَى فِي حَيَاتِهِمْ وَأَوْرَاشَتَهُمْ  
بَعْدَهُمْ لَوْ يَهْدَمُ شَيْءٌ أَنْ يَبْنَى فِيهَا وَإِنَّمَا يَهْدَمُ إِنْ عَدِمَ مَا لَا  
يَبْنَى أَحَدٌ نَهْدَمُهُ لِثَلَاثٍ يَجْرِعُ عَلَى النَّاسِ مَوْضِعَ الْقَبْرِ فَلَا يَدْفَنُ  
فِيهِ أَحَدٌ فَيَضِيقُ ذَلِكَ بِالنَّاسِ (کتاب الام ص ۲۲۵)

اگر قبریں ایسی زمین میں ہوں جس کے مالک موتی یا ان کے ورثہ ہوں تو پھر  
قبر پر جو کچھ زیادتی ہے وہ منہدم نہ کی جائے گی۔ انہدام کا حکم وہاں ہے جس کا کوئی  
مالک نہ ہو اور یہ انہدام وہاں بھی اس لیے ہے کہ لوگوں پر تنگی واقع نہ ہو کہ پھر ان  
کو قبر کی جگہ نہ ملے۔

معلوم ہوا کہ امام شافعی کے نزدیک بھی قبروں کے گرانے کا مطلقاً حکم نہیں  
بلکہ قبرستان موقوفہ میں ہے جہاں قبور پر عمارت بنانے سے لوگوں کی تنگی ہو اور ان  
کے مردوں کے دفن کے لیے جگہ نہ ہو۔ اگر کوئی شخص اپنی ملوکہ زمین میں اپنا مردہ  
دفن کرے اور اس پر قبہ بنائے تو وہ نہیں توڑا جائے گا۔  
اور یہ جو شامی نے کہا ہے۔

أَمَا الْبِنَاءُ عَلَيْهِ فَلَوْ أَرَمَ مِنْ اخْتَارَ حَوَازُهُ

تو مراد اس سے یا تو مقابر موقوفہ ہے کہ قبرستان موقوفہ میں بنا نہ کرنا چاہیے۔

اکہ دوسرے اموات کے لیے جگہ تنگ نہ ہو جائے یا مراد بنا سے وہ بنا ہے جو اپنی سکونت کے لیے بنائے یا وہ بنا جو بہ نیت فخر و ریاء ہو۔ ورنہ خود علامہ شامی جامع الفتاویٰ سے قول عدم کراہت بنا نقل کر چکے ہیں کما سر۔ پھر ان کا لحوار من اختار جوانہ کتنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے ہاں اگر لحوار سے نفی روایت بصری مراد ہو تو ممکن ہے اس لیے کہ علامہ شامی متاخر ہیں اور جواز بنا متقدمین سے منقول ہے چونکہ علامہ شامی نے سلف کو جواباً حمت کے قائل ہیں نہیں دیکھا اس لیے لم ار فرما دیا۔ واللہ اعلم

(۹) امام بخاری صحیح میں فرماتے ہیں۔

قَالَ خَلِجَةُ بْنُ زَيْدٍ رَأَيْتُنِي وَنَحْنُ شَبَابٌ فِي زَمَنِ عُثْمَانَ وَإِنَّا أَشَدُّنَا  
وَسَبَّهُ الَّذِي يَثْبُتُ قَبْرَ عُثْمَانَ بْنِ مَطْعُونٍ حَتَّى يُجَاوِزَهُ (بخاری صفحہ ۸۲ جلد ۵)

یعنی خارجہ بن ثابت انصاری تابعی فرماتے ہیں میں نے اپنے آپ کو دیکھا اور ہم جوان تھے۔ زمانہ عثمان میں اور ہم میں سے بڑا چھلانگ مارنے والا وہ شخص ہوتا تھا جو عثمان بن مظعون کی قبر کو چھلانگ مار کر تجاوز کر جائے۔

معلوم ہوا کہ عثمان بن مظعون کی قبر بہت اونچی تھی جس پر سے چھلانگ مار کر تجاوز کر جانا بڑے جوان کا کام تھا اور یہ وہی عثمان ہیں جن کی قبر پر حضور علیہ السلام نے بڑا بھاری پتھر نشان کے لیے رکھا تھا۔

علامہ ابن حجر اس کی شرح میں فرماتے ہیں۔

فِيهِ جَوَازُ كَتْلِيَّةِ الْقَبْرِ وَسَائِغِهِ عَنِ وَجْهِ الْأَرْضِ (فتح الباری صفحہ ۹۱۹)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قبر کو بلند کرنا اور زمین سے اونچا کرنا جائز ہے پھر آگے دو سطر کے بعد لکھتے ہیں۔

قَالَ ابْنُ الْمُنِيرِ فِي الْمَحَاشِيَةِ أَرَادَ الْبُخَارِيُّ أَنَّ الَّذِي يُنْفَعُ أَصْحَابَ  
الْقُبُورِ هِيَ الْأَعْمَالُ الصَّالِحَةُ وَإِنَّ عُلُوَّ الْبِنَاءِ وَالْجُلُوسَ عَلَيْهِ وَ  
غَيْرَ ذَلِكَ لَا يَفْتَرُ بِمُؤْتَرِهِ وَانَّمَا يَفْتَرُ بِمَعْنَاهُ إِذَا ذَكَرُوا الْقَاعِدُونَ  
عَلَيْهِ بِمَا يَفْتَرُونَ (فتح الباری)

کما ابن منیر نے حاشیہ میں کہ بخاری نے ارادہ کیا کہ اہل قبور کو ان کے اعمال صالحہ نفع دیتے ہیں (قبور پر بنا کا اونچا کرنا اور اس پر بیٹھنا وغیرہ صورتاً مضر نہیں۔ البتہ اس کے معنی کے لحاظ سے مضر ہے جبکہ بیٹھنے والے اس پر بیوہ باتیں کریں۔ معلوم ہوا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک بھی قبر پر بنا صورتاً مضر نہیں ہے۔ (۱۰) مولانا سلامت اللہ نے براہین لائحہ میں بحوالہ تحقیق الحق المبین مولفہ شاہ احمد سعیدؒ لکھا ہے۔

پنختہ ساختن قبر از بالا جائز است بلا کر اہت کما فی الدر المختار و شرحہ و تعمیر نمودن گنبد را نیز صاحب در المختار علیہ رحمۃ اللہ العزیز الفخار فتویٰ داوہ است و فی شرحہ المسبب بطوالح الاوار آید قولہ ایضا حیث قال ولا یرفع علیہ بنا و قیل لا یاس بہ ای بالتطین و البناء اما الاقول فلما فی الخلاصۃ و لا یاس بالتطین و اما الثانی فلما نقل فی الامداد عن الفتاویٰ الکبریٰ ما نصتہ و الیوم اعتاد و التنبیو باللین صیانۃ بلقبر عن النبش و راو اذ ذلک حسنا و قال علیہ السلام ما رآہ المسلمون حسنا فهو عند اللہ حسن و ان خیف مع التسنیم و رش الماء علیہ فلا یاس بحجر یوضع او اجر فالاجر لا ینکرہ علی الظاہر و فی الغیاتیہ و علیہ الفتویٰ۔

قبر کو اوپر سے پنختہ کرنا بلا کر اہت جائز ہے جیسا کہ در المختار اور اس کی شرح میں ہے اور صاحب در المختار علیہ الرحمۃ نے گنبد بنانے کا بھی فتویٰ دیا ہے اور طوالح الاوار میں بھی اس قول کی تائید ہے، چنانچہ فرمایا ہے کہ اس پر رفع بنانا کیا جائے اور بعض نے کہا ہے کہ کوئی مضائقہ نہیں یعنی کھل اور بنا کرنے میں کھل میں اس لیے کہ خلاصہ میں ہے کہ کھل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں اور بنا اس لیے کہ امداد میں فتاویٰ کبریٰ سے منقول ہے کہ لوگوں نے قبر کو اکھڑ جانے سے محفوظ رکھنے کے لیے کچی اینٹ سے کوہان تشر کی طرح بنانے کی عادت کر لی ہے اور اس کو اچھا سمجھا ہے اور حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ مسلمان جس بات کو اچھا سمجھیں وہ اللہ

کے نزدیک بھی اچھی ہوتی ہے اور اگر کوہان کی طرح بنا نے اور اس پر پانی چھڑکنے کے باوجود بھی خوں اکھڑ جانے کا ہو۔ تو کوئی ہرج نہیں۔ کہ پتھر یا پختہ اینٹ رکھی جائے اور پختہ اینٹ ظاہر قبر پر پکڑہ نہیں غیاتیہ میں اسی پر فتویٰ ہے۔

علامہ شامی نے بحوالہ فتاویٰ کبریٰ ایسا ہی لکھا ہے۔

(۱۱) مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی قبر پر بڑا بھاری پتھر اٹھا کر رکھا اور فرمایا۔

أَعْلَوْ بِهَا قَبْرَ أَخِي وَأَدْفِنُ إِلَيْهِ مَنْ مَاتَ مِنْ أَهْلِي

میں اس پتھر کے ساتھ اپنے بھائی کی قبر کا نشان کرتا ہوں اور جو میرے اہل سے فوت ہوگا اس کے پاس اس کو دفن کروں گا۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے مشکوٰۃ شریف کی شرح میں ایک روایت لکھی ہے۔

جس سے دو پتھروں کا رکھنا ثابت ہوتا ہے۔ ایک سر کی طرف۔ ایک پائنتی کی طرف بہر حال اس حدیث سے قبر پر نشان رکھنا کہ پہچانی جاوے مستحب یا کم سے کم جائز ثابت ہوتا ہے اور جو لوگ کہتے ہیں کہ قبر سے جو مٹی نکلے اس سے زائد مٹی قبر پر ڈالنا

جائز نہیں۔ وہ اس حدیث میں خیال کریں کہ جب بڑا بھاری پتھر جو قبر کی مٹی سے

یقیناً زائد ہے۔ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود قبر پر رکھا تو زائد مٹی کیوں

منع ہوگی۔ اسفوس آج یہ قبر جس کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک

سے پتھر رکھ کر نشان قائم کیا تھا بے نشان کر دی گئی۔ اسے خدا تو ان ظالموں کو بے

نشان کر دے آمین۔ نیز علماء و صلحاء کی مزارات پر قبر یا گنبد بنوانا عرف میں شعار و

علامت ہو گیا ہے جس سے صلحاء کی پہچان ہوتی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ مشائخ مشہورین

و علماء صالحین کے مزارات پر قبہ بنانا بے اصل نہیں۔ ان قبوں کا یہ بھی فائدہ ہے

کہ کوئی اجنبی شخص کسی شہر میں گیا وہاں گنبد و درختہ دیکھا تو وہ نودار و بھی خیال کریگا

کہ یہ کسی ولی اللہ کی مزار ہے چلو زیارت سے مشرف ہو آئیں۔ وہ آئے گا فاتحہ پڑھے گا اس لیے یہ بھی اعلو بہا قبر اخی کے فرد میں داخل ہے۔

(۱۲) تیسیر القاری ترجمہ صحیح بخاری میں ہے۔  
گوئند تجویزِ خلائیدن حسریدہ بر گور رہے نمود کہ گور را از زمین بلند  
آوردن و خیمہ بر دے زدن روا باشد۔

حدیث جریدہ سے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ قبر کو زمین سے بلند کرنا اور اس  
پر خیمہ لگانا جائز ہو۔

کیونکہ جب جریدہ کی تسبیحات میت کے لیے فائدہ کرتی ہیں تو خیمہ یا خالقہوں  
میں بیٹھ کر جو لوگ قرآن شریف یا دوسرے وظائف پڑھیں گے تو بطریق اولیٰ میت  
کے لیے نفع پہنچے گا۔ تو قارئین کرام کے دھوپ یا بارش سے بچنے کے لیے قبر پر خیمہ  
یا قبتہ بنا لیا جائے تو بہتر ہے تاکہ قارئین آرام سے درود شریف، قرآن شریف پڑھنے  
کے لیے بیٹھ سکیں۔

(۱۳) جذب القلوب میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے۔  
عمر بن عبد العزیز حکم ولید بن عبد الملک آزاہدم کروہ بجاہرہ منقوشہ بر آورد  
و بر ظاہر آں خطیرہ دیگر بنا کرد۔

عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے ولید بن عبد الملک کے حکم سے حجرہ شریفہ کو شہید  
کر کے عمدہ عمدہ منقش پتھروں سے گنبد اطہر تعمیر کرایا۔

یہ تو ظاہر ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ شریف پر گنبد عالی بنا  
ہوا ہے اور یہ بھی مخفی نہیں کہ حجرہ شریفہ کی تعمیر صحابہ کے زمانہ میں ہوئی اس وقت کسی  
صحابی یا تابعی سے انکار مروی نہیں۔ نہ کسی نے حدیث منع بنا کی پیش کی۔ اگر روضہ  
شریف کو اس حکم سے مستثنیٰ کیا جاتا ہے تو اس استثناء کی کوئی دلیل چاہیے۔ اگر  
اس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہو تو سیدنا ابو بکر و سیدنا عمر رضی اللہ  
عنہما بھی تو اسی حجرہ شریفہ میں مدفون ہیں۔ ان کے لیے اس بنا علی القبر کو کیوں جائز  
رکھا گیا۔ معلوم ہوا کہ صحابہ کی قبور قبے بنانا منع نہیں۔ اگر منع ہوتا تو صحابہ و تابعین و  
تابع تابعین ضرور منع فرماتے۔ بلکہ ہرگز بننے نہ دیتے۔ اگر یہ کہا جاوے کہ حجرہ شریفہ کی

عزرت و دفن سے پہلے نبی ہوئی تھی اور ممنوع وہ ہے جو دفن کے بعد ہو۔  
 میں نے کہتا ہوں بخاری شریف میں ہشام بن عروہ اپنے والد سے روایت کرتے  
 ہیں کہ ولید بن عبد الملک کے عہد میں جبکہ روضہ مطہرہ کی دیوار گری۔ تو اس کی تعمیر  
 کرنے لگے تو ایک قدم ظاہر ہوا۔ لوگ گھبرا گئے کہ یہ قدم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم  
 کا ہے۔ کوئی پہچاننے والا نہ تھا۔ حضرت عروہ نے کہا کہ یہ قدم مبارک حضرت عمرؓ کے  
 رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نہیں ہے (صحیح بخاری ص ۱۸۶ جلد ۶)

اس روایت سے ثابت ہوا کہ دیوار گرنے کے بعد از سر نو تعمیر ہوئی یہ قبر پر بنا  
 ہے اور یہ بنا بعد دفن ہوئی اور اس کے ناظم حضرت عمر بن عبد العزیز خلیفہ راشدؓ تھے۔  
 (۱۴۱) شیخ عبد الحق محدث دہلوی شرح سفر السعادت میں فرماتے ہیں۔

کہ در آخر زمان بحمت اقتصار نظر عوام پر ظاہر مصلحت و تعمیر و تزویج مشاہد  
 و مقابر مشائخ و عظام رضی اللہ عنہم اجمعین دیدہ چیز با افزو و نڈتا از آنجا  
 آہست و شوکت اسلام و ارباب صلاح پدید آید خصوصاً در دیار  
 ہندوستان کہ اعدائے دین از مہنود و کفار بسیار اند و ترویج اعلاء  
 اہل اسلام این مقامات متبرکہ را کہ باعث رعب و انقیاد ایشان  
 است و بسا اعمالہا و افعال و اوضاع کہ در زمان سلف از مکروہات  
 بودہ اند۔ در زمان از مستحسناات گشتہ۔

ترجمہ اس عبارت کا یہ ہے کہ ہندوستان میں اعدائے دین کفار بہت  
 ہیں اس لیے کہ شوکت اسلام ظاہر ہو ان مقامات متبرکہ کو بلند کرنا باعث رعب  
 ہے اور سلف کے زمانہ میں بہت اعمال و افعال جو کہ مکروہات میں تھے۔ اخیر زمان میں  
 مستحسناات میں سے ہوئے۔ چونکہ ہم سچے لکھ آئے ہیں کہ بسبب تغیر زمان احکام متغیر  
 ہو جاتے ہیں پس اس لحاظ سے اگر کسی زمانہ میں قبول کامزرات پر بنانا مکروہ سمجھا گیا  
 تو اس زمانہ میں اس لیے کہ شوکت اسلام ظاہر ہو مستحسن ہوا۔

(۱۵) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَنْ يُعْظِمُ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ

کہ جو شخص شعائر اللہ کی تعظیم کرے پس تحقیق وہ تقویٰ قلوب سے ہے۔  
 امام نووی نے مقدمہ شرح مہذب میں اور علامہ نور الدین علی سمہودی نے  
 جواہر العقائد میں لکھا ہے کہ علمائے دین اعظم شعائر اللہ میں سے ہیں۔ **اَوَالْمُرَادُ مِنْ  
 شَعَائِرِ اللَّهِ اَعْلَامُ دِينِهِ وَهُوَ مِنْ اَعْظَمِ حُرْمَاتِ دِينِهِ۔**  
 حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ نے الطاف القدس میں یہی معنی لکھے ہیں۔  
 چنانچہ فرمایا۔

شعائر اللہ عبارت از قرآن و پیغامبر و کعبہ و اولیاء اللہ صہبت و ہرچہ  
 منتسب بجد بود۔ انتہی۔

معلوم ہوا کہ حضرات علماء و مشائخ شعائر اللہ میں داخل ہیں اور شعائر اللہ  
 کی تعظیم مطلوب ہے۔

(۱۶) شیخ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوت جلد اول ص ۲۳۳ میں فرماتے ہیں۔  
 در مطالب المؤمنین گفتہ است کہ مباح و اشترک اند سلف کہ بنا کردہ  
 شود بر قبر مشائخ و علمائے مشہور تا زیارت کنند ایشان را مروت و استراحت  
 پابند در آن و بنشینند در سایہ آن۔ و نقل کردہ است آنرا از مفاتیح  
 شرح مصابیح و گفتہ است کہ دیدم بہ بخارا قبور کہ عمارت کردہ شدہ  
 است بخشہائے تراشیدہ، وہ تجویز کرد آنرا اسمعیل زاہد کہ از  
 مشاہیر فقہاء است۔ انتہی۔

مطالب المؤمنین میں ہے کہ سلف نے مشائخ و علمائے مشہورین کے  
 قبور پر بنا کر نامباح رکھا ہے تاکہ لوگ زیارت کریں اور آرام پائیں اور اس کے  
 سایہ میں بیٹھیں۔ نقل کیا اس نے مفاتیح شرح مصابیح سے۔ اور کہا کہ میں نے  
 بخارا میں دیکھا کہ اینٹوں کے ساتھ قبریں عمارت کی ہوئی ہیں۔ اس کو اسمعیل زاہد  
 نے جو کہ مشاہیر فقہاء سے ہے جائز رکھا ہے۔



(۱۷) کفایہ حاشیہ ہدایہ مطبوعہ مصر کے صفحہ ۱۰۰ میں ہے۔

وَإِنْ أَهْيَلَ التُّرَابُ عَلَيْهِ لَا بَأْسَ بِالْحَجْرِ وَالْأَجْرِ وَكَذَا عَلَى  
الْقَبْرِ إِنْ أُحْتِجِحَ إِلَى الْكِتَابَةِ وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ قَاضِي خَانَ  
وَلَا بَأْسَ بِكِتَابَةِ شَيْءٍ أَوْ يُوضَعُ الْأَحْجَارُ عَلَى الْقَبْرِ لِيَكُونَ عَلَامَةً.

اگر قبر پر مٹی ڈالی جائے پھر کوئی ڈیڑھ پتھر اور اینٹ پختہ لگانے کا نہیں اسی طرح  
قبر پر کوئی ڈر نہیں، اگر کچھ لکھنے کی حاجت ہو۔ جامع صغیر قاضی خاں میں ہے کہ قبر  
پر لکھنے اور پتھروں کے رکھنے کا کوئی مضائقہ نہیں تاکہ علامت رہے۔

(۱۸) التذرع لے اصحاب کفہ کے حال میں فرماتا ہے۔

إِذِ يَتَنَازَعُونَ بَيْنَهُمْ أَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوا عَلَيْهِمْ بُيُوتًا نَارُكُمْ  
أَعْلَمُ بِهِمْ قَالَ الَّذِينَ غَلَبُوا عَلَىٰ أَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَسْجِدًا

اصحاب کفہ کا حال ظاہر ہونے پر لوگ ان کے بارہ میں جھگڑنے لگے  
کہ ان کے غار پر عمارت بنا دو۔ ان کا پروردگار ان کے حال سے خوب واقف  
ہے۔ جو لوگ ان کے معاملہ میں غلبہ رکھتے تھے انہوں نے کہا کہ ہم ان کے غار پر  
مسجد بنائیں گے۔

آیت کا مضمون صاف ہے قبور پر بنا کی اجازت نکلتی ہے۔

علامہ شہاب خفاجی حاشیہ بیضاوی میں لکھتے ہیں۔

وَكُونِهِ مَسْجِدًا أَيْدَلُّ عَلَىٰ جَوَازِ الْبِنَاءِ عَلَىٰ قُبُورِ الصُّلَحَاءِ وَنَحْوِهِمْ

كَمَا أَشَارَ إِلَيْهِ فِي الْكُشَافِ وَجَوَازِ الصَّلَاةِ فِي ذَلِكَ الْبِنَاءِ

اس کے مسجد ہونے سے سمجھا جاتا ہے کہ صلحاء کی قبور پر بنا جائز ہے جیسا کہ  
کشاف میں اس کی طرف اشارہ ہے اور یہ بھی سمجھا جاتا ہے کہ اس بنا میں نماز  
جائز ہے۔

جس حدیث میں قبور کو مسجد بنانے کی ممانعت ہے وہ نفس قبور کو سجدہ گاہ  
بنانے کے بارہ میں ہے نہ یہ کہ صلحاء کے جوار میں بھی مسجد نہ بنائی جائے۔

(۱۹) مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی نے بستان المحدثین ص ۱۱۳ میں علامہ کرمانی شارح صحیح بخاری کے حالات میں لکھا ہے۔

کہ در ایام حیات خود بر لے خود قبر سے وعاقبت خانہ در جوار قبر حضرت شیخ شیخ ابوالسحاق شیرازی درست ساختہ بود وبالائے آن قبہ عالی ترتیب کرو۔ در ہماں مقام مدفون شد

علامہ موصوف نے اپنی زندگی میں اپنے لیے قبر بنوائی اور اس پر عالیشان قبہ بنوایا پھر اسی میں مدفون ہوئے۔ فَتَبَّتْ مَا قَلْنَا۔

## امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے بنا علی القیوم کا جواز

وَمِنْ ذَلِكَ قَوْلُ الْأَيْمَةِ الثَّلَاثَةِ أَنَّ الْقَبْرَ لَا يُبْنَى وَلَا يُجْمَعُ

مَعَ قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ بِجَوَازِ ذَلِكَ (میزان شعرانی جلد اول ص ۱۹)

بعض ان اختلافی مسائل سے قول ائمہ ثلاثہ کا ہے کہ قبر پر بنا نہ کی جائے نہ چونہ گچ کی جائے اور قول ابی حنیفہ کا اس کے جواز میں ہے۔

وَلَا تُبْنَى الْقُبُورُ وَلَا تُجْمَعُ عِنْدَ الثَّلَاثَةِ وَجَوَزَ ذَلِكَ

أَبُو حَنِيفَةَ (رحمۃ الامۃ بر حاشیہ میزان)

قبر پر بنا نہ کی جائے نہ گچ کی جاوے تینوں اماموں کے نزدیک اور ابو حنیفہ نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔

اسی طرح بدایۃ المجتہد جلد اول کے صفحہ ۱۹۴ میں ہے۔

كِرَاهَ مَا يَكُ وَالشَّافِعِيُّ يَجْمَعُ الْقُبُورَ إِذَا جَازَ أَبُو حَنِيفَةَ

امام مالک و شافعی نے قبروں کا گچ کرنا مکروہ جانا اور ابو حنیفہ نے جائز رکھا

یہ عبارت زیندار ۳ ستمبر ۱۹۲۵ء سے نقل کی گئی ہے۔ ان تینوں شہادتوں سے

ثابت ہوا کہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے جواز بنا کی روایت موجود ہے تو اب

مقلدین مجوزین کا عمل اپنے امام کے قول پر ہی ہوا۔ فالحمد لله علی ذلك ۛ

## مسئلہ ہدم قباب یعنی قبوں کا کرانا

اخیر میں حسب وعدہ اس مسئلہ کو بھی صاف کر دینا چاہتا ہوں کہ قبوں کا کرانا جائز ہے یا نہیں۔ اخبار الفقہ مورخہ ۱۹۳۵ء میں ایک مضمون فقیر کی طرف سے شائع ہوا تھا۔ یہاں اسی کا نقل کر دینا کافی سمجھتا ہوں۔ وہ یہ ہے۔

جب سے ابن سعود نجدی نے مکہ معظمہ پر قبضہ کیا ہے اسلامی دنیا میں ایک فتنہ برپا ہو گیا ہے۔ طائف اور مکہ شریف میں اس کے مظالم کی کوئی حد نہیں رہی۔ سو سال کے بعد ان سرکشوں نے پھر سر اٹھایا ہے، مزارات کے قبے گرائے گئے وہ مکان جو مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے جہاں حضور علیہ السلام عالم دنیا میں تشریف لائے اس کی بے حرمتی کی گئی۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی جن کو ہند کے وہابی بھی حکیم الامت مانتے ہیں وہ جس مکان میں زمین سے آسمان تک رحمت اور برکت کے انوار مشاہدہ کریں آج نجدیوں نے اسے پامال کر دیا اور وہابیان ہند ان کی حمایت میں اس مکان کا مولد النبی علیہ السلام ہونا ہی مشکوک سمجھ رہے ہیں۔ شاید کعبۃ اللہ و روضہ نبوی کو بھی مشکوک کہیں تو عجب نہیں۔ فانالیہ وانا الیہ راجعون۔

ایڈیٹر اہلحدیث نے تو یہاں تک غلو کیا کہ ابن سعود کو سلطان محمود غزنوی علیہ الرحمۃ سے مشابہت دی اور لکھا کہ محمود غزنوی نے سومنات کے بت کو توڑا۔ اگر سلطان غزنوی کا فعل شرعاً جائز تھا تو سلطان نجد یا ان کی افواج کا یہ فعل (قبوں کا کرانا) بھی جائز ہے۔ اگر غزنوی کا فعل ناجائز تھا تو یہ بھی ناجائز ہے۔

(اہلحدیث ۲۲ مورخہ ۴ ستمبر ۱۹۲۵ء)

میرے کتاہوں کہ اہل ہند کی طرف سے سلطان غزنوی علیہ الرحمۃ کی بت شکنی کا بدلہ اس مسلم غاوی نے اس طرح لیا کہ مسلمانوں کی مقدس یادگاروں کے قبے توڑ کر اہل اسلام کے دلوں کو صدمہ پہنچایا۔ انسوس اگر اس کو شوق جہاد تھا تو کیا مسلمان

اور وہ بھی حرمین شریفین کے سکان ہی اس کی گولیوں کے نشانہ رہ گئے تھے۔ کچھ تو کعبۃ اللہ کا پاس ہوتا۔ ہائے وہ شہر جس کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ هُوَ حَرَامٌ حُرْمَةٌ اِلٰہِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ۔ جس کا کاٹنا درخت کاٹنا بھی درست نہیں۔ جس میں کسی کو حمل سلاح حلال نہیں۔ جس میں خونریزی حرام ہے۔ جس میں حضور علیہ السلام کو صرف ایک ساعت کے لیے قتال کی اجازت ہوئی پھر کسی کو اجازت نہیں ہوئی۔ آج اس شہر میں نجدیوں کے ہاتھوں جو مظالم ہوئے وہ اہل علم سے مخفی نہیں۔

اہل ہنود تو سو منات کے بت کی پرستش کرتے تھے بخلاف اہل اسلام کے کہ وہ نہ قبوں کی پرستش کرتے ہیں نہ عبادت۔ صرف یہ ہے ایک علامت تھی۔ جن سے صاحب قبر کی عظمت و عزت معلوم ہوتی تھی۔ اور بس۔ اور علامت کا رکھنا حدیث اَعْلَمُ بِهَا تَبْرًا حَتّٰی سے ثابت ہے۔ (ابو داؤد)

بقول ایڈیٹر المجددیت اگر وہاں کوئی چڑھاوے چڑھاتا تھا تو وہ قبر بلا تیسرے پر بھی چڑھا سکتا ہے۔ کیونکہ چڑھاوے مقبور کے ثواب رسانی کے لیے ہوتا ہے۔ نہ قبر کے لیے۔ پھر قبوں کے گرانے میں مجز توہن قبور اور کیا فائدہ ہوا۔ ہاں اگر چڑھاوے بند کرنا مقصود تھا تو قبروں پر پیرہ بٹھا دیا جاتا۔ کہ کوئی چڑھاوے نہ چڑھائے۔ صرف قبے گرانے سے چڑھاوے بند نہیں ہو سکتے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے درخت کاٹنے کی مثال بھی صحیح نہیں۔ اس لیے کہ وہ درخت جس کے نیچے حضور علیہ السلام نے صحابہ کرام کو بیعت کیا، خود صحابہ پر مخفی ہو گیا۔ چنانچہ بخاری شریف میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ کہا انہوں نے۔

رَجَعْنَا مِنَ الْعَامِ الْمُقْبِلِ فَمَا اجْتَمَعَ مِنَّا اِثْنَانِ عَلٰی شَجَرَةٍ الَّتِیْ  
بَايَعْنَا تَحْتَهَا كَانَتْ رَاخِمَةً مِنَ اللّٰهِ۔

ہم آئندہ سال اس جگہ آئے جہاں بیعت الرضوان ہوئی تھی۔ تو دو آدمی بھی

اس درخت پر متفق نہ ہوئے جس کے نیچے ہم نے بیعت کی یعنی اس درخت کا صحیح پتہ کسی کو نہ رہا اور وہ درخت یا اس کا انخفا خدا تعالیٰ کی رحمت تھا۔ اسی طرح مسیب فرماتے ہیں۔

لَقَدْ رَأَيْتَ الشَّجَرَةَ ثُمَّ آيْتَهَا بَعْدَ قَلَمٍ اَعْرَفُهَا۔

میں نے وہ درخت دیکھا۔ پھر میں آیا۔ تو میں پہچانتا نہ تھا کہ کونسا درخت ہے۔ دوسری روایت میں ہے۔

لَسَيْنَاهَا وَلَوْ نَقَدْنَا عَلَيْهَا۔

ہم اس کو بھول گئے اور اس پر قادر نہ ہو سکے کہ کونسا درخت ہے۔ سعید بن مسیب فرماتے ہیں۔

اِنَّ اَصْحَابَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَو يَعْلَمُوَهَا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو تو اس درخت کا علم نہیں۔ تو جب صحابہ کو اس کا پتہ ہی نہیں رہا تو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کاٹا۔ تو کس درخت کو کاٹا۔

(ثانیاً) اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کاٹ دیا اس خیال سے کہ اس درخت کی پرستش شروع نہ ہو جائے تو ابن سعود کو نہ صرف قبے اکھیر نے چاہیے بلکہ قبروں کا نام و نشان ہی مٹا دینا چاہیے تھا۔ کیونکہ جب تک قبروں کا وجود رہے گا معتقدین زیارت سے مستفیض ہوتے رہیں گے اور چڑھاوے چڑھتے رہیں گے اور وہابیوں کے دلوں سے پرستش کا وہم ہرگز زائل نہ ہوگا۔ اگر ایسا کر دیں گے (اور ان سے کچھ بعید نہیں) تو ممکن ہے کہ کوئی چڑھاوے نہ چڑھائے۔ لیکن ایسا کرنا خود حدیث کے خلاف مانتے ہیں۔ کیونکہ قبر کو مستقیم یا مسطح علی اختلاف الاقوال کرنا اور اس کا نشان قائم رکھنا احادیث سے ثابت ہے تو بہر حال وہابیوں کا یہ فعل کسی طرح محمود و مغزلی علیہ الرحمۃ سے مشابہت نہیں رکھتا۔

(ثالثاً) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے درخت کاٹنے سے استدلال کر کے قبروں

کے کرنے کا بوجھ یا وجوب سمجھنا قیاس ہے اور قیاس مجتہد کا کام ہے اور اس زمانہ میں کوئی مجتہد نہیں۔

ہاں وہ حدیث جو اہل حدیث ۳۱ اکتوبر میں اور عبدالحق فاروقی کے مضمون میں اور مانسروی کے مطبوعہ اشتہار میں اور قرشی کے مزارات حجاز میں صحیح مسلم سے نقل کی ہے ہم چاہتے ہیں کہ اس کی تحقیق کریں۔ اس حدیث کے سوا کوئی ایسی اور حدیث ہاویں قبہ کے مضامین میں میری نظر میں نہیں گزری جس سے قبوں کا گرانادینی حکم یا ثواب سمجھا جائے۔ بہر حال وہ حدیث یہ ہے۔

عَنْ أَبِي الْهَيَّاجِ الْأَسَدِيِّ قَالَ قَالَ لِي عَلِيُّ بْنُ أَبِي رَافِعٍ أَنَّهُ سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ لَا تَدْعُ تَمَثَلًا إِلَّا طَهَّسْتَهُ وَلَا تَبْرَأَ مَشْرَفًا إِلَّا سَوَّيْتَهُ (مسلم ص ۲۱۱ جلد اول)

حضرت علی نے ابوہیاج اسدی کو فرمایا کہ کیا میں تمہیں اس کام کے لیے نہ بھجوں جس کے لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بھیجا تھا یہ کہ کوئی تصویر نہ چھو مگر کہ مٹا دے اس کو اور نہ کوئی قبر بلند کہ برابر کر دے اس کو۔

وہاں بیان ہند اس حدیث سے استدلال کر کے قبوں کے گرانے کو دینی حکم سمجھتے ہیں اور ابن سعوی کے اس فعل کو تمثیل حکم نبوی مانتے ہیں حالانکہ اس حدیث کی سند میں حبیب بن ثابت ایک راوی ہے جو البووائل سے بلفظ عن روایت کرتا ہے حبیب مذکور مدلس ہے اور مدلس کی معنی محدثین کے نزدیک قابل حجت نہیں ہوتی۔ اس لیے یہ حدیث قابل حجت نہیں۔

حافظ ابن حجر طبقات المدلسین میں فرماتے ہیں۔

جَيْبُ بْنُ أَبِي ثَابِتٍ الْكُوْفِيُّ تَابِعِي مَشْهُورٌ يَكْثُرُ التَّمَثُّلَ لَيْسَ

اس مضمون کے طبع ہو جانے کے بعد رسالہ تحریک و ہدایت میں مولوی ثناء اللہ نے حدیث من رای منکم منکرا لکھی ہے جس کا جواب اس مضمون میں دیا جائیگا انشاء اللہ منہ اجہ میں حضرت علی کی حدیث چند اسناد سے مروی ہے وہ صحیح نہیں

وَصَفَّهُ بِذَلِكَ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَالذَّامِرُ قَطْنِي وَغَيْرُهُمَا وَنَقَلَ أَبُو  
بَكْرُ بْنُ عَيَّاشٍ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْهُ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ لَوْ أَنَّ سَجَلًا  
حَدَّثَنِي عَنْكَ مَا يَأْتِي أَنْ مَرَّوَيْتَهُ عَنْكَ يَعْنِي اسْتَقْطَطَهُ  
مِنَ الْوَسْطِ -

حبیب بن ابی ثابت مشہور تابعی ہیں۔ تدلیس بہت کیا کرتے ہیں ابن خزیمہ  
دوار قطنی وغیرہما نے اس کی یہ وصف بیان کی ہے۔ اعمش کہتے ہیں کہ حبیب فرمایا  
کرتے تھے اگر کسی آدمی نے مجھ تجھ سے حدیث روایت کی ہو تو میں اس کو درمیان  
سے ساقط کر کے تجھ سے روایت کرنے میں پرواہ نہیں کرتا۔  
معلوم ہوا کہ وہ مدلس ہے اور خود تدلیس کا اقرار کرتا ہے۔

حافظ ابن حجر تہذیب التہذیب میں فرماتے ہیں۔  
قَالَ ابْنُ حِبَّانٍ فِي الثَّقَاتِ كَانَ مُدَلِّسًا پھر آگے لکھا ہے قَالَ  
ابْنُ خُزَيْمَةَ فِي صَحِيحِهِ كَانَ مُدَلِّسًا۔

ابن حبان نے ثقات میں ابن خزیمہ نے صحیح میں لکھا ہے کہ حبیب مدلس  
تھا۔ نیز حافظ ابن حجر لکھتے ہیں۔

قَالَ ابْنُ جَعْفَرٍ النَّعَّاسِ كَانَ يَقُولُ إِذَا حَدَّثَنِي رَجُلٌ عَنْكَ  
بِحَدِيثٍ ثُمَّ حَدَّثْتُ بِهِ عَنْكَ كُنْتُ صَادِقًا۔

ابن حجر فرماتے ہیں کہ حبیب کہا کرتا تھا جب میرے پاس کوئی شخص تجھ  
سے روایت کرے پھر میں اس کو ساقط کر کے تجھ سے روایت کروں تو میں صادق  
ہوں گا۔

دیکھو اس میں بھی حبیب کو تدلیس کا اقرار ہے اور اصول حدیث میں  
مصرح ہے کہ مدلس کی معنی حجت نہیں۔  
قالہ النووی فی شرح صحیح مسلم وغیرہ فی غیرہ۔

اگر کہا جاوے کہ یہ راوی صحیح مسلم کا ہے اور صحیحین میں جو مدلس ہیں ان کا

کسی نہ کسی طریق میں سماع ثابت ہے۔

میں کہوں گا کہ مولوی ابراہیم سیالکوٹی نے حدیث وَاِذَا اقْرَبْتُمْ فَاَنْصِتُوا کو جو صحیح مسلم کی حدیث ہے اسی تدلیس کے سبب قابل حجت نہیں سمجھا۔ وہاں یہ خیال نہ آیا کہ یہ مسلم کی حدیث ہے۔ علاوہ اس کے میں جہاں تک ہو سکا حدیث علی رضی اللہ عنہ کی اسناد کو دیکھا کسی طریق میں حدیب نے تصریح سماع نہیں کی اس لیے بھی یہ حدیث قابل حجت نہیں ہو سکتی۔

علاوہ اس کے اس حدیث سے قبروں کا زمین کے برابر کرنا ثابت ہوتا ہے جو حدیث شبر و احادیث تسنیم و حدیث اعلم بہا قبر اخی کے خلاف ہے۔ ہاں وہاں بیان نجد و ہند کو لازم ہے کہ پہلے یہ ثابت کریں کہ اہل اسلام قبروں پر قبے بتایا کرتے تھے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ان کے گرانے کے لیے حضرت علیؓ کو بھیجا۔ و دونه خرط الفتاد۔

ہمارے بعض علماء نے انعام کا اشتہار دیا ہے کہ اگر کسی مسلمان کی قبر کو زمانہ نبوی میں گرایا گیا ہو تو اس کا نام اور پتہ لکھنے پر فی قبر کچھ انعام دیا جائے گا۔ مگر آج تک کسی وہابی نے کسی ایک مسلمان سے کسی صحابی یا تابعی کی قبر کا ڈھانا ثابت نہیں کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ قبور مشرکین کے تسویہ پر مامور ہوئے تھے کیونکہ ان کی کچھ عزت نہیں ان کا ہموار زمین کرنا بلکہ ہڈیوں کو بھی باہر نکال دینا احادیث سے ثابت ہے۔

علامہ ابن الترمذی علیہ الرحمۃ جوہر التقی کے جلد اول ص ۲۶۵ میں فرماتے ہیں۔

قُلْتُ الظَّاهِرُ أَنَّ الْمُرَادَ قُبُورَ الْمُشْرِكِينَ بِقَرْنَيْنِ عَطْفِ التَّمَالِ  
عَلَيْهَا وَكَانُوا يُجْمَلُونَ عَلَيْهَا الْأَنْصَابَ وَالْأَبْنِيَةَ فَأَرَادَ عَلَيْهِ

السَّلَامُ إِزَالَةَ أَثَارِ الشِّرْكَ (جوہر التقی)

ظاہر یہ ہے کہ حدیث علی رضی اللہ عنہ میں مراد قبور مشرکین ہے اور اس پر قرینہ یہ ہے کہ تمثال (تصویر) کا عطف قبر پر ڈالا گیا ہے اور مشرکین قبروں پر بت اور بنائیں



بنایا کرتے تھے۔ تو حضور علیہ السلام نے شرک کے آثار مٹانے کے لیے قبور مشرکین کے تسویہ کا حکم فرمایا۔

پس اگر اس میں قبور مشرکین مراد ہیں تو ہمیں اس میں کچھ کلام نہیں بلکہ میں کتنا ہوں کہ یہی صحیح ہے۔ کیونکہ بخاری شریف میں حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک کنیسہ کا ذکر کیا ہے جو اس نے ارض حبشہ میں دیکھا۔ تو اس نے جو تصویریں دیکھیں ان کا ذکر کیا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

أُولَئِكَ قَوْمٌ إِذَا مَاتَ نِيَهُمُ الْعَبْدُ الصَّالِحُ بِنَوَاعِلِ قَبْرِهِ مَسْجِدًا  
وَصَوْرًا وَإِنِّي بِلَيْكِ الصُّورِ أَوْلَيْكَ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللَّهِ۔

یہ ایک قوم ہے جب ان میں کوئی صالح بندہ فوت ہو جاتا تو اس کی قبر پر مسجد بنا لیتے اور اس میں یہ تصویریں بناتے یہ لوگ اللہ کے نزدیک شر المخلوق ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مشرکین قبروں پر مسجدیں اور تصویریں بناتے تھے اس لیے انہی کی قبریں گرانے اور تصویریں مٹانے کا حضور علیہ السلام نے حکم دیا کیونکہ مشرکین کی قبور کی کوئی عزت نہیں۔ خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کے واسطے قبور مشرکین کے اکھیڑنے کا حکم دیا۔ (بخاری) حافظ ابن حجر فتح الباری جلد ۲ ص ۲۱۱ میں لکھتے ہیں۔

أَمَا الْكُفْرَةُ فَإِنَّهُ لَا حَرَجَ فِي نَبْشِ قُبُورِهِمْ إِذْ لَا حَرَجَ فِي  
إِهَانَتِهِمْ۔

کافروں کی قبریں اکھیڑنے اور ان کی اہانت میں کوئی حرج نہیں۔ کلام تو اہل اسلام بالخصوص صحابہ کرام و اولیائے عظام کی قبور کے قبے گرانے میں ہے کہ اس میں توہین قبور اہل اسلام ہے جو بالاتفاق ممنوع ہے۔ حاکم و طبرانی عمارہ بن حزم رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے مجھے ایک قبر پر بیٹھے دیکھا اور فرمایا۔

انزل من القبر لا تؤذي صاحب القبر ولا يؤذيك

قبر سے اتر جا۔ نہ تو صاحب قبر کو ایزا دے۔ نہ وہ تجھے۔

تو وہابیوں کا قبروں پر چڑھنا اور ان کو گرانہ کیا ایزا نہیں۔

حضرت سیدنا عبدالشکر بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کسی نے قبر پر پاؤں رکھنے

کا مسئلہ پوچھا تو آپ نے فرمایا۔

كَمَا أَكْرَهَ إِذَى الْمُؤْمِنِ فِي حَيَاتِهِ فَإِنِ أَكْرَهَ إِذَا مَاتَ مَوْتَهُ وَسَعِيدِ بْنِ

مصور جس طرح زندہ مسلمان کی ایزا مجھے ناپسند ہے اسی طرح مردہ کی ایزا بھی

میں ناپسند کرتا ہوں۔

علامہ شامی فرماتے ہیں۔

إِنَّ الْمَيِّتَ يَتَأَذَى بِمَا يَتَأَذَى بِهِ الْحَيُّ

جس چیز سے زندوں کو ایزا ہوتی ہے اس سے مردے بھی ایزا پاتے ہیں۔

حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اس کلیہ کی تصریح ہے کہ فرمایا رسول کریم

صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

الْمَيِّتُ يُؤْذِيهِ فِي قَبْرِهِ مَا يُؤْذِيهِ فِي بَيْتِهِ

میت کو جس بات سے گھر میں ایزا ہوتی ہے قبر میں بھی اس سے اذیت

ہوتی ہے۔

اور ظاہر ہے کہ قبروں پر چڑھنا پاؤں سے روندنا قبروں کا گرانہ امرات کا

کھودنا اب سب امور میں یقیناً اہل قبور کی توہین اور ایزا ہے جو ہرگز حتمی مذہب

میں جائز نہیں ہے۔

میں کتاہوں مسجد جن و مسجد البقیع مولد فاطمہ رضی اللہ عنہا و مولد النبی صلی اللہ علیہ

وسلم و مولد ابی بکر رضی اللہ عنہ مسجد کوثر مذبح اسمعیل علیہ السلام کیا یہاں بھی قبریں تھیں

پھر یہ مقامات کیوں منہدم کیے گئے۔ یہ کہنا کہ یہاں شرک کیا جاتا تھا بالکل غلط

اور سراسر انتراد ہے۔ البتہ زائرین ان مقامات میں جا کر دعائیں مانگتے تھے اور نفل

پڑھتے تھے اور مقامات متبرکہ میں نماز پڑھنا حدیث معراج سے ثابت ہے، انسائی  
 میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ میرے پاس ایک  
 دابہ لایا گیا جو پتھر سے کم اور گدھے سے بڑا تھا۔ میں اس پر سوار ہوا، میرے ساتھ جبریل  
 تھے کہنے لگے اترا نماز پڑھ۔ میں اترا نماز پڑھی۔ جبریل نے کہا اَتَدْرِى اَیْنَ صَلَّیْتَ  
 صَلَّیْتَ بِطَبِیَّةٍ اَب جَانْتِہِیْ کہ آپ نے کہاں نماز پڑھی۔ آپ نے مدینہ میں  
 نماز پڑھی ہے، اسی کی طرف ہجرت ہوگی۔ پھر کہا اترا نماز پڑھ۔ میں اترا اور نماز پڑھی۔ کہا  
 اس نے آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے کہاں نماز پڑھی۔ آپ نے طور سینا پر نماز  
 پڑھی۔

جہاں موسیٰ علیہ السلام نے کلام کی تھی۔ پھر کہا اترا اور نماز پڑھی۔ کہا  
 آپ کو معلوم ہے آپ نے کہاں نماز پڑھی۔ آپ نے بیت لحم میں جہاں حضرت عیسیٰ  
 علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تھی۔ وہاں نماز پڑھی ہے۔ پھر بیت المقدس میں داخل  
 ہوا۔ وہاں سب انبیاء جمع ہوئے۔ تو جبریل نے مجھے آگے کیا۔ تو میں ان کی امامت  
 کرائی۔ علاوہ اس کے قرآن شریف سے ثابت ہے کہ جس زمین کے ٹکڑے پر نماز  
 پڑھی جائے گی۔ وہ قیامت کے دن شاہد ہوگا چنانچہ فرمایا یَوْمَئِذٍ تُخْبِرُکَآ  
 تُو اَسْ لَیْسَہِیْ اَیْسَہِیْ مَقَامَاتُ کُو شَآہِدُہِیْ اَیْسَہِیْ خُوشِ قَسْمَتِہِیْ ہے۔ اَسْوَسَ عِیْسَہِیْ  
 علیہ السلام کی مولد شریف میں تو حضور علیہ السلام نفل پڑھیں اور اس مقام کی زیارت  
 کریں لیکن سُرُّ عَالَمِ صَلِّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کے مولد مبارک کو نجدی مزرعہ بنائیں تفت  
 ہے ایسی مسلمانوں پر۔

اخیر میں ہم نجدیوں کے حامیوں سے دریافت کرتے ہیں کہ ابن سعود کی  
 طرف سے جو اعلان شائع ہوا تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ شریف کو  
 کسی قسم کا ایذا نہ پہنچایا جائے گا۔ اس کی کیا وجہ ہے روضہ شریف اس ممانعت  
 میں داخل نہیں۔ جس دلیل سے وہ مزارات کے قبے گراتے ہیں کیا روضہ شریف  
 اس سے مخصوص ہے اگر ہے تو دلیل خصوصیت بیان فرمائی جائے۔ اگر نہیں تو

ابن سعود کا یہ وعدہ کیا جسے رکھتا ہے کیا یہ طفل تسلیم نہیں ہے۔ بے شک ابن سعود کا محض دھوکا ہے جس کا مذہب یہ ہو لو اقدار علی الحجرة النبویہ لهدامتها وہ قدرت پانے پر کب باز رہ سکتا ہے۔ قالی اللہ المشتکی من ضیع الاعداء۔  
اللهم طهر ارض الحرمین الشرفین من انجاس الوهایین  
النجدایین امین یارب العلمین

مزارات کے قہر گرانہ والوں پر علامہ ابن النابلسی رحمہ اللہ

## کا فتوے

علامہ اسماعیل حقی صاحب تفسیر روح البیان جلد چہارم ص ۲۷ میں لکھتے ہیں  
وفی کشف التور لا بن النابلسی اما قول بعض المغرورین  
بانتانخاف علی العوام اذا اعتقدوا ولینا من الاولیاء وعظمو  
قبرہا والتمسوا البرکة والمعونة منه ان یدارکھم اعتقاد ان  
الاولیاء توثر فی الوجود مع اللہ فیکفرون ولینا کون باللہ تعالیٰ  
فمنہم عن ذلک ونہدیم قبور الاولیاء وترفع البنایات  
الموضوعة علیہا ونزیل السور عنہا وتجعل الہانتہ للاولیاء  
ظاہراً حتی تعلم العوام الجاہلون ان ہولاء الاولیاء یوکلوا  
مؤثرین فی الوجود مع اللہ تعالیٰ لدانواعن الفسہم ہذیہ  
الہانتہ التي نفعلہا معہم فاعلوان ہذا الضیع کفر  
صراح ماخوذ من قول نراعون علی ما حکاہ اللہ تعالیٰ لنا فی  
کتابہ القدیم وقال نراعون ذرونی اقتل موسی ولیدع  
ربہ انی اخاف ان یتبدل کواوا ان یتظہر فی الارض الفساد۔

کشف النور میں علامہ ابن نابلسی فرماتے ہیں یہ جو بعض مغرور کہتے ہیں کہ ہم عوام پر ڈرتے ہیں کہ جب وہ کسی ولی کے معتقد ہو جائیں گے اور اس قبر کی تعظیم کریں گے اور اس سے برکت اور امداد طلب کریں گے تو ان میں یہ اعتقاد پیدا ہو جائے گا کہ اولیاء اللہ حق سبحانہ کے ساتھ وجود میں تاثیر رکھتے ہیں تو اس اعتقاد کے سبب کافر اور مشرک ہو جائیں گے تو ہم ان کو اس سے منع کرتے ہیں اور اولیاء کی قبروں کو ڈھالتے ہیں ان پر جو عمارتیں ہیں ان کو اٹھا دیتے ہیں ان کے غلاف اتارتے ہیں اور ظاہر اولیاء اللہ کی اہانت کرتے ہیں تاکہ عوام لوگ معلوم کر لیں کہ یہ اولیاء اللہ اگر کچھ بھی تاثیر رکھتے تو اس اہانت کو جو ہم کرتے ہیں اپنے نفسوں سے روکتے (یعنی قبے گرانے والوں سے یہی باتیں اخباروں میں شائع ہوئیں پس جان لو کہ یہ کام صریح کفر ہے اور فرعون کے تول سے ماخوذ ہے جو اُس نے کہا تھا کہ مجھے چھوڑ دو میں موسیٰ کو قتل کروں اور وہ اپنے رب کو بلاوے میں ڈرتا ہوں کہ وہ تمہیں بدل دے گا یا زمین میں نساؤں ظاہر کرے گا۔

میرے کتابوں کہ اسی طرح قبے گرانے والے کہتے ہیں کہ ہم قبے گراتے ہیں اگر ان میں کچھ طاقت ہے تو ہمیں روکیں اور نہیں جانتے کہ اولیاء اللہ کبریا اللہ ہی کچھ نہیں کرتے خود غیرت الہی ایسے لوگوں کو بیکرطیبتی ہے۔ اس لیے ہم یقین کرتے ہیں کہ وہ وقت جلد آئے گا کہ غیرت الہی ان ظالموں کو نباہ کرے گی۔

## حدیث من راہی منکر منکرا

کہتے ہیں کہ نجدیوں نے اس حدیث کی بنا پر مزارات پر سے قبے اتارے میں کتابوں پیچھے گذرا کہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے جواز بنا کی روایت موجود ہے سلف اس کی اباحت کے قائل ہیں۔ نہی تحریمی کا کوئی ثبوت نہیں تو جب اس کا منکر ہونا ہی ابھی ثبوت نہیں، تو اس حدیث کے تحت کیسے آسکتا ہے۔ اگر اس کو منکر سمجھو گے تو روضہ شریف بھی مسجد نبوی بھی کعبہ شریف بھی۔ بلکہ عام

مسلمانوں کے دو منزلہ سے منزلہ پختہ گھر بھی سب واجب الہم ہوں گے۔ وہ ہو  
کما ترے۔

علاوہ اس کے فصل الخطابات فی رد ضلالت ابن الوہاب میں احمد  
مصری لکھتے ہیں۔

تَهْدِيُو قُبُورًا شُهَدَاءِ الصَّحَابَةِ الْمَذْكُورِينَ لِأَجْلِ الْبِنَاءِ عَلَى  
قُبُورِهِمْ ضَلَالَةٌ أَيْ ضَلَالَةٌ۔

شہدائے صحابہ رضی اللہ عنہم کی قبور کو گرانا اس لیے کہ ان کی قبروں پر قبے  
وغیرہ بنے ہوئے ہیں گمراہی ہے بڑی گمراہی

یہی علامہ اسی کتاب میں فرماتے ہیں

فَلَا يَقْدَامُ عَلَى الْهَدَامِ الْأَرْجُلُ مَبْتَدِعٌ ضَالٌّ۔

قبروں کے گرانے میں بدعتی اور گمراہ شخص کے سوا کوئی دوسرا ہرأت نہیں  
کرتا۔

وَأَيْكُنْ هَذَا الْآخِرُ مَا رَدْنَا فِي هَذَا الْبَابِ۔ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

# وہابیہ سے مناجحت

# بِسْمِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ط

بعد حمد و صلوة

فقیر الیوسف محمد شریف وہابیوں کی خدمت میں عرض پر واز سے کہ تاریخ اسلام میں جہاں بڑے بڑے حوادث رونما ہوئے وہاں ایک حادثہ یہ بھی ہے کہ محمد بن عبدالوہاب کے دور سے مسلمانوں کو مشرک اور بدعتی کہنے کی ایک ایسی رسم چل نکلی ہے کہ آج تک بات بات پر مسلمانوں کو مشرک اور بدعتی کہا جاتا ہے۔

یا رسول اللہ! کیا مشرک، قبر رسول پر جانا مشرک، مقبولان النبی سے توسل مشرک، تقلید شخصی مشرک، میلاد میں قیام و سلام مشرک، گیارہویں شریف مشرک حضور کا عالم ماکان و مایکون ماننا مشرک، حضور کو مالک و مختار جاننا مشرک۔ الغرض کس کس بات پر مسلمانوں پر مشرک کا گھناؤنا الزام لگایا جاتا ہے، یہ آپ لوگ بخوبی جانتے ہیں۔

رہا بدعت کا معاملہ تو اس سلسلہ میں آپ کا بچہ بچہ مبلغ ہے۔ بدعت کا لفظ تو آپ کا نکیہ کلام بن چکا ہے۔ کھانے پر خدا کا کلام پڑھنا بدعت، ایصال ثواب بدعت، تیجا، دسواں اور چالیسواں بدعت، میت کے بعد میں تین دن تک کلمہ پڑھنا بدعت، میت کی اسقاط بدعت، جنازہ کے بعد بدعت، میلاد کا جلوس بدعت اور نہ جانے کیا کیا بدعت۔

جمع اہل سنت و جماعت آپ کی نظر میں مشرک بھی ہیں اور بدعتی بھی اور قرآن و حدیث کی رو سے دونوں کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ جن کو آپ لوگ مشرک اور بدعتی کہتے ہیں، کیا فی الحقیقت وہ مشرک اور بدعتی ہیں؟ اس کا فیصلہ آج تک نہیں ہو سکا۔ یہ تو احکم الحاکمین کی عدالت میں پتہ چل جائے گا کہ کلمہ توحید کا ورد کرنے والے ارکان اسلام پر ایمان رکھنے والے، میلاد مصطفیٰ منانے والے، خدا کے حبیب کی خوشیاں منانے والے، پاکانِ خدا سے نسبت و محبت رکھنے والے مشرک تھے یا مومن؟



ان سطور کے ذریعے، آپ کے سامنے، اپنی بریت کرنا مقصود نہیں بلکہ ایک اہم مسئلہ کی جانب دہا بی حضرات کی توجہ دلانا مقصود ہے۔ آپ ہم کو مشرک اور بدعتی بھی کہتے ہیں۔ پھر ہمارے ساتھ رشتے ناٹے بھی کرتے ہیں۔ آئندہ سطور میں آپ کی خدمت میں قرآن اور حدیث پیش کر رہا ہوں جس کا لب لباب یہ ہے کہ:

ہمیں مشرک اور بدعتی کہنا چھوڑ دیں۔  
 اگر یہ ممکن نہیں تو ہم سے رشتے ناٹے کرنا چھوڑ دیں،  
 فقیر ابو یوسف محمد شریف

# قرآن شریف

اب سینے اتق سبحانہ، و تعالیٰ کیا ارشاد فرماتا ہے۔

## پہلی آیت

وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ  
مُّشْرِكٍ ذَكَرُوا الْعَجْبُكُوبُ ۝ ۶

مشرک مردوں کے ساتھ (مومنہ عورتوں کا) نکاح نہ کرو۔ یہاں تک کہ وہ  
مشرک ایمان لائیں۔ البتہ غلام مومن بہتر ہے۔ مشرک سے اگرچہ تمہیں مشرک پسند  
آوے۔

دیکھئے یہ آیت منع کرتی ہے۔ کہ کوئی وہابی جو حنفیہ کو مشرک کہتا ہے۔ وہ  
حنفیہ کو لڑکی نہ دے۔ تجتب ہے۔ کہ آپ لوگ دیدہ دانستہ اس آیت کے حکم کا  
خلاف کرتے ہیں۔ حنفیہ کو مشرک بھی کہتے ہیں اور لڑکیاں بھی دے دیتے ہیں۔ دیکھو اللہ  
تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ تمہیں وہ مشرک کیسا ہی پسند آوے۔ یعنی خوبصورت ہو۔ نوجوان  
ہو۔ مالدار ہو۔ اس کی ماں بھی نہ ہو۔ اکیلا گھر ہو تو بھی اسے ناطہ نہ دو۔ مگر آپ اس حکم  
کا خلاف کرتے ہو۔ اب وہابیہ کی جان عذاب میں ہے۔ یا تو حنفیہ کو مشرک کہنا سمجھنا  
چھوڑیں یا ان کے ساتھ رشتہ داری کرنا بند کر دیں۔

دو گونہ رنج و عذاب است جان مجنوں را

بلائے صحبت لیلیٰ و فرقت لیلیٰ

لیکن مشرک کہنا، سمجھنا تو امید نہیں کہ چھوڑیں۔ البتہ رشتہ لینا دینا بند

کر دیں گے۔ فہو المراد۔

## تائید:

مولوی عبداللہ مدیر تنظیم ارا مارچ ۱۹۳۸ء کے پرچہ میں لکھتے ہیں۔  
ہاں اس آیت کی رو سے بریلویوں کی لڑکیاں یعنی جائزہ ہوں گی۔ ان کو  
دینی جائزہ نہیں ہوں گی۔  
البتہ اگر یوں لکھتے۔ کہ در صورت مشرک سمجھنے کے ہرگز بریلویہ کو لڑکیاں نہیں  
دے سکتے۔ تو یہ بالکل درست تھا۔ لینا دینا دونوں بند کرنا کسی صورت میں صحیح  
نہیں۔  
اور تنظیم نمبر ۲۵ مورخہ ۲۶ مئی ۱۹۳۸ء میں عاقل عبد القادر نے بھی اس کی  
تائید کی۔

## دوسری آیت

جو اسی پہلی آیت کا شروع ہے یہ ہے۔  
وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّىٰ يُوْمِنَ وَلَا مَنَّهُ مُؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ  
مُّشْرِكَةٍ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُوْمِنُوا  
مشرکہ عورتوں کو نکاح میں نہ لاؤ۔ یہاں تک کہ ایمان لائیں البتہ نوٹڈی مؤمنہ  
بہتر ہے۔ آزاد مشرکہ سے اگرچہ وہ مشرکہ تمہیں پسند لگے۔  
دیکھیے! یہ آیت منع کرتی ہے کہ کوئی وہابی کسی حنفی کے گھر ناٹھ کرے اور  
حنفی عورت کو اپنے نکاح میں لائے۔  
کیونکہ وہ حنفی عورت اس کے نزدیک مشرکہ ہے اور مشرکہ کے ساتھ نکاح کرنا  
اللہ تعالیٰ منع فرماتا ہے۔ تو اب کسی وہابی کو جائز نہیں کہ وہ کسی حنفی عورت کے  
ساتھ نکاح کرے۔ انسوس! اس زمانہ کے مدعیان عمل بالقرآن والحدیث خدا  
تعالیٰ کے اس حکم کا صریحاً خلاف کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ حنفیوں کے ساتھ

رشتہ داری کریں اور ان کی لڑکیاں لیں اور اپنی لڑکیاں ان کو دیں تو ان کے لیے صرف ایک صورت ہے کہ حنفیہ کو مشرک بدعتی نہ لکھیں نہ سمجھیں تو اس آیت کی زد سے بچ سکتے ہیں۔ در صورت مشرک سمجھنے کے ہرگز رشتہ داری حنفیوں سے نہیں کر سکتے۔ اگر وہابی حنفیوں کو بدعتی مشرک لکھنا کہنا سمجھنا چھوڑ دیں تو آج ہی رشتہ یقیناً دینا شروع ہو جاتا ہے۔

## تاسید

مولوی عبدالقادر حصاری نے ۲۶ اگست ۱۳۸۰ء کے تنظیم میں اس کی تائید کی کہ مصنف کے ساتھ اس امر میں مجھے پورا اتفاق ہے کہ ہم اہلحدیث ان رسمی حنفیوں کو کافر مشرک جانتے ہیں۔ اور اس امر میں بھی اتفاق ہے کہ ایک دوسرے سے رشتہ ناظرین دین کا معاملہ نہیں کرنا چاہیے۔

## تیسری آیت

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا  
إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً ۚ بَلَّغَ ۙ

اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ ہے، کہ اس نے پیدا کیں  
تمہارے واسطے تمہاری جنس سے عورتیں تاکہ تمہیں ان سے سکون حاصل ہو اور تمہارے  
درمیان دوستی اور رحمت کر دی۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ بی بی اور خاوند کی آپس  
میں محبت اور دوستی ہونی چاہیے اور دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ ورسول  
کے مخالفوں سے دوستی نہیں چاہیے۔ خواہ باپ ہو۔ یا بیٹا یا بھائی وغیرہ چنانچہ فرمایا۔  
لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ  
وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ۔

یہ تو ظاہر ہے کہ وہابی ہم کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے

مخالفت سمجھتے ہیں اور ہم ان کو مخالفِ خدا اور رسول جانتے ہیں اور اس آیت میں صاف تصریح ہے کہ خدا اور رسول کے مخالفوں سے دوستی کسی مسلمان کا کام نہیں اور رشتہ داری کرنا محبت اور دوستی سے ہوتا ہے پھر میاں بی بی کی آپس میں دوستی و محبت ضروری ہے تو ایک دوسرے کو مخالفِ خدا اور رسول سمجھتے ہوئے باہمی رشتہ کرنا اس آیت کے صریحاً خلاف ہے۔ تو یہاں بھی وہابیوں کے لیے صرف ایک بات ہے، یا تو حقیقوں کو خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف نہ سمجھیں یا رشتہ لینا دینا چھوڑ دیں۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ حقیقوں کو مخالفِ خدا اور رسول بھی سمجھا جائے۔ پھر رشتہ داری بھی شروع رہے۔

## تائید

مولوی عبدالقادر حصارمی ۲۶ اگست کے تنظیم میں اس کی تائید کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ مشرک مومن کا اور زانی، عقیق کا کفو نہیں۔ دوسرے یہ کہ ایک سے دوسرے کو اس گناہ کی علت نہ لگ جائے۔ جو مناکحت مجالست اور مصاحبت کو مستلزم ہے۔ جس کا اثر ایک دوسرے کو پہنچنا لازمی ہے۔ یعنی مصاحبت سے وہ ضرور متاثر ہو جائیں گے۔ ان مفاسد کی وجہ سے مناکحت حرام کر دی۔ انتہی۔

## چوتھی آیت

فَلَا تَقْعُدُوا بَعْدَ الذَّكْرِىٰ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِيْنَ  
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اگر شیطان تجھے بھلا دے تو یاد آنے پر ظالموں کے

پاس نہ بیٹھ۔

فرمائیے! کہ بد مذہب سے زیادہ ظالم کون ہے۔  
تفسیر احمدی میں لکھا ہے کہ بدعتی فاسق کافر سب ظالم ہیں  
تو ان میں سے کسی کے پاس بیٹھنا اس آیت کے ساتھ منع ہوا۔ اب سوچو اور

غور کرو کہ وہابی ہمیں بدعتی کہتے ہیں۔ وہ ہمیں فاسق جانتے ہیں۔ وہ ہمیں کافر  
مشرک کہتے ہیں تو ان کو ہمارے ساتھ ساتھ مل بیٹھنا منع ہے۔ چہ جائیکہ رشتہ داری  
کی جائے۔ کیونکہ بیوی خاوند کا آپس میں مل بیٹھنا یقینی ہے۔ اس صحبت دائمہ سے  
زیادہ اور کوئی صحبت نہیں تو اس آیت سے بھی غیر مذہب کے ساتھ رشتہ کا  
لین دین منع ہوا۔

### پانچویں آیت

وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَاِنَّهُ مِنْهُمْ۔

الترغائے فرمانا سے کہ تم میں سے جو کوئی ان سے (بیدینوں سے) دوستی  
رکھے گا وہ انہی میں سے ہوگا۔

یہ ظاہر ہے کہ بیوی خاوند کی آپس میں محبت ہوتی ہے اور بڑے مذہب والے  
سے محبت منع ہے۔ اس لیے اس کے ساتھ مناکحت بھی منع ہے۔ یہی مطلب ہے  
اس حدیث کا جس میں حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ۔

آدمی جس کے ساتھ محبت رکھتا ہے قیامت کے روز اسی کے ساتھ ہوگا۔  
پس اگر حنفی کو دوست رکھتا ہے تو قیامت کے روز حنفی کے ساتھ ہوگا آپ  
کے گمان میں حنفی مشرک بھی ہیں اور بدعتی بھی آپ کے گمان میں تو حنفیہ کا ٹھکانا جہنم  
ہوگا۔ آپ خود ہی فیصلہ کیجئے کہ حنفی سے رشتہ ناطہ کر کے آپ لوگ کہاں ہوں گے۔  
اس لیے خدا کا خوف کیجئے اور اپنے نظریہ پر نظر ثانی کیجئے اور بات بات پر حنفیہ  
کو مشرک اور بدعتی کہنا چھوڑ دیجئے۔ اگر یہ ممکن نہیں تو اپنی عاقبت بچانے کے لیے  
حنفیہ کے ساتھ رشتہ ناطہ نہ کیجئے۔

فہو المراد

## چھٹی آیت

الْخَيْثَاتُ لِلْخَيْثِثِينَ وَالْخَيْثُونَ لِلْخَيْثَاتِ - وَالطَّيِّبَاتُ  
لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ -

پلید عورتیں پلید مردوں کے لیے اور پلید مرد پلید عورتوں کے لیے ہیں اور  
پاک عورتیں پاک مردوں کے لیے اور پاک مرد پاک عورتوں کے لیے۔  
اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ اپنے اپنے فرقوں میں نکاح ہونا چاہیے۔  
کیونکہ ہر شخص اپنے ہی فرقہ کو حق پر سمجھتا ہے۔ تو دوسرے فرقہ میں لڑکی دینا لینا  
باہمی نزاع پیدا کرنا ہے تو کیوں نہ اس آیت کے حکم کے مطابق پلید (یعنی باطل)،  
فرقہ کی عورتیں اسی فرقہ کو دی جائیں جو پلید ہے اور پاک اور طیب (یعنی حق)، فرقہ کی  
عورتیں اسی فرقہ میں دی جائیں۔ جو پاک، اہل حق ہوں۔ ہذا هو الحق۔

## تائید

مولوی حصاری اس آیت کو لکھ کر کہتے ہیں کہ آیت سے بھی واضح ہوتا ہے کہ  
کہ مشرک عورتوں سے اہل حدیث موحدین کو نکاح نہ کرنا چاہیے۔  
(تنظیم ۲۶ اگست ۱۳۸۱ھ)

## ساتویں آیت

وَلَا تَلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو۔  
ظاہر ہے کہ بد مذہبی حقیقی ہلاکت ہے تو دیدہ دانستہ اپنی عزیز بچی کو بد مذہبی  
کے گڑھے میں نہ ڈالو۔ وہاں یہ آیت پر عمل کرو۔ جب تم جانتے ہو کہ حنفی مشرک اور  
بدعتی ہیں تو دیدہ دانستہ اپنی بچیوں کو اس ہلاکت میں نہ ڈالو۔

سعدی فرماتے ہیں ۔  
ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد  
فدائے یک تن بیگانہ کا آشنا باشد

## تالیف

یہی حصار می تنظیم میں لکھتے ہیں۔ قرآن میں اور جگہ آیا ہے لا تمسکوا بعصم  
الکوافر: یعنی کافرہ عورتوں کو نکاح میں مت رکھو۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ  
نے مومنوں پر کافرہ عورتوں کا نکاح حرام فرمایا ہے۔ اور ان کے نکاح پر اقامت  
کرنے سے روک دیا ہے۔ بریلویوں کی لڑکیاں مراسم شریکیہ کرنے والیاں۔ چونکہ  
عند الشرع کافرہ ہیں۔ لہذا موحدین مومنین کو ان کا نکاح میں لانا اور ان کے نکاح  
پر اقامت کرنا حرام ہوا۔ تمام اہل حدیثوں کو اس سے بچنا چاہیے۔  
سستی بھائی بھائی کے اس فتویٰ پر غور کرو کہ یہ لوگ ہمیں کیا سمجھتے ہیں۔

## احادیث

اب سنو۔ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیا فرماتے ہیں۔

### پہلی حدیث

بخاری مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔  
قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَنْكِحُ الْمَرْءُ لِرَبْعِ  
لِهَا بِهَا وَيُحْسِبُهَا وَلِجَمَائِهَا وَكِدِّيْنَهَا فَاظْفُرُ بِذَاتِ الدِّينِ  
تَرَبِثُ بِذَاتِكَ رَمَتْهُ عَلَيْهِ (مشکوٰۃ ص ۲۵۶)

فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت سے چار باتوں کے سبب نکاح  
کیا جاتا ہے، ایک تو مال کے سبب (کہ عورت مالدار ہو تو اس کے مال کے لیے



لوگ اس کے نکاح کی کوشش کرتے ہیں کہ اس کے ساتھ نکاح کرنے سے مال ملے گا یا اس کے خاندان کے سبب کہ اس کا خاندان اعلیٰ ہو تو اس کو نکاح کرنے والا اعلیٰ خاندان میں شمار ہوگا۔ یا اس کے حسن صورت کے سبب یا اس کے دیندار ہونے کے سبب اور تو (اے مسلمان) دیندار کو نکاح کر تیرے دونوں ہاتھ خاک آلودہ ہوں۔

اس حدیث میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمادیا کہ اے مسلمانو! تمہارا مطمع نظر دین ہونا چاہیے۔ نہ مال کے لیے شادی کرو۔ نہ خاندان کے لیے نہ حسن و جمال پر فریفتہ ہو۔ بلکہ دیندار می دیکھو۔ جس عورت کا دین اچھا ہو۔ وہ بد صورت ہو۔ ادنیٰ خاندان کی ہو۔ غریب ہو پرواہ نہ کرو۔ اسی دیندار کے ساتھ نکاح کرو۔ اب وہابی اس حدیث میں غور کریں جن کے نزدیک حنفی دیندار نہیں اور حدیث میں حکم ہے کہ دیندار سے نکاح کرو۔ پھر وہابی حنفیوں سے رشتہ کس طرح کر سکتے ہیں۔

تائید

یہی ہصاری مولوی اسی پرچہ میں اسی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ بیدین عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں انتہی

دوسری حدیث

مشکوٰۃ شریف ص ۲۵۹ میں بحوالہ ترمذی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت

ہے۔  
 قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَطَبَ إِلَيْكُمْ  
 مِنْ تَرَضُّونَ دِينَهُ فُخَلِقَهُ فَرَّ وَجُوهًا إِنْ لَا تَفْعَلُوهُ تَكُنْ  
 نِتْنَةً فِي الْأَرْضِ وَفَسَادًا عَرِيضًا۔

کہا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم سے ایک شخص ناظر مانگے جس کا دین اور خلق تمہیں پسند ہو۔ تو اس کو نکاح کر دو۔ یعنی ناظر دیدو۔ اگر نہ کرو گے۔ تو زمین میں ایک فتنہ اور فساد پیدا ہوگا۔

اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پیش گوئی فرمادی کہ اگر تم ایسا نہ کرو گے۔ یعنی دین کا لحاظ نہ کرو گے۔ بلکہ مالدار یا کوئی اعلیٰ خاندان دیکھو گے تو فتنہ اور فساد ہوگا۔ میں کہتا ہوں۔ صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و نحن علی ذلک من الشاہدین کہ حضور علیہ السلام نے سچ فرمایا اور ہم ایسی رشتہ داری میں فتنہ و فساد دیکھ رہے ہیں۔

### تیسری حدیث

ابن ماجہ میں عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے۔ کہا اس نے فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

لَا تَزُوجُوا النِّسَاءَ الْحُسَيْنَاتِ فَعَسَى حَسَنُهُنَّ أَنْ يَرُوهُنَّ وَلَا تَزُوجُوهُنَّ لِأَمْوَالِهِنَّ فَعَسَى أَمْوَالُهُنَّ أَنْ تَطْفِئَهُنَّ وَلَكِنْ تَزُوجُوهُنَّ عَلَى الدِّينِ وَلَا مَاءَ حَرْمَاءٍ سَوْدَاءَ ذَاتِ دِينٍ  
أَفْضَلُ -

عورتوں کو خوبصورتی کے لیے نکاح نہ کرو قریب ہے کہ ان کا حسن ان کو ہلاک کر دے (یعنی بہ سبب خوبصورتی کے فخر اور غرور میں شوہر کو ذلیل و خوار سمجھے اور ہلاک ہوا اور مال کے لیے بھی نکاح نہ کرو۔ قریب ہے کہ ان کے مال ان کو سرکش کر دیں۔ لیکن تم دین کے لیے نکاح کرو کہ ایک لونڈی ناک کٹی سیاہ رنگ و بندار افضل ہے (مالدار اور خوبصورت بیدین سے)۔

اس حدیث میں بھی حضور علیہ السلام نے دیندار عورت کے ساتھ نکاح کرنے

ترغیب دی۔ ظاہر ہے وہابی ہم کو دیندار نہیں جانتے  
 اگر وہابی کسی حنفی کے ساتھ ناطہ کالین دین کرے گا۔ تو اس حدیث کا مخالف  
 ہوگا۔

## چوتھی حدیث

بخاری مسلم میں ابو موسیٰؓ سے روایت ہے۔ فرمایا رسول کریم صلی اللہ  
 علیہ وسلم نے۔

مَثَلُ الْجَلِيسِ الصَّالِحِ وَالسُّودِ بِكَامِلِ الْمِسْكِ وَنَافِخِ الْكَبِيرِ  
 فَحَاحِلُ الْمِسْكِ أَمَا أَنْ يُحْدِثَكَ وَأَمَا أَنْ تَبْتَاعَ مِنْهُ وَ  
 أَمَا أَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِيحًا طَيِّبَةً وَنَافِخِ الْكَبِيرِ أَمَا أَنْ يُجْرِقَ ثِيَابَكَ  
 وَأَمَا أَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِيحًا خَبِيثَةً (مشکوٰۃ ص ۴۱۸)

اچھے برے ہم نشین کی کہاوت ایسی ہے۔ جیسے کتوری اٹھانے والا،  
 اور دھونکنی پھونکنے والا۔ وہ مشک والا یا تو کچھ مفت دیدے گا۔ یا تو اس سے  
 مول لے گا۔ اور کچھ نہیں تو خوشبو ضرور آئے گی اور دھونکنی والا تیرے کپڑے  
 جلا دے گا۔ یا کچھ اس سے بدلو آئے گی۔

اسی طرح ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ برا ہم نشین دھونکنے والے کی  
 مانند ہے۔ تجھے اس کی سیاہی نہ پہنچے۔ تو وہ ہواں تو ملے گا۔ اس کو ابو داؤد و  
 نسائی نے روایت کیا۔

معلوم ہوا کہ برے کی صحبت ضرور اثر کرے گی اور بیوی خاوند میں ہمیشہ کی  
 صحبت ہے۔ پس ان دونوں میں سے جو برے فرقہ سے ہوگا۔ اس کا دوسرے  
 کو اثر پہنچے گا۔ ایک حنفی عورت وہابی کے گھر جا کر اول تو پوری وہابن ہو جائے  
 گی۔ اگر پوری نہ ہو تو بھی اس کو وہاں ضرور پہنچے گا۔ اور ان کی طرف داری کرے  
 گی۔ حمایت کرے گی۔ مخالفت نہ کرے گی۔ اسی طرح وہابی عورت اگر حنفیوں

کے گھر آئے گی۔ تو پوری حنفی تو امید نہیں کہ ہو جائے مگر کم از کم شوہر کی عزت اور محبت اس کے دل میں ہوگی اور اپنے وہابی اقربا کو اپنے شوہر کی مخالفت سے منع تو ضرور کرے گی۔ یہی وہ اثر ہے جس کا سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پتہ دیا ہے پس حدیث کو سمجھتے ہوئے کوئی شخص کسی مخالف فرقہ کے ساتھ نااطہ کا لین دین نہیں کر سکتا۔

## پانچویں حدیث

مسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ فرمایا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

يَكُونُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ دَجَالُونَ كَذَّابُونَ يَا تَوَنُّكُومِينَ  
الْأَحَادِيثَ بِمَا لَمْ تَسْمَعُوا أَنْتُمْ وَلَا آبَاؤُكُمْ وَإِيَّاكُمْ  
وَأَيَّاهُمْ لَا يُضِلُّوكُمْ وَلَا يَفْتِنُوكُمْ۔

اخیر زمانہ میں جھوٹے دجال پیدا ہوں گے وہ تمہارے پاس ایسی حدیثیں لائیں گے جو تم نے سنی ہوں گی نہ تمہارے باپ دادوں نے پس تم اپنے آپ کو ان سے بچاؤ اور ان کو اپنے آپ سے بچاؤ۔ تاکہ وہ تمہیں گمراہ نہ کریں۔ اور تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دیں۔

اس حدیث میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پیش گوئی فرمائی کہ ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو ایسی حدیثیں سنائیں گے جو تمہارے باپ دادوں نے نہ سنی ہوں گی۔ ہم کہتے ہیں کہ حدیث کا مصداق وہابی لوگ ہیں اور وہابی کہتے ہیں کہ اس حدیث کا مصداق حنفی ہیں۔ تو اب حنفی وہابی دونوں کو غور کرنا چاہیے کہ حضور علیہ السلام ایسے لوگوں سے بچنے کا حکم دیتے ہیں اور اس کی علت بھی بیان کرتے ہیں کہ (اگر نہ بچو گے) تو وہ تمہیں گمراہ کر دیں گے اور فتنہ میں ڈال دیں گے تو کیا شہتہ دینے اور لینے میں اس حدیث کا خلاف ہوایا نہ؟ بیشک ضرور خلاف ہوا کیوں کہ

حضور تو ان سے بچنے کا حکم فرماویں اور ہم رشتہ کر کے شیر و شکر ہو جائیں اب تم ہی انصاف سے بتاؤ کہ یہ عمل بالحدیث ہے یا کہ مخالفت حدیث؟

## چھٹی حدیث

حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

لو كنتُ أمرا احدا ان يسجد لاحد لامرت النساء ان يسجدن لانا واجهن لنا جعل الله لهن عليهن من الحق

(المحدث روایہ البوداؤد)

اگر میں کسی کو حکم کرتا کہ وہ کسی کو سجدہ کرے تو میں عورتوں کو حکم کرتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں۔ بہ سبب اس حق کے جو اللہ نے ان پر رکھا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کے لیے شوہر واجب التعظیم ہے اور بدعتی کی تعظیم حرام ہے۔ متعدد حدیثوں میں آیا ہے کہ جس نے بدعتی کی تعظیم کی اس نے اسلام کے گرنے میں مدد کی۔ اس کو ابن عدی و ابن عساکر نے روایت کیا۔ اب سوچنا چاہیے کہ شوہر اگر بدعتی ہوا اور بی بی نے اس کی تعظیم کی تو وہ گنہگار ہوئی۔ اسلام کی گرانے والی بی بی۔ اب وہابیوں کے خیال میں حنفی بدعتی ہیں پھر کیوں ناظر دینے یا لینے میں اپنی بچیوں کو گنہگار اسلام کے ڈھانے والے بنائیں۔

## ساتویں حدیث

دارقطنی میں ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

أَهْلُ الْبِدْعِ كِلَابٌ أَهْلُ النَّارِ

بدعتی دوزخیوں کے کتے ہیں۔ اس حدیث کو ابو حاتم خزاعی نے بھی روایت کیا۔

ہر حنفی وہابی کو اس حدیث میں عوز کرنا چاہیے کہ حضور علیہ السلام بدعتیوں کو  
دوزخیوں کے کتے فرماویں۔ پھر کون بے غیرت مسلمان ہوگا جو کتوں کے ساتھ رشتہ  
ناطہ کرے گا۔ وہابیوں کے نزدیک حنفی بدعتی ہیں تو اب سخت مشکل پیش آگئی۔ یا تو  
مذہب چھوڑنا پڑے گا۔ یا ناطہ کا لین دین بند کرنا پڑے گا۔ کیونکہ کوئی وہابی اپنے  
مذہب پر نہیں رہ سکتا۔ جب تک حنفیوں کو بدعتی نہ کہے۔ تو پھر دیدہ و استہ دوزخ  
کے کتوں سے رشتہ ناطہ کیوں؟

وہابیو! خدارا مسلمانوں کو بدعتی کہنا چھوڑ دو۔ اگر یہ نہیں کر سکتے تو رشتہ ناطہ  
کیوں جوڑتے ہو اور وہ بھی دوزخ کے کتوں کے ساتھ۔

### اکھویں حدیث

پیر صاحب نے غنیۃ الطالبین ص ۱۹۴، ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں بحوالہ  
عقیلی اور اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمۃ نے ازالۃ العارین میں بحوالہ ابن حبان حضرت  
الس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قوم پیدا ہوگی جو میرے صحابہ کو برا  
کہے گی۔

فَلَا تَجَالِسُوهُمْ وَلَا تَشَارِبُوهُمْ وَلَا تَأْكُلُوا مَعَهُمْ وَلَا تَنَاجَوْهُمْ۔  
تم ان کے پاس نہ بیٹھو۔ ان کے ساتھ پانی نہ پیو۔ کھانا نہ کھاؤ۔ شادی بیاہ  
نہ کرو۔

اس حدیث میں شادی بیاہ کی ممانعت کی تصریح ہے، مندرجہ بالا حدیثوں میں  
یو اہل بدعت سے بچنے کا حکم ہے۔ اس حدیث میں اسی کی تفصیل ہے کہ بچنا یہ  
ہے نہ ان سے مل کر کھاؤ پیو نہ شادی بیاہ کرو۔ یہ حدیث اگرچہ ایک فرقہ بدعتی کے  
بارہ میں ہے۔ مگر سب بدعتی فرقے اس میں داخل ہیں۔

فانهم فانه من منزلة الاقدام

## تائید

یہ حصارنی صاحب تنظیم میں ایک حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔  
حدیث میں ہے۔

لایا کل طعامك الاتقی ولا تصاحب الامومنا۔ یعنی کھانا بھی نیک  
شخص کو کھلانا چاہیے اور مصاحببت بھی مومن سی کی کرنی چاہیے۔  
میں کتابوں۔ یہ ناولیں حدیث ہے۔

## فقہ شریف

در مختار ص ۱۶۸ میں ہے۔

وتعتبر فی العرب والعجم دیانۃ ای تقویٰ فلیس فاسق  
کفو الصالحة۔

کفادۃ عرب و عجم میں دیانۃ معتبر ہے۔ یعنی تقویٰ کے لحاظ سے تو فاسق کسی  
صالحہ عورت کا کفو نہیں ہو سکتا۔

اور بدعتی من حیث الاعتقاد فاسق ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ بدعتی نیک عورت کا  
کفو نہیں اور غیر کفو میں کوئی عورت نکاح کرے۔ تو مفتی بہ مذہب میں وہ نکاح  
جائز نہیں۔

جیسے شرح وقایہ و دیگر کتب فقہ میں مذکور ہے۔ در مختار میں ہے۔

ولفتی فی غیر الکفور بعد ما رجوا نہ اصلا و هو المختار للفتویٰ لفساد  
الزمان۔

بالعہ عورت غیر کفو میں خود بخود نکاح کرے تو مفتی بہ مذہب میں جائز نہیں  
اور اگر باپ اور دادا کے سوا اور کوئی ولی نکاح کر دے تو بھی جائز نہیں۔  
چنانچہ در مختار میں ہے۔

وان كان المزوج غيرهما لا يصح النكاح من غير كفوا أصلاً  
 اگر باپ و دادا ہی نکاح کر دیں اور وہ ایسے ہوں کہ اپنی ولایت سے کوئی  
 نزویج کسی غیر کفو سے کر چکے ہوں۔ تو بھی نکاح جائز نہیں۔  
 چنانچہ اسی درمختار میں ہے۔

وان عرف منہما (یعنی سوا اختیار) لا يصح النكاح اتفاقاً  
 فقہما علیہم الرحمۃ کی اس تصریح سے معلوم ہوا کہ وہابی حنفی کا کفو نہیں کیونکہ وہابی  
 من حیث الاعتقاد فاسق ہے اور فاسق صالحہ کا کفو نہیں۔ اور غیر کفو میں بالغہ بھی اپنی  
 مرضی سے نکاح کرے تو درست نہیں اور نابالغہ کا نکاح غیر کفو میں سوائے باپ دادا  
 کے کوئی دوسرا پڑھائے تو بھی درست نہیں۔ اگر باپ دادا کوئی نکاح غیر کفو میں اپنی  
 ولایت سے پڑھا چکے ہوں پھر یہ دوسرا پڑھائیں تو بھی درست نہیں اور اگر یہی پہلا  
 پڑھائیں اور کسی لالچ میں آکر لڑکی کی شفقت چھوڑ دیں۔ تو یہ نکاح تو ہو جائے گا۔  
 لیکن انہوں نے بڑا کیا جس کا خمیازہ دنیا میں یہ ہوا کہ آئندہ معزول ولایت ہو گئے  
 اور آخرت میں لالچ کی سزا بھگتیں گے۔

### حضرت جناب پیر صاحب قدس سرہ کا ارشاد

غنیہ الطالبین مطبوعہ مرتضوی دہلوی کے ص ۱۹۶ میں پیر صاحب فرماتے ہیں۔  
 وَلَا يَدَّأِينَهُمْ وَلَا يُسَلِّمُ عَلَيْهِمْ لِأَنَّ أَمَانَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ  
 رَحِمَهُ اللَّهُ قَالَ مَنْ سَلَّمَ عَلَيَّ صَاحِبُ بَدْعَةٍ فَقَدْ أَحْبَبَ  
 لِقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْسَمُ بِاللَّهِ بَيْنَكُمْ تَجَابَلُوا  
 وَلَا يَجَالِسُهُمْ وَلَا يَقْرَبُ مِنْهُمْ وَلَا يَهْنِيهِمْ فِي الْأَعْيَادِ وَ  
 الْأَوْقَاتِ السُّرُورِ وَلَا يَهْلِي عَلَيْهِمْ أَذْمَاتُ وَلَا يَتَرَحَّمُ  
 عَلَيْهِمْ إِذَا ذُكِرُوا وَلَا يَبِئْتُهُمْ وَيُعَادِيهِمْ فِي اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ  
 مَعْتَقِدًا بِبَطْلَانِ مَذَاهِبِ أَهْلِ بَدْعَةٍ مُحْتَبَأً بِذَلِكَ



الثواب الجزيل ولا اجر الكثير۔

کوئی شخص بدعتیوں کے قریب بھی نہ جائے اور ان پر سلام نہ کہے۔ کیونکہ امام احمد فرماتے ہیں۔ جس نے بدعتیوں کو سلام کہا۔ اس نے ان کو دوست رکھا کیونکہ حضرت علیہ السلام نے فرمایا کہ آپس میں بکثرت سلام کہا کرو۔ کہ آپس میں محبت ہوتی ہے۔ یعنی سلام ذریعہ محبت ہے اور بدعتیوں کے پاس نہ بیٹھے نہ ان کے قریب ہو۔ نہ عیدین وغیرہ خوشی کے موقع پر ان کو مبارک دے۔ جب وہ مر جائیں تو ان کا جنازہ نہ پڑھے اور جب بدعتیوں کا ذکر ہو تو ان پر رحمت نہ بھیجے بلکہ ان سے دور رہے اور محض خدا کے لیے ان سے دشمنی رکھے۔ یہ جانتے ہوئے کہ ان کا مذہب باطل ہے اور اسی میں اجر کثیر اور ثواب کا طالب ہو۔

دیکھو یہ وہی پیر صاحب ہیں جن کو وہابی ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں آپ کس قدر اہل بدعت سے اظہارِ نفرت فرماتے ہیں۔ بدعتیوں کے ساتھ سلام کلام نشست برخاست منع کرتے ہیں۔ ان کا جنازہ پڑھنے سے روکتے ہیں۔ ان کی دشمنی میں اجر کثیر فرماتے ہیں۔ تو اب سوچنا چاہیے کہ رشتہ داری کرنے سے پیر صاحب کے اس حکم کی تعمیل ہو سکتی ہے؟ کیا جو رشتہ کرے گا وہ سلام کلام ترک کرے گا وہ نشست برخاست چھوڑ دے گا۔ کیا وہ ان کو برا سمجھے گا؟ ہرگز نہیں تو پیر صاحب کے حکم کی تعمیل اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ ان سے کوئی رشتہ نہ کیا جائے اور یہی ہمارا مطلوب ہے۔ اور یہ ہم پیچھے بھی لکھ آئے ہیں کہ وہابی ہمیں بدعتی کہتے ہیں اور لکھتے ہیں۔ پس حنفیوں کو بدعتی سمجھتے ہوئے رشتہ داری کیسے ہو سکتی ہے۔

### فضیل بن عیاض علیہ الرحمۃ کا ارشاد

حضرت فضیل بن عیاض کبار مشائخ سے تھے اور مرجع خلائق تھے ریاضت اور کرامت میں شانِ عظیم رکھتے تھے۔ تقویٰ اور معرفت میں بے مثل تھے تذکرۃ اولیاء، آپ فرماتے ہیں۔

من احب صاحب بدعة احبط الله عمله و اخر ج  
نور الايمان من قلبه و اذا علم الله عز وجل انه مبغض  
لصاحب بدعة رجوت الله تعالى ان يغفر ذنوبه وان قل  
عمله و اذا رايت مبتدعا في طريق فخذ طريقا اخر -

(غنية الطالبين)

جو شخص بدعتی کو دوست رکھے اللہ تعالیٰ اس کے عمل پر باد کر دیتا ہے اور  
اس کے دل سے ایمان کا نور نکال دیتا ہے اور حجب اللہ جان لیتا ہے کہ فلاں شخص  
بدعتی کو دشمن سمجھتا ہے تو میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف کر دیتا  
ہے۔ اگرچہ اس کے عمل تھوڑے ہوں اور حجب تو کسی بدعتی کو راستہ میں (آتا ہوا) دیکھے  
تو وہ راستہ چھوڑ دے، دوسرا راستہ اختیار کرے۔

## حضرت سفیان بن عیینہ کا ارشاد

سفیان بن عیینہ بڑے جلیل القدر محدث فقہم گزرے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں -  
من تبع جنازة مبتدع لو یزل فی سخط الله تعالیٰ حتی یرجع  
کہ جو شخص کسی بدعتی کے جنازہ کے پیچھے جائے وہ خدا تعالیٰ کی ناراضگی میں رہتا  
ہے۔ اس وقت تک کہ واپس آوے۔  
تو دیکھئے جو بدعتی سے رشتہ دار می کا تعلق پیدا کرتا ہے۔ کیا وہ ان کے جنازہ  
وغیرہ میں شامل نہ ہوگا۔ اگر ہوگا تو اس قول کے مطابق خدا تعالیٰ کی ناراضگی کا  
موجب ہوگا۔

## تائید

یہی حصار می تنظیم کے اسی پرچہ میں لکھتے ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے  
بعض گمراہ فرقوں کے ذکر میں رسالہ خلق افعال العباد میں فرمایا ہے -

ولا یسلو علیہم ولا یعادون ولا یناکحون ولا یشہدوا ولا  
 یوکل ذبائہم یعنی جہنمی اور رافضی کو سلام نہ کہے نہ بیمار پر سی کرے نہ  
 مناکحت کرے نہ جنازہ پر حاضر ہو اور نہ ان کا ذبیحہ کھائے۔ مسلمانو اگر  
 جہنمی فرقہ معلوم کرنا ہو تو غزنویہ کی اربعین دیکھو۔

## حافظ عبدالشہر و پڑی مدیر اخبار تنظیم روپڑ کا فتویٰ

اخبار تنظیم ۲۰ شوال ۱۳۵۶ھ مطابق ۲۴ دسمبر ۱۹۳۶ء میں حافظ صاحب سے  
 سوال ہوتا ہے کہ ایک عورت کا نکاح ایسے شخص سے ہو گیا ہے جو بریلوی مذہب کھتا  
 ہے اور قبروں کا قائل ہے۔ نماز روزہ کا بھی پابند نہیں۔ اس سے کس طرح جدائی ہو  
 سکتی ہے۔ حافظ صاحب جواب دیتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے۔

ولا تنکحوا المشرکین حتی یؤمنوا۔ یعنی مشرکوں کو نکاح نہ دو یہاں تک

کہ ایمان لائیں۔

اس بنا پر سوال میں جس عورت کا ذکر ہے اس کا نکاح صحیح نہیں کیونکہ مرد کو  
 قبوری بتلایا گیا ہے جو مشرک ہے پس شرعاً عورت کا اختیار ہے جہاں چاہے کسی  
 دیندار شخص کو ولی کر کے نکاح کرے۔ انتہی۔

یہ حافظ صاحب موجودہ اہل حدیثوں کے بڑے مسلم فاضل ہیں جس طرح ہمارے  
 گاؤں کے وہابی ہم حنفیوں کو مشرک سمجھتے ہیں۔ اسی طرح حافظ صاحب روپڑی بھی  
 مشرک کہتے ہیں اور حکم دیتے ہیں کہ عورت جو کہ بریلوی حنفی کی منکوحہ ہے اس کا نکاح صحیح  
 نہیں یعنی بغیر طلاق حاصل کیے جہاں چاہے نکاح کر لے اب وہابیہ کو لازم ہے کہ اپنے  
 اکابر کے فتویٰ پر عمل کریں اور یہ الزام کہ رشتہ داری سے مولوی محمد شریف منع کرتا ہے  
 واپس لیں اور عوز کریں کہ میں منع کرتا ہوں۔ یا ان کے اکابر بلکہ میں نے تو یہ فتویٰ نہیں  
 دیا کہ اگر ایسا نکاح ہو جائے تو عورت بلا طلاق جہاں چاہے نکاح کرے۔ میں کتا ہوں  
 کہ ایسا نکاح نہیں کرنا چاہیے کہ موجب فتنہ و فساد ہے۔ مگر وہابی سرے سے نکاح

ہی صحیح نہیں کہتے۔

## مولوی ثناء اللہ ایدڑیٹر اہلحدیث کا فتویٰ

مولوی صاحب موجودہ اہلحدیث بالخصوص ہمارے گاؤں کی اہلحدیث جماعت کے سردار ہیں۔ ان سے سوال ہوا کہ ایک اہلحدیث کی لڑکی کا شیعہ مرد سے نکاح کیا گیا ہے۔ کیا یہ درست ہے۔ جواب میں فرماتے ہیں: شیعہ مرد سے سنی موجدہ لڑکی کا نکاح نہ کرنا چاہیے۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ اس لڑکے سے لڑکی کا نکاح کر دے جس کو بحیثیت دین پسند کرتے ہو۔ (اہلحدیث یکم جنوری ۱۹۳۶ء) دیکھو ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ جس لڑکے کو بحیثیت دین پسند کرتے ہو۔ اس سے لڑکی کا نکاح کر دے ہی اہلحدیث موجودہ کا سردار کہتا ہے۔ اب فریقین کو سوچنا چاہیے کہ کیوں ایسے لڑکے سے نکاح کیا جائے جس کے دین کو ہم پسند نہیں کرتے۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اور اپنے اپنے علماء کی بھی مخالفت لازم آئے گی۔ پس سمجھو اور عقل کرو۔ کیوں دنیا کے پیچھے دین تباہ کر رہے ہو۔

۱۱ اکتوبر ۱۹۳۵ء کے پرچہ میں ایک عورت پوچھتی ہے کہ میں نماز روزہ کی پابند ہوں۔ قرآن پڑھتی ہوں۔ شرک و بدعت سے پرہیز کرتی ہوں۔ زید (جو میرا شوہر ہے) بیدین ہے۔ میرے والد نے بحالت نابالغی میرا نکاح کر دیا تھا۔ اب شرعاً کیا میں نکاح ثانی کر سکتی ہوں۔ سردار اہلحدیث جواب دیتے ہیں: جس عورت کا نکاح اس کے والدین نابالغی میں کر دیا گیا ہو۔ بلوغت کے بعد منکوحہ کو اختیار ہے کہ اس کا نکاح کو فسخ کرادے۔ دیکھئے۔ ایسا نکاح اگر ہو جاوے تو بھی مولوی ثناء اللہ اس کے فسخ کرانے کا حکم دیتے ہیں تو جس نکاح کو فسخ کرنا پڑے وہ پہلے ہی کیوں کر ایسا جائے۔

وہا بیو! اوہم تمہیں تمہارے سردار کا ایک خاص فتویٰ دکھائیں۔ اس فتویٰ کو غور سے دیکھو۔ اگر آپ کے پاس نہ ہو۔ تو ہمارے پاس اگر دیکھ لو۔ اہلحدیث ۱۹۳۶ء کے ۱۳ میں لکھا ہے۔

## سوال

حنفیوں کے یہاں اپنی لڑکی و لڑکے کی شادی کرنا جب کہ وہ لڑکیوں کو آمین  
رفع یدین سے جبراً منع کرتے ہیں۔ بعض دل سے برا جانتے ہیں۔ اور تعزیرہ میں چندہ بھی  
دیتے ہیں۔ ان کے یہاں عام رشتہ داری کرنا جائز ہے یا نہیں (سردار صاحب اس کا  
جواب دیتے ہیں)

## جواب

حدیث میں ہے۔ جس کا دین اور دینی حالت اچھی دیکھو اس سے اپنی لڑکی  
شادی کرو۔

کیا اب بھی حنفیوں سے رشتہ داری کرنے کی خواہش رکھو گے۔ کیا میں نے  
وہی نہیں کہا۔ جو مولوی ثناء اللہ نے کہا۔ کیا اب بھی آپ مجھے ہی طعن دیں گے۔ کہ  
یہی رشتہ داری بند کرتے ہیں۔ میں بھی یہی حدیث سناتا ہوں جو مولوی ثناء اللہ نے  
لکھی۔ اگر میرا اعتبار نہ ہو۔ تو اپنے سردار کا تو اعتبار کرو۔ اس کے کہنے پر تو اس حدیث  
پر عمل کرو۔

## دیوبند کے مفتی کا فتوے

سوال :- کیا فرماتے ہیں۔ علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنے تئیں اجماعیت کہتا  
ہے اور آمین بالجہر رقعیدین کرتا ہے اور آئمہ اربعہ اور مجتہدین رحمۃ اللہ علیہ کو برا نہیں  
کہتا۔ بلکہ ان کی عزت کرتا ہے۔ ایسے شخص سے شادی بیاہ وغیرہ احناف کر سکتے ہیں  
یا نہیں اور ایسے شخص کو قوم میں شامل رکھ سکتے ہیں۔ یا نہیں دہلی میں بڑی قوم پنجابی  
سو اگر وہ کی ہے۔ جس میں برابر شادی بیاہ ہو رہے ہیں اور آپس میں اتفاق قائم ہے  
اور تمام جگہ اسی طرح ہو رہا ہے، اس باب میں عند الشرع جو کچھ فیصلہ ہو مدلل بیان

فرما کر عند اللہ ماجور اور عند الناس مشکور ہوں فقط۔

**الجواب :-** اس زمانہ میں غیر مقلدین اپنے کو اہل حدیث کہتے ہیں اور عدم تقلید میں جو کچھ قبائح اور اس کی وجہ سے جس درجہ اختلافات ہو رہے ہیں۔ وہ ظاہر میں علماء اور فقہاء اور محققین تصریح فرماتے ہیں کہ عوام کے لیے تقلید آئمہ ضروری ہے اور تقلید واحد منہم بھی اسی میں داخل ہے اور جو عالم درجہ اجتہاد کو نہ پہنچے وہ باعتبار وجوب تقلید اسی حکم میں ہے۔ خلاصہ یہ کہ ترک تقلید جائز نہیں اور غیر مقلدین زمانہ باعتبار عقائد و اعمال کے جمہور اہلسنت و جماعت کے خلاف ہیں اور عدم تقلید اکثر باعث فتنہ و فساد اور باہمی اختلافات اور تنازعات و حسد و بغض کا سبب ہوتی ہے۔ البتہ بعض غیر مقلدین ایسے بھی ہیں جو تعصبات سے خالی اور سوائے فروعی اختلافات کے کوئی اصولی اختلاف ان میں نہیں ہوتا و قلیل ماہر پس باعتبار اکثر افراد غیر مقلدین کے کہا جاسکتا ہے۔ کہ ان سے حقیقوں کو علیحدہ رہنا چاہیے اور مناکحت وغیرہ ان سے نہ کی جائے کہ یہ فتنہ ہے۔ جیسا کہ شاہد سے ظاہر ہے۔ چونکہ اس بارہ میں بہت کچھ تصانیف ہو چکی ہیں اور طرفین سے رسالے اور اشتہار شائع ہو چکے ہیں اور ہوتے رہتے ہیں اس لیے اس بارہ میں مزید تحریر کی ضرورت نہیں اور اس میں کچھ کلام نہیں کہ غیر مقلدین بھی اہل اسلام ہیں سے ہیں۔ اس لیے حقیقوں کی مناکحت ان سے صحیح ہے۔ یعنی نکاح ہو جائے گا۔ لیکن کلام اس میں یہ ہے کہ اس باہمی مناکحت میں فتنہ و فساد اور خلاف مصلحت شریعت ہے یا نہیں؟ سو حدیث شریف کا فیصلہ اس بارہ میں یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل ہوا کے ساتھ مجالست و مواخات اور مناکحت وغیرہ امور سے منع فرمایا ہے۔ پس جن کی عدم تقلید اس درجہ کو پہنچ گئی ہے کہ وہ اہل ہوا میں ہو گئے اور سلف صالحین کو برا کہنے لگے اور آئمہ کو چھوڑ کر صحابہ تک کی توہین کرتے ہیں اور ان پر لعن طعن سے دریغ نہیں کرتے۔ غیر مقلدین کے کی تصانیف سے ظاہر ہے تو ایسے غیر مقلدین سے تو لاریب حقیقوں کو بچنا چاہیے اور ان کی صحبت و مجالست و مناکحت سے احتراز کلی کرنا چاہیے اور اگر کوئی ایسا

نہ ہو۔ تو اس سے جواز مناکحت وغیرہ میں کلام نہیں۔ لیکن اس زمانہ میں ایسے لوگ  
کیا اب اور نایاب ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم ولی التوفیق وهو ہادی الی سوا السبیل  
والآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔ کتبہ عزیز الرحمن عفی عنہ مفتی مدرسہ  
دیوبند ۹ ذیقعد ۱۳۳۸ھ۔ (منقول از اخبار محمدی ۱۵ جنوری ۱۹۲۶ء)

اس فتوے میں دیوبندی مفتی نے غیر مقلدین کو باعتبار عقائد و اعمال کے جمہور  
المسندت کے خلاف لکھا اور باعتبار اکثر افراد غیر مقلدین کے شادی بیاہ کرنے سے  
منع کیا اور جن غیر مقلدین سے مناکحت کا جواز لکھا ان کے متعلق تصریح کی کہ اس زمانہ  
میں ایسے لوگ کیا اب و نایاب ہیں۔ میں کہتا ہوں۔ مفتی صاحب نے بالکل صحیح لکھا  
ہے ایسا غیر مقلد کسی اور جگہ ہو تو ممکن ہے مگر پاکستان میں ایسا ایک بھی نہیں۔ تو  
اب ان لوگوں کو جو کہ دیوبندیوں کو خالص حنفی مانتے ہیں۔ دیوبندیوں کے اس فتویٰ  
پر عمل کرنا چاہیے۔

## علمائے پٹنہ کا فتوے

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و عامیان شرع متین اس بارہ میں کہ ایک  
عورت سنیہ حنفیہ جس کا باپ بھی سنی حنفی ہے۔ اس کا نکاح ایک غیر مقلد وہابی سے  
کر دینا جائز ہے یا ممنوع؟ اس میں شرعاً گناہ ہو گا یا نہیں؟ تبنیوا و توجروا۔ (المستفتی  
محمد خلیل اللہ خاں از ریاست رامپور دولت خانہ جناب حکیم اجل خاں صاحب۔  
الجواب:۔ نکاح مذکور ممنوع و ناجائز و گناہ ہے۔ غیر مقلدین زمان کے بہت  
عقائد کفریہ و ضلالیہ کتاب جامع الشواہد فی اخراج الوہابین عن المساجد میں ان کی  
تصانیف سے نقل کیے ہیں۔ ان کا گمراہ و بد مذہب ہونا بروجہ احسن ثابت کیا اور  
حدیث ذکر کی کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بد مذہبوں کی نسبت فرمایا۔  
ولا تو اکلوه و لا تشاربوہ و لا تملکوه۔

یعنی ان کے ساتھ کھانا نہ کھاؤ اور پانی نہ پیو اور شادی بیاہ نہ کرو۔

مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کی تفسیر سے نقل کیا کہ ہر کہ با بدعتیاں اس دوسری  
پیدا کند۔ نور ایمان و حلاوت آن از دوسے برگیرند۔ اور طحاوی حاشیہ در مختار سے  
نقل کیا من كان خارجا من هذه المذاهب الاربعة في ذلك  
الزمان فهو من اهل البدعة والنار دجواس زمانہ میں ان چاروں مذہب  
سے خارج ہو۔ وہ بدعتی اور دوزخی ہے۔ کثرت سے علمائے مشاہیر کی اس پر  
مہرین ثبت ہیں۔ بالجملہ اگر غیر مقلد عقیدہ کفریہ رکھتا ہو۔ تو اس سے نکاح محض باطل  
زنا ہے۔ کہ مسلمان عورت کا کافر سے نکاح اصلا صحیح نہیں اور اگر عقیدہ کفریہ نہ بھی  
رکھتا ہو۔ تو بد مذہب سے مناکحت بحکم آیت و حدیث منع ہے۔

حدیث اوپر گزری اور آیت یہ ہے۔ ولا تترکوا الی الذین ظلموا فتمسکو  
النار نہ میل کرو۔ ظالموں کی طرف کہ تمہیں چھو لے گی۔ آگ دوزخ کی زنا ظم صاحب  
ندوہ نے اپنے فتوے عدم جواز نکاح سنہ و شیعہ مطبوعہ مطبع نظامی میں اسی آیت  
سے استدلال کیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب

## الساطر الوائر

المعتمد بذیل سیدہ ومولانا امیر المؤمنین سیدنا الصدیق العتیق المتقی  
عبدالوجید غلام صدیق المتقی الفردوسی العظیم آبادی عفا عنہ ربہ وذوالایادی۔  
اصحاب من اجاب۔ حافظ محمد فتح الدین پنجابی صدر مجلس اہلسنت پٹنہ مرشد آباد۔  
هذا هو الحق الصریح وما سواہ باطل قبیح۔ محمد امیر علی مرحوم سابق سید  
مولوی نارمل سکول پٹنہ۔

## علمائے بہار

مسلا و محمد او مصلیا اما بعد ما قاله العلامة و افاده  
الفہامة حق صریح و محقق صحیح جدید بالاعتقاد و تحقیق



بالاستناد ودونہ خراط القتاولا تنکرہ الا اهل البغی  
والعناد والغی والفساد کتبہ خویدام الطلبة ابو الاصفیاء  
محمد عبد الواحد خان رامپوری بہاری عفا عنہ الباری -  
اس فتویٰ پر علامہ محمد یوسف بہاری مولانا ابوالبرکات اور سید محمد سلیمان اشرف  
بہاری اور سید ناظر حسین بہاری کے دستخط موجود ہیں -  
اسی طرح اعلیٰ حضرت تاج الفحول بدایونی مولانا عبد القادر مولانا عبد المقدر و  
مولانا محمد عبد القیوم بدایونی کے دستخط موجود ہیں یہ فتویٰ مطبوعہ ہمارے پاس موجود  
ہے -

### اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہ کا فتویٰ

آپ نے اس مسئلہ میں ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام ازالۃ العار  
بجہ الکرائم عن کلاب النار ہے۔ اس مسئلہ کی تفصیل دیکھنا ہو۔ تو یہ  
رسالہ بریلی شریف سے منگوا کر دیکھو -

### امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کا ارشاد

امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ نے امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کو وصیت کی اور فرمایا  
ولا تجالس احد امن اهل الا ہواء - یعنی کسی اہل ہوا کے  
ساتھ مجالست نہ کر۔

دیکھو - اشباہ والنظائر ص ۶۵۴ -

امام اعظم رحمۃ اللہ کے اس فرمان سے معلوم ہوا کہ اہل ہوا کی ہم نشینی سے  
بچنا چاہیے اور ظاہر ہے کہ نکاح میں زوجین کی ہم نشینی اور مصاحبت اور مجالست  
لازمی ہے تو ثابت ہوا کہ اہل ہوا (یعنی بدعتیوں) کے ساتھ رشتہ داری کا  
تعلق پیدا کرنا امام صاحب کے نزدیک بھی مناسب نہیں۔ پس جو لوگ

مسائل منصوصہ کے لیے بھی قول امام کاملہ لکھتے ہیں۔ وہ اس کو پڑھ کر عمل کی کوشش کریں۔

ہم نے قرآن بھی لکھ دیا۔ حدیث بھی لکھ دی۔ بزرگان دین کا ارشاد بھی لکھ دیا۔ افسوس میں امام صاحب کا فرمان بھی لکھ دیا۔ اب ماننا نہ ماننا تمہارا اختیار ہے۔

وما علینا الا البلاغ

—

قطبِ بانی شاہِ مبارزِ لامکانی

حضرت شیخ عبد القادر جیلانی علیہ  
السلام

کے ارشادات

## آغاز

موجودہ دور کے مدعیان عمل بالحدیث کہتے ہیں کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے موافق نماز پڑھنا چاہیے۔ چنانچہ وہ آمین بالجہر، رفع یدین اور وضع یدین کے متعلق پیر صاحب کا حوالہ دیتے ہیں کہ آپ کا عمل ان پر تھا۔ ہم کہتے ہیں کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی حنبلی تھے، انہوں نے اپنے امام کی تقلید کرتے ہوئے مندرجہ بالا امور پر عمل کیا۔ ہم حنبلی نہیں حنفی ہیں اس لیے ہم پر یہ حجت نہیں ہے۔ البتہ وہ لوگ جو پیر صاحب کو غیر مقلد سمجھتے ہیں، ان کے لیے ہم پیر عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے چند ارشادات درج کر رہے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ اگر وہ پیر صاحب کے واقعی سچے معتقد ہیں تو ان کے وہ ارشادات ضرور تسلیم کریں گے جنہیں ہم بیان کر رہے ہیں۔

وہوالموفق للصواب

فقیر البوسف محمد شریف

## ارشاد نمبر ۱

پیر صاحب نے نماز میں زبان سے نیت کرنا احسن لکھا ہے۔  
چنانچہ غنیۃ الطالبین مرتضوی ص ۸۶۴ میں فرماتے ہیں۔

وان تلفظ بلسانہ کان احسن

اگر (نیت) کا تلفظ زبان سے کرے تو احسن ہے۔

وضو اور تیمم کی نیت کے بارہ میں فرماتے ہیں:

فان ذکر ذالك بلسانہ مع اعتقادہ بقلبه کان

قد اتى بالفضل۔

دل سے اعتقاد رکھتے ہوئے اگر وہ زبان سے بھی نیت کرے تو زیادہ

ثواب ہے۔

پھر غسل کی نیت میں فرماتے ہیں۔

فان تلفظ به مع اعتقادہ بقلبه کان افضل

دل سے اعتقاد رکھتے ہوئے اگر زبان سے تلفظ کرے تو افضل ہے۔

اب فرمائیے! کہ کس کی نماز حضرت غوث پاک کی تعلیم کے موافق ہے؟ ہم  
لوگ زبان سے نیت کرنا افضل اور احسن کہتے ہیں اور یہی ارشاد ہے حضرت غوث  
پاک کا۔ مگر آپ ہیں کہ زبان کی نیت کو بدعت کہتے ہیں۔ اب آپ ہی انصاف  
کیجئے کہ پیر صاحب کے موافق کون ہیں؟

## ارشاد نمبر ۲

پیر صاحب نے غنیۃ الطالبین میں گردن کا مسح سنتوں میں لکھا ہے۔

(دیکھئے غنیۃ ص ۸)

اور آپ ہیں جو اس کو بدعت کہتے ہیں۔ آپ فرمائیے کہ پیر صاحب کے

ارشاد کے موافق کون ہیں؟ یہ بھی یاد رہے کہ بدعت کو سنت جاننے والا کون ہوتا ہے اور سنت کو بدعت کہنے والا کون؟ ذرا سوچ سمجھ کر جواب دیجئے گا۔

### ارشاد نمبر ۳

پیر صاحب غنیۃ ص ۳۱ میں فرماتے ہیں کہ زائر قبر شریف یوں دعا کرے۔

اللهم انى اتوجه اليك بنبيك عليه سلامك نبى الرحمة  
يا رسول الله انى اتوجه بك الى رابى ليغفر لى ذنوبى۔

اے اللہ میں بوسیلہ تیرے نبی کے جو کہ نبی رحمت ہیں، تیری طرف متوجہ ہوں یا رسول اللہ! میں آپ کے ساتھ اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تاکہ وہ میرے گناہ بخش دے۔

دیکھئے! حضرت غوث اعظم رسول پاک کی وفات کے بعد ہمیں یا رسول اللہ! پکارنے کی تعلیم فرما رہے ہیں۔ یہ بھی سکھا رہے ہیں کہ حضور کے وسیلہ سے دعا مانگی جائے۔ لیکن آپ میں جو اس کو شرک کہتے ہیں۔ اب فرمائیے کہ پیر صاحب ہمارے موافق ہوئے یا آپ کے؟

### ارشاد نمبر ۴

غنیۃ مرتضوی کے ص ۳۷ میں پیر صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو اس طرح کہے:

السلام عليك يا صاحبي رسول الله ورحمة الله وبركاته

السلام عليك يا ابا بكر الصديق السلام عليك يا عمر الفاروق۔

اے رسول کے دونوں ساتھیو! آپ پر سلام اور اللہ کی رحمت اور برکات

ہوں۔ اے ابو بکر صدیق! آپ پر سلام اے عمر فاروق! آپ پر سلام۔

دیکھئے! پیر صاحب نے بلفظ یا مخاطب کر کے سلام کہنا درست لکھا ہے۔

کیا آپ اس کے موافق ہیں؟ اگر آپ نہیں تو پھر کون موافق ہے؟ وہی جن لوگوں کو آپ مشرک کہتے ہیں!

## ارشاد نمبر ۵

غنیۃ ص ۳۶ میں پیر صاحب نے قیامِ تعظیمی مستحب لکھا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:  
ولیتحب القیام للامام العادل والوالدین واهل الدین  
والورع واکرم الناس۔

بادشاہِ عادل، والدین، ویندار، پرہیزگار اور کریم لوگوں کے لیے قیامِ مستحب ہے۔

یعنی ان میں سے کوئی آجائے تو تعظیم کے لیے کھڑا ہونا مستحب ہے۔ یہ ہے حضرت پیر صاحب کی تعلیم۔ لیکن ایسے لوگ بھی ہیں جو اس قیام کو جائز نہیں سمجھتے پھر انصاف فرمائیے کہ وہ لوگ پیر صاحب کے موافق ہیں یا مخالف؟

## ارشاد نمبر ۶

پیر صاحب جمعہ کے لیے ایسا گاؤں شرطِ صحتِ جمعہ لکھتے ہیں جس میں کم از کم چالیس آدمی عاقل، بالغ، احرار رہتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

فکل من لزمتہ الصلوات الخمس یلزمہ فرض الجمعة اذا  
کان مستوطنا مقیما ببلد وقریة جامعة فیہا اربعین رجلا  
عقلا وبلغاء احرا ارا۔

جس پر پانچ نمازیں فرض ہیں اس پر جمعہ بھی لازم ہے جب وہ وطن میں مقیم ہو۔ شہر میں یا ایسے گاؤں میں جس میں چالیس آدمی عاقل بالغ احرار ہوں۔

لیکن موجودہ اہل حدیث ہر جگہ فرض کہتے ہیں۔ چالیس آدمی کی شرط نہیں مانتے

تو بتائیے کہ پھر وہ امام صاحب کے مخالف ہیں یا نہیں؟

## ارشاد نمبر ۷

پیر صاحب نے غنیۃ میں ایک حدیث نقل فرمائی ہے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب کوئی مرجائے اور تم اس پر مٹی برابر کر دو تو پیسے کہ تم میں سے ایک اس کی قبر پر کھڑا ہو اور کہے اے فلاں ابن فلاں، تحقیق وہ مردہ ستا ہے اور جواب نہیں دیتا۔

دیکھئے! کہ پیر صاحب تو سماعِ موتی کے قائل ہیں۔ لیکن آج کل کچھ لوگ کہتے ہیں کہ مردے نہیں سنتے۔ تو پھر وہ لوگ پیر صاحب کے مخالف ہوئے نہ کہ موافق۔

## ارشاد نمبر ۸

غنیۃ ص ۹۵۴ میں پیر صاحب فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا جائز لکھتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

فالراجح من یرفع یدایہ بالدعاء الی اللہ اذا فرغ من صلوة المكتوبة والخاسر هو الذی خرج من المسجد بلا دعاء۔

نفع اٹھانے والا وہ ہے جس نے نماز فرض سے فارغ ہو کر دعا کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف ہاتھ اٹھائے اور نقصان اٹھانے والا وہ ہے جو دعا کے بغیر مسجد سے نکل گیا۔

یہ پیر صاحب کا ارشاد ہے۔ لیکن حضرات غیر مقلدین اسے بے ثبوت جانتے ہیں۔ دیکھئے! کون اس ارشاد پر عمل کرتا ہے اور کون اس کا مخالف ہے؟



## ارشاد نمبر ۹

پیر صاحب غنیۃ میں فرماتے ہیں :

لو من بان المیت يعرف من تزورہ اذا اتاہ  
ہمارا ایمان ہے کہ میت کے پاس جب کوئی زائر آئے تو وہ اسے  
پہچانتی ہے۔

یہ ہے پیر صاحب کا ارشاد! لیکن غیر مقلدین نہیں مانتے۔

## ارشاد نمبر ۱۰

حضرت پیر صاحب فرماتے ہیں :-

واهل السنة ليعتقدون ان الله يجلس برسوله ونبیه  
المختار علی سائر رسله وانبيائه معه علی العرش يوم  
القيامة۔

اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ تمام انبیاء سے بالا، اللہ تعالیٰ اپنے  
رسول مختار کو قیامت کے روز اپنے ساتھ عرش پر بٹھائے گا۔

ملاحظہ فرمائیے! غوثِ پاک کا ارشاد۔ فرمائیے! کیا آپ بھی یہ مانتے ہیں۔  
ہرگز امید نہیں۔ یہ بھی خیال فرمائیے کہ غوثِ پاک حضور کو ممتاز فرما رہے ہیں۔  
یہ عقیدہ تو آپ کے ہاں از قبیل شرک ہے۔ تو فرمائیے کہ غوثِ پاک کے ارشادات  
کے موافق کون لوگ ہیں اور مخالف کون؟

## ارشاد نمبر ۱۱

حضرت پیر صاحب غنیۃ ص ۱۵۹ میں فرماتے ہیں۔

ولو من بان النبی صلی اللہ علیہ وسلم راٰنی رابہ عن جبل

لیلۃ الاسریٰ بعینی رأسہ لا یفواذہ ولا فی المنام  
 ہمارا ایمان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات اپنے  
 رب کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا۔ نہ کہ دل سے یا خواب میں۔  
 فرمائیے! کیا آپ کا بھی یہ ایمان ہے؛ لیکن امید نہیں کہ ہو۔ اگر ہے تو الحمد للہ  
 اگر نہیں تو فرمائیے کہ غوثِ پاک کے ارشادات کے مخالف ہم ہیں یا آپ؟

## ارشاد نمبر ۱۲

غنیۃ الطالبین کے ص ۸۷۱ میں حضرت پیران پیر دعا مانگتے ہیں کہ حق سبحانہ و تعالیٰ  
 ان کو از روئے اعتقاد و عمل امام احمد بن حنبل کے مذہب پر مارے اور ان کے گروہ  
 میں حشر کرے۔ آپ کے الفاظ ملاحظہ فرمائیے!

قال الامام ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی

واما اتنا اللہ علی مذہبہ اصلا و فرعا و احشرنا فی نارہ تم

جس سے معلوم ہوا کہ حضرت پیران پیر قدس سرہ حنبلی تھے۔ اکابر اہل حدیث  
 نے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ حضرت غوثِ پاک حنبلی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ  
 نے امام احمد کے مذہب کے اتباع میں جمعہ کی نماز کا وقت قبل از زوال لکھا ہے۔  
 اور یہی وجہ ہے کہ آپ نے اپنے امام کے مذہب کے لحاظ سے آمین بالجہر اور رفع یدین  
 لکھا ہے۔ لہذا مقلد ہونے میں غوثِ پاک ہمارے موافق ہیں۔ وہ امام احمد کے مقلد  
 ہیں اور ہم امام اعظم کے۔

حضرت پیران پیر اپنے امام کی تقلید میں جو مسئلہ لکھتے ہیں وہ ہم پر حجت نہیں  
 ہے اگر آپ کو پیر صاحب کے رفع یدین اور آمین بالجہر کا اتباع ہے تو تقلید میں بھی  
 ان کا اتباع کرو۔ امام اعظم کی تقلید اگر ناگوار ہے تو نہ سہی امام احمد بن حنبل ہی کی  
 تقلید کرو۔ لیکن اس کی امید نہیں ہے تو پھر فرمائیے کہ پیر صاحب کے  
 مخالف کون ہیں اور موافق کون؟

## ارشاد نمبر ۱۳

پیر صاحب غنیۃ ص ۱۲۳ میں فرماتے ہیں:

اما اذا كان الشئ مما اختلف الفقهاء فيه وساغ فيه الاجتهاد كشراب عامي النبيذ مقلدا لابي حنيفة وتزوج امرأة بلا ولي على ما عرف من مذاهب لو يكن لاحد ممن هو على مذهب الامام احمد والشافعي الانكار عليه جس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے جیسے ایک شخص امام اعظم کا مقلد ہو کر عاقلہ بالغہ کا نکاح بغیر ولی کرنا ہے یا بیذمیتا ہے تو امام احمد اور شافعی کے مقلد کو اس پر انکار جائز نہیں۔

دیکھئے کہ امام اعظم کے مقلد کو اپنے امام کی تقلید سے روکنے سے منع کیا جا رہا ہے اگر غوث پاک کے نزدیک اماموں کی تقلید ناجائز ہوتی تو ایسا کیوں لکھتے؟ معلوم ہوا کہ پیران پیر مقلد کے لیے تقلید امام صحیح اور حق جانتے تھے۔ اب آپ فرمائیے کہ آپ کا کیا خیال ہے؟ امام اعظم سے تو آپ کو نہ جانے کیوں چڑھے؟ تو فرمائیے کہ حضرت پیر صاحب کے موافق کون ہے اور مخالف کون؟

## ارشاد نمبر ۱۴

غنیۃ کے ص ۸۷ میں حضرت پیران پیر ایک حدیث لکھتے ہیں جس میں حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ امام جب تکبیر کہے تو تکبیر کہو، جب پڑھے تو چپ رہو۔ اور جب غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہے تو آمین کہو۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ اذ اکبر الامام فکبروا و اذا قرء فانصتوا و اذا قال غیر المغضوب علیہم ولا الضالین فقولوا آمین۔

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تکبیر کے بعد امام الحمد پڑھے تو مقتدی خاموش رہے

امام جب ولا الضالین کے تو مقتدی آمین کہے۔  
 اگر خاموش رہنا بوقت ضم سورہ ہوتا تو فقو لہ آمین کے بعد آتا یہ حکم ولا الضالین  
 پڑھنے سے پہلے آیا ہے۔ اس لیے مقتدی کا خاموش رہنا پیر صاحب کے نزدیک  
 لازم ہوا۔ حضرت پیر صاحب امام احمد بن حنبل کے مقلد تھے اور امام احمد بن حنبل  
 قرآن سورہ فاتحہ کو نماز میں فرض قرار نہیں دیتے۔ ملاحظہ ہو جامع ترمذی۔  
 اب فرمائیے کہ پیر صاحب کے موافق کون ہیں اور مخالف کون؟

## ارشاد نمبر ۱۵

حضرت غوثِ پاک غنیۃ ص ۱۰۵ میں فرماتے ہیں:

ویقرأ احدی عشر مرۃ قل هو اللہ احد وغیرہا من القرآن  
 ویهدی ثواب ذلک لصاحب القبر۔

گیارہ مرتبہ قل شریف اور کچھ قرآن پڑھ کر اس کا ثواب صاحب قبر  
 کو بھیجے۔

دیکھئے! حضرت پیر صاحب تو ایصالِ ثواب کی تعلیم دے رہے ہیں اور آپ  
 کے نزدیک مردہ کو ثواب نہیں پہنچتا۔ چنانچہ ملاحظہ فرمائیے اخبار اہل حدیث:  
 محدثین کے نزدیک قرآن کا ثواب مردہ کو نہیں پہنچتا۔

اخبار اہل حدیث ۶ جولائی ۲۸ء، ۱۴ اگست ۲۸ء اور ۲۹ مارچ ۲۹ء  
 اب فرمائیے کہ حضرت غوثِ پاک کے ارشادات کے مخالف کون ہیں  
 اور موافق کون؟

## ارشاد نمبر ۱۶

پیر صاحب غنیۃ ص ۵۶۶ میں فرماتے ہیں۔

وہی عشرون رکعة۔

اور وہ (نماز تراویح) میں رکعت ہے۔  
لیکن آپ ہیں کہ میں رکعت تراویح نہیں مانتے۔

## ارشاد نمبر ۱۷

حضرت پیر صاحب غنیۃ ۹۷۷ میں خدا کے مقبولین کے ذکر میں فرماتے ہیں:

فیکون من امناء اللہ وشہدائہ وافتاداراضہ وشحن

عبادہ وبلاوہ واحبائہ واخلائہ

وہ شخص اللہ کے امینوں سے ہو جاتا ہے اور اس کے گواہوں سے  
اور اس کی زمین کے اوتاد سے اور اس کے محبوبوں سے۔

اسی مضمون کو آپ نے فتوح الغیب کے چوتھے مقالہ میں ذکر کیا ہے:

فتكون شحنة البلاد ولعباد

یہ ہے پیر صاحب کا ارشاد: کیا آپ بھی مقبولانِ بارگاہِ الہی کو شحنة البلاد  
والعباد سمجھتے ہیں؟ یا ایسا کہنا آپ کے نزدیک شرک ہے تو معاذ اللہ پھر آپ  
کے نادک سے تو غوثِ پاک بھی محفوظ نہیں رہتے۔ وہی غوثِ پاک جن کی  
آین بالبحر اور رفع یدین کو آپ بطور ایک سند کے پیش کرتے ہیں۔

## ارشاد نمبر ۱۸

پیر صاحب فتوح الغیب میں فرماتے ہیں:

بک تنکشف الکروب و بک تسقى الغیوث و بک تنبت الزروع

و بک یدفع البلاد و المحن عن الخاص و العام۔

تیرے وسیلہ سے سختیاں دور ہوں گی، تیری طفیل مینہ برسین  
گے، زراعتیں ہوں گی اور تیرے ذریعہ سے خاص و عام کی بلائیں  
دور ہوں گی۔

کیا آپ لوگوں کا بھی یہی عقیدہ ہے جو غوثِ پاک ارشاد فرما رہے ہیں۔

## ارشاد نمبر ۱۹

فتوح الغیب کے تیرھویں مقالہ میں حضرت پیر صاحب فرماتے ہیں:  
قال اللہ فی بعض کتبہ یا ابن آدم انا اللہ لا الہ الا انا  
اقول للشیء کن فیکون اطعنی اجعلک تقول للشیء  
کن فیکون۔

اے ابن آدم! میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے جب  
میں کسی چیز کو کہتا ہوں کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے تو میرا فرمانبردار  
ہو تو میں تجھے بھی ایسا کر دوں گا کہ تو بھی کسی شے کو کہے ہو جا تو وہ ہو  
جایا کرے گی۔

حضرت غوثِ پاک کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ خاصانِ خدا اور مقبولانِ  
بارگاہِ کوکبین میں بھی دخل ہوتا ہے۔ کیا آپ کا بھی یہی عقیدہ ہے؟ اگر نہیں تو پھر  
آپ پیر صاحب کے مخالف ہوئے یا موافق؟

## ارشاد نمبر ۲۰

غنیۃ ص ۹۹ میں پیر صاحب فرماتے ہیں:  
فلا بد لكل مرید للہ عن وجل من شیخ علی ما بینا  
ہر مرید اللہی کے لیے شیخ پیرا ہونا لازمی ہے۔  
اب نسرائیے کہ موجودہ اہل حدیث کھلانے والے احباب کس  
پیر کے مرید ہیں۔

# حرفِ آخر

یہ میں پیران پیر حضرت عوثؓ پاک رحمۃ اللہ علیہ کے چند ارشادات۔ اگر  
 پیر صاحب کسی امام کے مقلد نہ تھے تو لا محالہ مجتہد محدث تو ضرور ہوں گے۔ پھر  
 ان کا ہر قول مقلدانہ نہیں بلکہ محدثانہ ہوگا۔ اس لیے ہر ایک اہل حدیث کہلانے  
 والے کو ان اقوال کی قدر کرنا چاہیے۔

»—————«

مولوی وحید الزمان

کے

چند اقوال

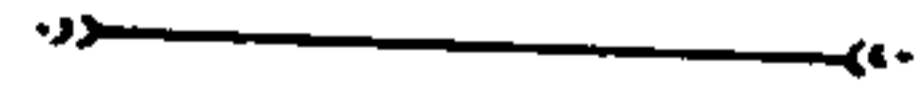


## تعارف

مولوی وحید الزمان موجودہ جماعت اہل حدیث میں ایک بلند پایہ عالم ہوئے ہیں۔ انہوں نے قرآن مجید کا اردو ترجمہ کر کے اس پر فوائد لکھے۔ صحاح کا ترجمہ کیا اور فوائد میں اپنے مذہب کی تقویت کی۔ عام اردو خواں ان تراجم کو پڑھ کر اس جماعت میں داخل ہوئے۔

۲۲ ستمبر ۱۹۲۱ء کے اخبار اہل حدیث میں، ان کا ذکر موجود ہے۔ پہلے حنفی تھے اور ان کے والد ماجد بھی حنفی تھے۔ نور الہدایہ ترجمہ شرح وقایہ انہی کی تالیف ہے۔ ان کے بڑے بھائی بدیع الزمان موجودہ مدعیان عمل بالحدیث کی جماعت میں تھے۔ جن کے اثر سے انہوں نے حنفی مذہب ترک کیا۔ ادھر نواب صدیق حسن خاں بھوپالوی نے ان کی تنخواہ مقرر کر دی کہ صحاح کا ترجمہ کریں۔

مولوی وحید الزمان نے اپنی تالیفات میں چند اقوال ایسے لکھے ہیں جن پر اگر موجودہ اہل حدیث عمل کریں تو یقین ہے کہ بہت سے جھگڑے مٹ جائیں۔ ذیل میں ہم چند اقوال درج کر رہے ہیں امید ہے کہ حضرات غیر مقلدین ان پر غور فرمائیں گے۔



## پہلا قول

ہدیۃ المہدی جلد اول کے صفحہ ۱۱۸ میں لکھتے ہیں۔  
 امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہر مسلمان پر واجب ہے پھر آگے لکھتے ہیں۔  
 ولا يجوز الانكار على امور مختلفة فيها بين العلماء  
 ایسے امور پر انکار جائز نہیں جو علماء میں مختلف فیہ ہوں۔  
 پھر اس کی مثال میں لکھتے ہیں۔

كفسل الرجل ومسحه في الوضوء والتوسل بالأموات في الدعاء  
 والدعاء من الله عند قبور الأولياء والأنبياء وارسال الیدين  
 فی الصلوة ووطی الانزواج والاعطاء فی الدابر والمتعة والجمع بین  
 الصلواتین واللعب بالشطرنج والقنار والمزامیر والقائمہ الموسومہ  
 ومجلس المیلاد۔

جیسے وضو میں پاؤں کا دھونا اور مسح کرنا، دعا میں مردوں کے ساتھ وسیلہ  
 پکڑنا، اولیاء و انبیاء کی قبور پر اللہ سے دعا مانگنا، نمازیں ہاتھوں کا چھوڑنا، بیویوں اور  
 لونڈیوں کے ساتھ دیر میں وطی کرنا، متعہ، دو نمازوں کا جمع کرنا، شطرنج کھیلنا، گانا  
 بجانا، رسمی فاتحہ اور مجلس میلاد۔

میں کہتا ہوں

اگر موجودہ مدعیان عمل بالحدیث ایسے امور پر انکار نہ کریں جن میں علماء مختلف  
 ہوں تو آج ہی کئی تنازعات ختم ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح حضرت پیر شیخ عبدالقادر  
 جیلانی رحمۃ اللہ علیہ غنیۃ الطالبین مطبوعہ مرتضوی دہلی کے ص ۱۴۲ میں فرماتے ہیں۔  
 اما اذا كان الشئ مما اختلف الفقهاء فيها وساغ فيه الاجتهاد  
 كشراب عامی النبیز مقلد الابی حنیفة وتزوج امرأة بلاولی  
 علی ما عرفت من مذہبہ لو یکن لاحد ممن هو علی مذہب

الامام احمد و الشافعی الانکار علیہ۔

اگر ایسی چیز ہو جس میں فقہاء مختلف ہیں اور اس میں اجتہاد کی گنجائش ہو جیسا کہ عامی امام ابو حنیفہ کا مقلد ہو کر نبیذ تہر پٹے یا عورت بلا ولی نکاح کرے تو امام احمد اور امام شافعی کے مقلدین کو انکار کا حق نہیں۔

معلوم ہوا کہ حضرت پیر صاحب کے نزدیک امام ابو حنیفہ کے مذہب کے مطابق عمل کرنے والے پر کسی دوسرے مذہب والے کو انکار جائز نہیں۔ اس قول پر عمل کرنے سے کئی جھگڑے ختم ہو سکتے ہیں۔

## دوسرا قول

مولوی وحید الزمان صاحب لکھتے ہیں کہ ابن تیمیہ اور ابن قیم نے انبیاء و اولیاء کی قبور سے فیوض و برکات اور لذائد قلبیہ حاصل کرنے سے انکار کیا ہے۔ حالانکہ متاخرین میں سے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، شاہ عبدالعزیز اور سید احمد اور متقدمین میں سے امام شافعی اور ابن حجر مکی کے علاوہ تمام صوفیہ علیہ الرحمۃ نے اس کا اثبات کیا ہے، صوفیائے کرام سب کے سب متفق ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ مشاہدہ اور تجربہ ہے جس کا انکار ممکن نہیں۔

شیخ ابن حجر نے قلائد میں روایت کیا ہے کہ امام شافعی، امام اعظم کی قبر کے ساتھ برکت حاصل کرتے تھے۔ وہ امام اعظم کی قبر پر پڑھنا مانگتے تھے اور اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول فرمالتا تھا۔

ہدیۃ المہدی ج اول ص ۲۲-۲۳ میں وحید الزمان لکھتے ہیں۔

قلت اذا ثبت السماع والادراك للموتى فائى مانع يمنع منه

سواء اذا جربه كثير من الاولياء بحيث لا يحصى عدد هم

ولا يجوز للعقل تكذيبهم ومع ذلك الا حوط الاقتصار على

الزيارة السنية وترك الانكار۔

میں کہتا ہوں کہ جب مردوں کے لیے سماع و اوراک ثابت ہے تو کونسا مانع ہے جو منع کرے بالخصوص جب کہ بہت سے اولیائے کرام نے اس کا تجربہ کیا جس کا شمار نہیں ہو سکتا اور عقل ان کی تکذیب نہیں کر سکتی۔ ہاں! احتیاط یہ ہے کہ زیارتِ سنیہ پر اقتصار کرے اور فیض پانے والے زائرین پر انکار نہ کرے۔

میں کہتا ہوں

اس قول پر بھی اگر مدعیانِ عمل بالحدیث عمل کریں اور زائرین پر انکار نہ کریں تو یقین ہے کہ یہ لوگ بھی بزرگانِ دین کے فیوض و برکات سے بہرہ ور ہو سکتے ہیں۔ بزرگانِ دین کے مزارات پر عارضی کوچھٹ یہ لوگ شرک سے تعبیر کرتے ہیں اور بات بات پر مسلمانوں کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتے ہیں۔ اگر یہ لوگ اپنے مولوی و حید الزمان کے قول ترک انکار پر عمل کریں تو مسلمانوں کے درمیان منافرت ختم ہو جائے۔

## تیسرا قول

مولوی وحید الزمان، ہدیۃ المہدی جلد اول کے صفحہ ۱۱۶ میں بدعت کی تعریف میں لکھتے ہیں۔

البدعة الشرعية هي الامر الحادث بعد القراءن الثلاثة المشهور لهم بالخير لم يدل عليه دليل من الكتاب والسنة ولم يدخل تحت عمومها بل كان في خلاف ما امر الله به ورسوله۔

بدعت شرعیہ دین میں ایک نوپیدا امر ہے جو قرآن ثلاثہ کے بعد حادث ہو اور قرآن و سنت سے اس پر کوئی دلیل نہ ہو اور نہ وہ قرآن و حدیث کے عموم کے تحت داخل ہو بلکہ اللہ اور رسول کے امر کے خلاف ہو۔

پھر صفحہ ۱۱۷ میں لکھتے ہیں۔

قال شيخنا ابن الاثير الجوزي البدعة بدعتان بدعة هداى  
وبدعة ضلال فما كان في خلاف ما امر الله به ورسوله  
فهو في حيز الذم والانكار وما كان واقعا تحت عموم ما ندب  
الله اليه وحض عليه الله ورسوله فهو في حيز المدح ولو لم  
يكن له مثال موجود وعلى الاول يحمل الحديث الاخر كل محدثة  
بدعة انما يريد ما خالف اصول الشريعة ولو يوافق السنة -

ہمارے شیخ ابن اثیر جو زمی فرماتے ہیں کہ بدعت دو قسم کی ہے، ایک بدعت  
ہدایت دوسری گمراہی پس جو اللہ ورسول کے حکم کے خلاف ہو تو وہ بدعت مذمومہ  
ہے اور جو چیز اس عموم کے ماتحت ہو جس کو اللہ نے پسند فرمایا اور اس پر رغبت  
دلانی تو وہ چیز مدح میں ہے اگرچہ اس کی مثال موجود نہ ہو اور حدیث کل محدثہ ضلالہ  
پہلی قسم پر محمول ہے یعنی جو کہ اصول شریعت کے خلاف ہو اور سنت کے موافق نہ ہو۔  
اپنے قول کی تائید میں مولوی وحید الزمان صاحب نزل الابرار جلد ۲ کے صفحہ ۴  
میں لکھتے ہیں کہ احداث فی الدین بدعت ثنیۃ محرمہ ہے۔

الا اذا كان لها اصل من الشرع او دخلت في عمومات النصوص  
المحرمة عليها -

اس نئے کام کی شریعت میں کچھ اصل ہو یا وہ نصوصات کے عمومات  
میں داخل ہو تو وہ بدعت محرمہ مذمومہ نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں

اگر آج کل کے مدعیان عمل بالحدیث مولوی وحید الزمان کے قول کو مان  
لیں اور بات بات پر بدعت بدعت کا فتویٰ نہ دیں تو اختلافات کا بہت سا  
حصہ خود بخود ختم ہو جاتا ہے۔ مگر افسوس یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے کسی بڑے عالم کے  
قول کو بھی نہیں مانتے بلکہ مجکوعا عجاب کل ذی رای برایۃ اپنی اپنی رائے پر  
ایسے جھے ہوئے ہیں کہ جھبٹ دوسروں پر بدعت کا فتویٰ لگا دیتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم بھی بدعت کو برا سمجھتے ہیں، ہم جانتے ہیں کہ ہر بدعت (شرعی) گمراہی ہے اور ہر گمراہی کا انجام جہنم ہے۔ اگر اختلاف ہے تو صرف اس بات میں کہ بدعت کتنے کس کو ہیں، اور بدعت ہے کیا چیز، بدعت جو تعریف یہ لوگ کرتے ہیں اسے ہم نہیں مانتے اور جو تعریف ہم کرتے ہیں اسے یہ لوگ نہیں مانتے۔ ہمیں یہ حکم نہیں ہے کہ بدعت کی جو تعریف یہ لوگ کریں اسے ضرور مانو۔ ہم ان کی سمجھ کی مخالفت کرتے ہیں۔ قرآن و حدیث کی مخالفت نہیں کرتے۔ لیکن یہ لوگ ہمیں اس لیے بدعتی کہتے ہیں کہ ہم ان کے بیان کردہ معانی کو صحیح نہیں سمجھتے ہاں اگر یہ لوگ کوئی آیت یا حدیث اپنے بیان کردہ معانی کی صحت پر پیش کرتے تو بات تھی۔ مگر بعد اللہ کوئی ایسی روایت پیش نہیں کر سکتے جس سے ان کے بیان کردہ معانی کی صحت ثابت ہو۔ اس پر طرہ یہ کہ ان کے علماء بھی بدعت کی تعریف میں مختلف ہیں کوئی کہتا ہے کہ بدعت وہ ہے جو تین قرونوں کے بعد یعنی صحابہ تابعین اور تبع تابعین کے بعد امر حادث ہو۔ یہ قول حافظ محمد لکھو کی والدہ نے زینت الاسلام میں لکھا ہے۔

کوئی کہتا ہے کہ جو چیز بعد صحابہ و تابعین حادث ہو وہ بدعت ہے۔ یہ قول ثانیہ مسائل میں لکھا ہے اس قول کے لحاظ سے تبع تابعین کے زمانہ کی نئی پیدا شدہ چیز بدعت ٹھہرتی ہے۔

کوئی کہتا ہے کہ صحابہ کے بعد جو قول فعل حادث ہو، بدعت ہے، اس قول کے مطابق زمانہ تابعین کو نئی چیز بھی بدعت ہوگی۔

کوئی کہتا ہے کہ جو امر حضور علیہ السلام کے زمانہ میں نہ ہو، وہ بدعت ہے اس قول کے مطابق صحابہ کے دور کی نئی چیز بھی بدعت بنتی ہے۔

کوئی کہتا ہے کہ جو کام ایسا ہو کہ اس پر حضور نبوی کا حکم نہ صراحتاً نہ استنباطاً اور اس کو کار خیر سمجھا گیا جائے تو وہ بدعت ہے۔ خواہ کسی زمانہ میں ہو۔ خواہ اس کے کرنے والے کوئی لوگ ہوں۔ (اہل حدیث ۱۸ جنوری ۱۹۰۷ء)

اس قول کے مطابق زمانہ کی کوئی قید نہیں تو اس صورت میں کس کا قول صحیح مانا جائے۔  
اب نیبے!

## حضرت امام شافعی کی تائید

فتح الباری ج ۲۹ ص ۶۴۹ میں حضرت امام شافعی کا قول ملاحظہ فرمائیے فرماتے

ہیں:-

المحدثات ضربان ما أحدث يخالف كتابا أو سنة أو أثرا أو  
اجماعاً فهذه بدعة الضلال وأحداث من الخیر لا يخالف شيئاً  
من ذلك فهذه محدثة غير مذمومة .

نئی چیز دو قسموں پر ہے۔ جو نئی چیز کتاب و سنت یا اثر و اجماع سے ٹکرائے  
تو وہ بدعت ضلالہ ہے اور ہر وہ اچھی نئی چیز جو مذکورہ امور میں سے کسی سے نہ  
ٹکرائے، وہ غیر مذموم (اچھی) ہے۔

ابن قیم نے اعلام الموقعین جلد ۲ ص ۲۱۷ میں بھی امام شافعی سے اس تعریف  
کو نقل کیا ہے۔

معلوم ہوا کہ بدعت کی تعریف جو مولوی وحید الزمان نے لکھی ہے، صحیح ہے  
اگر مدعیان بالحدیث اس تعریف کو مانتے ہوئے، ان امور کو جو قرآن و سنت، آثار  
صحابہ اور اجماع کے خلاف نہیں، بدعت نہ کہیں تو امید ہے کہ کسی جھگڑے ختم  
ہو جائیں اور اتفاق کی صورت پیدا ہو جائے۔

## چوتھا قول

مولوی وحید الزمان کا قول ہے کہ متاخرین میں سے ہمارے بعض بھائی شرک  
کے امر میں بہت متشدد ہیں۔ انہوں نے اسلام کے دائرہ کو تنگ کر دیا  
ہے۔ امور مکروہہ یا محرمہ کو شرک کہہ دیتے ہیں۔

ہدیۃ المہدی ص ۲۶ کی عبارت ملاحظہ فرمائیے۔

شدد بعض اخواننا من المتأخرین فی امر الشریک و ضیق دائرة  
الاسلام وجعل الامر المکروهة او المحرمة شرکاً فان کان عرضہ  
من هذا الشریک العملی اعنی الشریک الاصغر سد الذرائع  
فاللہ یغفر لہ ویفوعنہ والاہو عالی و متشدد فی الدین۔

متاخرین میں سے ہمارے بعض بھائی شریک کے معاملہ میں بہت متشدد ہیں  
اور انہوں نے اسلام کا دائرہ تنگ کر رکھا ہے وہ امر مکروہ یا محرمہ کو شریک کہہ دیتے  
ہیں اگر ان کی مراد شریک عملی یا شریک اصغر ہو یا سد الذرائع لکھا ہو تو اللہ معاف کرے  
ورنہ وہ عالی اور متشدد فی الدین ہیں۔

اس کے منہ میں لکھا ہے کہ وہ بعض متشدد شیخ عبد الوہاب نجدی، اس کا بیٹا  
محمد اور اس کا فرزند عبد اللہ ہے۔ تقویۃ الایمان میں مولوی اسماعیل نے اکثر امور میں  
اس کا اتباع کیا ہے۔

معلوم ہوا کہ تقویۃ الایمان میں نجدیوں کا اتباع ہے اور نجدی عالی متشدد فی الدین  
ہیں پس اگر موجودہ مدعیان عمل بالحدیث اس قول پر کریں اور مسلمانوں کو شریک نہ  
بنائیں تو آج ہی تنازعات ختم ہو جائیں۔

## اقوال نجدیہ اور مولوی وحید الزمان

مولوی وحید الزمان اقوال نجدیہ لکھ کر ان کا تشدد ظاہر کرتے ہیں۔ کاش آج  
کل کے مدعیان عمل بالحدیث اسے پڑھ کر غور کریں اور تشدد کو ترک کر دیں تو اتحاد  
بین المسلمین کے لیے راستہ ہموار ہو جائے۔

قول نجدی

نجدی کہتا ہے کہ مشکلات میں اعانت اور حاجات کا پورا کرنا اگرچہ اللہ کی



قدرت سے ہے اور اس کے اذن اور امر و رضا پر ہے۔ انبیاء و اولیاء کی شان سے نہیں۔ جو شخص یہ عقیدہ رکھے وہ مشرک ہے۔

### قول وحید الزمان

وحید الزمان کہتا ہے کہ یہ بات صحیح نہیں۔ کیونکہ اللہ کے امر و قضا و ارادہ سے فرشتے لوگوں کی اعانت کرتے ہیں۔ اپنے اختیار اور قدرت سے نہیں پس اگر کوئی شخص کہے۔

یا روح القدس اعنی یا امر اللہ یا انصرنی باذن اللہ۔

اے روح الامین اللہ کے اذن سے میری مدد کر۔

تو کیا وہ شخص مشرک ہو جائے گا؟

اسی طرح اگر کہے۔

یا ملئکة اللہ یا عباد اللہ اعینونی یا امر اللہ

اے اللہ کے فرشتو یا اللہ کے بندو! اللہ کے امر سے میری مدد کرو۔

یا یوں کہے۔

اے میکائیل میری کھیتی میں باذن اللہ بارش ڈال۔

تو وہ کس طرح مشرک ہو جائے گا؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وایداناہ بروح القدس۔ (منہج ہدیۃ المہدی ص ۲۷)

پھر مولوی وحید الزمان لکھتے ہیں کہ ۱۔

لوگ آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔

وتعاونوا علی البر والتقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان

وقال اللہ تعالیٰ :

ان استنصروا کفر فی الدین فعلیکم النصر۔

وقال تعالیٰ :

یہا ذکر بکو نجسة الاف من الملئکة مسومین۔

اور ذوالقرنین نے فرمایا۔

اعینونی بقوۃ۔

اور حدیث ابدال میں ہے۔

الابدال فی امتی ثلاثون رجلاً یبھون تقوم الاض ویبھون تطرون  
ویبھون تنصرون۔

میری امت میں تیس ابدال ہیں جن کی برکت سے زمین قائم ہے۔ انہی کی  
برکت سے بارش ہوتی ہے اور انہی کی برکت سے تم لوگ مدد کیے جاتے ہو۔

اور حدیث حسان میں ہے۔

اللہو ابداہ بروح القدس

اسے اللہ روح القدس کے ساتھ اس کی مدد کر۔

پس مولوی وحید الزمان کے اس تبصرہ سے معلوم ہوا کہ بندگان خدا اور پاکان  
امت اللہ کی رضا سے مشکلات میں اعانت کرتے اور حاجات کو پورا کرتے ہیں  
کاش آج کل کے مدعیان عمل بالحدیث اپنے جلیل القدر عالم کے تبصرہ پر غور کریں  
اور بات بات پر مسلمانوں کو مشرک بنانا چھوڑ دیں۔

### قول نجدی

نجدی کہتا ہے کہ جب لوگ انبیاء و صلحاء کی قبروں کو بوسہ دینا شروع کریں  
یا ہاتھ لگائیں یا ان کے گرد طواف کریں تو وہ قبریں، بتوں کے حکم میں ہو جاتی ہیں۔  
ان قبروں کا گرا دینا اور ان کی اہانت واجب ہے، نجدی نے رسول کریم کے اس  
قول سے تمسک پکڑا ہے کہ آپ نے فرمایا ہے۔

اللہم لا تجعل قبری وقتنا یعبدا

### قول وحید الزمان

وحید الزمان کہتا ہے کہ انبیاء و صلحاء کی قبور کی تعظیم ہماری شریعت نے باقی  
رکھی ہے، ان کی تحقیر جائز نہیں۔ البتہ لوگوں کو ان امور سے بچو کہ کرتے ہیں منع کر

دیا جائے۔ جس طرح کوئی شخص کعبہ شریف، حجر اسود یا صنفا مر وہ کی عبادت شروع کرے تو کیا کعبہ شریف کا گرانا اور اس کی اہانت درست ہوگی؟ ہرگز نہیں۔ حضور علیہ السلام کی دعا کا یہ مطلب نہیں کہ لوگوں کی عبادت سے حضور کی قبر مبارک بت بن جائے گی بلکہ مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کی قبر کو مثل بت نہ بنائے کہ لوگ اس کی پوجا شروع کر دیں۔

### قول نجدی

نجدی کہتا ہے کہ جو شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی تنظیم کرے اور اس طرح کھڑا ہو جس طرح نماز میں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ کر کھڑا ہوتا ہے اور آپ سے شفاعت طلب کرے تو وہ مشرک ہو جاتا ہے۔

### قول وحید الزمان

وحید الزمان کہتا ہے کہ یہ وہ غلو ہے جس سے منع کیا گیا ہے۔ امام ذہبی، ہکی ماوردی اور ابن ہمام وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ آداب زیارت میں سے ہے۔ کہ ایسے کھڑا ہو جیسے نماز میں کھڑا ہوتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر آئے، کھڑے ہوئے اور ہاتھ اٹھائے، راوی کہتے ہیں۔ میں نے گمان کیا کہ آپ نے نماز شروع کر دی۔

اگر قبر پر قیام مشرک ہوتا تو سجدہ بطریق اولیٰ شرک ہوتا حالانکہ حضرت معاذ نے جب حضور کو سجدہ کیا تو آپ نے اُن کو تجدید ایمان کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ صرف نبی پر کفایت فرمائی۔ واللہ اعلم (ہدیۃ المہدی ص ۱۱۱)

ابن قیم  
رحمہ  
چند اقوال

## تعارف

علامہ ابن قیم بلند پایہ محدث گذرے ہیں اس زمانہ کے اہل حدیث بھی ان کو بلند پایہ محدث تسلیم کرتے ہیں۔ علامہ ابن قیم نے اپنی تصنیفات میں کئی ایسی باتیں لکھی ہیں جو موجودہ دور کے اہل حدیثوں کے خلاف ہیں۔ اس مضمون میں علامہ ابن قیم کے چند اقوال پیش کیے جا رہے ہیں۔

جو بات موجودہ دور کے اہل حدیثوں کے خلاف ہو، خواہ وہ کسی محدث کا قول کیوں نہ ہو، جھٹ یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہم اس کے مقلد تو نہیں رہم بلنتے ہیں کہ آپ ابن قیم کے مقلد نہیں لیکن آنا تو بتاؤ کہ وہ تم سے زیادہ حدیث کا واقف تھا یا نہیں؟ ایک شخص جو تم سے زیادہ حدیث کا واقف ہے اور محدث دوراں ہے وہ اگر کوئی بات انصاف سے کہہ دے تو تمہیں مان لینے میں کیوں تامل ہے۔

آئندہ سطور میں ابن قیم کے چند اقوال درج کیے جا رہے ہیں۔ موجودہ دور کے اہل حدیثوں میں سے کوئی سلیم الفطرت اگر ایک محدث کے اقوال پر یقین کر لے تو میری محنت رائگاں نہ جائے گی۔

فقیر ابو یوسف محمد شریف غفرلہ

## پہلا قول

زاوالمعاد جلد اول مطبوعہ مصر ۱۳۵۲ھ کے صفحہ ۹۹ میں فرماتے ہیں۔  
 فاداجہر بہ الامام احیاناً ليعلموا المومنین فلا یاس ینذالک  
 فقد اجہر عمر بالافتتاح ليعلموا المومنین وجہر ابن عباس  
 بقراءة الفاتحة فی صلوة الجنائزۃ انہا سنۃ ومن ہذا ایضا  
 جہر الامام بالتامین۔

اگر امام دعائے قنوت اونچی پڑھے تاکہ مقتدیوں کو سکھائے تو کوئی ڈر نہیں  
 بے شک حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مقتدیوں کی تعلیم کے واسطے دعائے افتتاح (یعنی  
 سبحانک اللہم و بحمدک) اونچی پڑھی اور ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جنازہ  
 کی نماز میں سورہ فاتحہ اونچی پڑھی تاکہ مقتدیوں کو معلوم ہو جائے کہ سورہ فاتحہ میں  
 سنت ہے اور امام کا اونچی آمین کہنا بھی اسی قبیل سے ہے (یعنی یہ بھی تعلیم کی  
 غرض سے تھا تاکہ معلوم ہو جائے کہ ولا الضالین کے بعد جو سکتے ہیں اس میں آمین  
 کہی جاتی ہے)

ابن تیم رحمہ اللہ نے امام کا آمین بالجہر تعلیم پر حمل کیا ہے جس طرح ثناء کا اونچی  
 پڑھنا حضرت عمر سے ثابت ہے اور یہی صحیح ہے اس کے متعلق ایک حدیث  
 بھی آئی ہے جس میں ایک صحابی آمین بالجہر کی وجہ بیان کرتا ہے۔ ما اسراہ الایعلمنا  
 یعنی آپ کی آمین بالجہر تعلیم کے واسطے تھی۔

## دوسرا قول

ابن تیم کے اس قول سے بھی معلوم ہوا کہ جنازہ میں جہر پڑھنا سنت نہیں۔ ابن  
 عباس نے جہر اس لیے پڑھا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ جنازہ میں الحمد پڑھنا سنت  
 ہے، (فرض نہیں) آج کل کے اہل حدیث کہلانے والے فرض کہتے ہیں حالانکہ

ابن تیم رحمہ اللہ کا شیخ ابن تیمیہ بھی فرضیت کا قائل نہیں۔  
 ابن تیم زوا المعاد جلد اول کے ص ۱۱ میں فرماتے ہیں۔  
 قال شیخنا لا یجب قراءة الفاتحة فی صلوة الجنائزۃ بل ہی سُنَّة۔  
 ہمارے شیخ نے فرمایا کہ قرأت فاتحہ واجب نہیں بلکہ سنت ہے۔  
 میں کہتا ہوں یہ بھی بہ نیت دعا ہے نہ بہ نیت قرأت۔

### تیسرا قول

اس زمانہ کے اہل حدیث کہلانے والے سفر میں دو نمازیں جمع کر لیتے ہیں۔  
 کبھی جمع تقدیم یعنی ظہر کے ساتھ ہی عصر یا مغرب کے ساتھ ہی عشاء پڑھ لیتے ہیں اور  
 کبھی جمع تاخیر یعنی عصر کے وقت ظہر اور عشاء کے وقت مغرب پڑھ لیتے ہیں۔  
 لیکن ابن تیم زوا المعاد جلد ۲ ص ۱۹ میں لکھتے ہیں۔

قال ابوداؤد هذا حدیث منکر و لیس فی تقدایمہ الوقت حدیث  
 قائل۔

ابوداؤد کہتے ہیں کہ یہ حدیث (حدیث معاذ در بارہ جمع تقدیم) منکر ہے اور تقدیم  
 وقت میں کوئی حدیث قائم نہیں۔  
 پھر ص ۱۹ میں حاکم سے نقل کیا۔  
 کہ یہ حدیث موضع ہے۔

پھر ابن تیم نے یہی حدیث بروایت بن سعد عن ابی الزیر نقل کی اور فرمایا۔  
 ہشام بن سعد ضعیف ہے۔ اس کو امام احمد و ابن معین و ابو حاتم و ابو زرہ  
 و یحییٰ بن سعید نے ضعیف کہا۔ اور جمع تاخیر سے مراد جمع صوری ہے۔  
 پھر ابن تیم زوا المعاد جلد ۲ ص ۱۹ میں لکھتے ہیں۔

ولو یحیی جمع التقدایم عنہ، فی سفر الاہذا

سفر میں جمع تقدیم کی ایک یہی روایت آئی ہے۔

جس کا ضعف ابن قیم نے ثابت کیا۔

## چوتھا قول

زاد المعاد مطبوعہ مصر جلد اول ص ۱۱۱ میں ہے۔  
ابن قیم ان لوگوں کی ترویج کرتے ہیں جو کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم  
کی ذات بابرکات ہمارے ذات کے مساوی ہے حضور علیہ السلام کی افضلیت  
صرف امور خارجہ کی وجہ سے ہے، فرماتے ہیں۔

اما ابین بطلان اے یقتضی بان مکان البیت الحرام مساو  
لسائر الامکنة وذات الحجر الاسود مساویة لسائر حجارة  
الارض وذات رسول الله صلی الله علیه وسلم مساویة  
لذات غیره وانما التفضیل فی ذلک بامور خارجة عن  
الذات والصفات القائمة بها وهذا الاقویل وامثالها  
من الجنایات التي جناها المتكلمون على الشريعة ونسبوا  
اليها وهي بريئة منها۔

وما سوى الله تعالى بين ذات المسك وذات البول ابدا  
ولا بين ذات الماء وذات النار ابدا والتفاوت البين بين  
الامكنة الشريفة واصدادها والذوات القاضلة و  
اصدادها اعظم من هذا التفاوت بكثير جنين ذات موسى  
عليه السلام وفرعون من التفاوت اعظم مما بين المسك  
والوجيع وكذلك التفاوت بين نفس الكعبة وبين بيت  
السلطان اعظم من هذا التفاوت ايضا بكثير فكيف يجعل  
البقعتان سواء في الحقيقة والتفضيل باعتبار ما يقع هناك  
من العبارات والازكار والدعوات۔ انتهى۔



میں اس بات کا بطلان کرتا ہوں کہ بیت اللہ دوسرے مکانوں کے مساوی ہے اور حجرِ اسود زمین کے دوسرے پتھروں کے برابر ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات دوسرے لوگوں کی ذات کے مساوی ہے۔ اور ان کی برتری ان امور کے باعث ہے جو ذات و صفات قائمہ سے خارج ہیں۔ ایسی باتیں متکلمین نے شریعت کے ذمہ لگائی ہیں حالانکہ شریعت اس سے بری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کستوری کی ذات اور بول کی ذات کو برابر نہیں بتایا۔ نہ پانی اور آگ کی ذات کو مساوی کیا۔ شریف مکانوں اور ان کی اضداد اور ذواتِ فاضلہ اور ان کی اضداد میں جو فرق ہے۔ وہ اس فرق (یعنی کستوری اور بول کے فرق) سے نہایت ہی بڑا فرق ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کی ذات اور فرعون کی ذات میں جو فرق ہے، وہ کستوری اور گوبر کے فرق سے بہت فرق ہے۔ اسی طرح نفسِ کعبہ اور بادشاہ کے گھر میں جو فرق ہے وہ بھی اس فرق سے بہت اعظم ہے تو کس طرح دونوں جگہوں کو مساوی کہا جاتا ہے؛ اور باعتبار عبادات اور اذکار کے نفسِ کعبہ کو فضیلت دی جاتی ہے۔

## پانچواں قول

اس زمانہ کے اہل حدیث کہلانے والے غائبانہ نماز جنازہ کا حکم دیتے ہیں۔

ابن قیم زاد المعاد ص ۲۰۵ جلد اول میں فرماتے ہیں۔

ولو يكن من هدايه وسنة الصلوة على اميت غائب فقامات

خلق كثير من المسلمين وهو غيب ولو يصل عليهو۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ نہ تھی کہ ہر غائب پر جنازہ کی نماز

پڑھیں رکھی مسلمان غائب فوت ہوئے مگر آپ نے نماز جنازہ نہیں پڑھی۔

یہی بات نجاشی کے غائبانہ جنازہ کی تو ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ نجاشی کفار میں

فوت ہوا۔ اس پر کسی نے جنازہ نہ پڑھا تھا۔ اس لیے حضور علیہ السلام نے اس

کا غائبانہ جنازہ پڑھا۔

### چھٹا قول

آجکل کسی لوگ نعت خوانی کو اچھا نہیں سمجھتے۔

ابن قیم زاد المعاد جلد ۳ ص ۱۳۱ میں فرماتے ہیں۔

فلما دخل قال العباس يا رسول الله ائذن لي امتدحك

فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم قل لا يفضن الله

فاك فقال من قبلها طبت في الظلال وني الخ

جب حضور مدینہ میں داخل ہوئے تو حضرت عباس نے عرض کی مجھے اجازت

ہو تو آپ کی مدح کروں۔ حضور نے فرمایا کہو خدا تمہارے منہ کو سلامت رکھے تو

حضرت عباس نے حضور کے سامنے حضور کی نعت نظم میں پڑھی۔

فقہ اعظم حضرت مولانا ابویوسف محمد شریف محدث کوٹلوی کا خاص عطا

## دافع ٹھٹھراہ

جس عورت کے ہاں مردہ بچے پیدا ہوتے ہوں یا کمزور ہو کر مرتے ہوں یا وقت سے پہلے حمل ساقط ہو جاتا ہو یا روکیاں ہی روکیاں پیدا ہوتی ہوں اسے مرض ٹھٹھراہ ہے اس نامراد مرض کے ازالہ کے لیے حضرت فقہ اعظم روکیاں اور تعویذات دیا کرتے تھے جس سے ہزاروں عورتیں بامراد ہو گئیں۔ اطباء حکما اور ڈاکٹروں نے تیسرے کیا ہے کہ اس مرض کیلئے

یہ روحانی علاج سو فیصد کامیاب ہے

المسند: یہ خاص عطیہ والد گرامی مجھے عطا فرمایا گئے ہیں ضرورت مند اصحاب مجھے

آٹھ ماہ کے لیے تعویذات اور گولیاں طلب فرمائیں

نوٹ: یہ دوا حمل کے پہلے دوسرے یا پھر تیسرے ماہ تک شروع کر دینا لازم ہے۔ پھر بچہ پیدا ہونے تک دوائی جاری رکھی جاتی ہے۔ ترکیب استعمال ساتھ روانہ کی جائے گی:

ہر یہ محمولہ ایک سیت - ۱۰۰۰

بچوں کے سوکڑے کا سو فیصد مفید روحانی علاج

## شینی

چوڑا سوکڑا کرکٹ کاٹنا چکا ہوا اس میں خون یا کیمیا کی کمی ہوتی ہے اس کے لیے شینی منلو اور قدرت کا اثر دیکھنے کے لیے ڈالنے کا ایک تعویذ اور ۴۰ عدد گولیاں ہیں جو روز ایک ونی بیس کر دینی کے پچھ بچہ اپنی میں کھوں کر پلائی جاتی ہے پچھ بچہ بھر میں ہی مونا تازہ پھول لفظ آتا ہے آواز شش شروع ہے۔

ہر یہ محمولہ ایک سیت - ۲۰۰۰ روپے

صاحبزادہ ابوالنور محمد بشیر  
دربار شریفی کوٹلی لوہاراں  
ضلع سیالکوٹ

# ففت الفقہ

—: مُصنّف: —

فقہ عظیم مولانا ابو یوسف محمد شریف محدث کوٹلوی رحمہ اللہ



فقہ کے موضوع پر بصیرت افروز مقالات  
امام اعظم، ہدایہ اور درمختار پر اعتراضات کے جوابات  
غیر مقلدین کی ففت کے عجیب و غریب مسائل

—: ناشر: —

فریدنگ ٹال ، ہم اڈو بازار ، لاہور







